لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ

بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے (عقل و شکل کے اعتبار سے) بہترین اعتدال پر

جدید فقہی مسائل اور ان کا شرعی حل

- اِنسانی اعضاء کی وصیّت
- ہبہ و عطیہ
- مصنوعی و حیوانی اعضاء کا استعمال
- تداوی بالحرام
- انتقالِ خون
- پوسٹ مارٹم اور آپریشن کی شرعی حیثیت پر ایک عمدہ تحقیق



تصنیف:

علامہ سیّد ریاض حُسین شاہ کاظمی

صدر مدرس: جامعہ سیف الاسلام۔ مظفر آباد۔ آزاد کشمیر

زاویہ پبلشرز

زاویہ پبلشرز

دربار مارکیٹ ۔ لاہور

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝

بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے (عقل و شکل کے اعتبار سے) بہترین اعتدال پر

جدید فقہی مسائل اور
ان کا شرعی حل

○ اِنسانی اعضاء کی وصیت ○ ہبہ و عطیہ ○ مصنوعی و حیوانی اعضاء کا استعمال ○ تداوی بالحرام ○ انتقالِ خون ○ پوسٹ مارٹم اور آپریشن کی شرعی حیثیت پر ایک عمدہ تحقیق

تصنیف:

علامہ سیّد ریاض حُسین شاہ کاظمی

صدر مدرس: جامعہ سیف الاسلام۔ مظفر آباد۔ آزاد کشمیر



زاویہ پبلشرز

دربار مارکیٹ - لاہور

فون 042-7248657 فیکس 042-7112954

Mob: 0300-9467047 - 0321-9467047 - 0300-4505466

Email:zaviapublishers@yahoo.com



2008

باراوّل ـــــ 1000

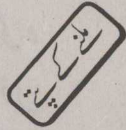
ہدیہ ـــــ -/200 روپے

زیرِ اہتمام ـــــ نجابت علی تارڑ

محمد کامران حسن بھٹہ ایڈووکیٹ ہائی کورٹ (لاہور) 0300-8800339

لیگل ایڈوائزرز

رائے صلاح الدین کھرل ایڈووکیٹ ہائی کورٹ (لاہور) 0300-7842176



مکتبہ اہل سنت امین پور بازار، فیصل آباد 0321-6639552

کتاب گھر، کمیٹی چوک، راولپنڈی 051-5552929

مکتبہ قادریہ نزد چوک میلاد مصطفیٰ سرکلر روڈ گوجرانوالہ 055-4237699

احمد بک کارپوریشن کمیٹی چوک راولپنڈی 051-5558320

مکتبہ یاسخی سلطان حیدر آباد 0321-3025510

مکتبۃ المدینہ، فیصل آباد/ راولپنڈی/ ملتان/ حیدر آباد/ کراچی 021-2203311

اشرف بک ایجنسی کمیٹی چوک، راولپنڈی 0333-5205014

حنفیہ پاک پبلی کیشنز: نزد بسم اللہ مسجد کھارادار کراچی

مکتبۃ العطاریہ لنک روڈ صادق آباد 0333-7413467

مکتبہ قادریہ سبزی منڈی کراچی 021-4944672

مکتبہ برکات المدینہ بہادر آباد کراچی 021-4219324

عطار اسلامی کتب خانہ بازار کلاں نزد دو دروازہ سیالکوٹ 0345-6747131

مکتبہ قادریہ دربار مارکیٹ لاہور 042-7226193

الانتساب

بندہ اپنی اس سعی و کوشش کا انتساب اپنے

والدین کریمین

کے نام کرتا ہے جنہوں نے پُر آشوب دور میں مجھے دینی و مذہبی راہ پر گامزن کیا خصوصاً

والدہ محترمہ

کے نام جن کی آغوش محبت کو میں نے ہمیشہ وسیع سے وسیع تر پایا اور جن کی دعاءِ صبح گاہی کروٹ کروٹ میرے شاملِ حال رہی اور جنہوں نے تنگدستی و خوشحالی میں میرے مستقبل کی حفاظت کی

اللہ تعالیٰ ان کا شفقتوں اور محبتوں بھرا سایہ تادیر قائم رکھے

(امین بجاہ طٰہٰ و یٰسین)

سید ریاض حسین شاہ کاظمی

مدرس: جامعہ سیف الاسلام مظفر آباد

عورسیّداں، تحصیل اٹھمقام، ضلع نیلم، آزاد کشمیر

الاھداء

بندہ اپنی اس سعی و کوشش کو اپنے جمیع اساتذۂ کرام خصوصاً رئیس المحدّثین، سند المدرّسین، عمدۃ المحققین، مفتی اعظم پاکستان حضرت علاّمہ مولانا

مفتی محمد عبد القیّوم ہزاروی نوّر اللہ مرقدہ

سابق صدر تنظیم المدارس (اہلسنت) پاکستان

کی بارگاہِ والا جاہ میں بطور ھدیۂ نیاز و نذرانۂ عقیدت پیش کرتا ہے کہ جن کی ساری زندگی اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ علم دین کی خدمت میں گزری اور جن کے چشمۂ فیض سے ہزاروں افراد مستفیض ہو کر چار دانگِ عالَم میں قال اللہ اور قال الرّسول کا درس دے رہے ہیں، اور جن کی محنت، شفقت، محبت اور حسن تربیت نے مجھے کچھ پڑھنے، پڑھانے اور لکھنے کے قابل بنایا۔

سوئے دریا تحفہ آوردم صدف
گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

سید ریاض حسین شاہ کاظمی غفرلہ

تعارفِ مصنّف

از قلم: صاحبزادہ سیّد عظمت حسین شاہ گیلانی

علامہ سیّد ریاض حسین شاہ کاظمی زید مجدہ کی ولادت ۱۴ مارچ ۱۹۸۰ء میں وادئ نیلم آزاد کشمیر کے معروف گاؤں عور سیّداں میں سیّد بہار علی شاہ کاظمی کے ہاں ہوئی

دینی تعلیم کا آغاز

آپ نے ابتدائی تعلیم گاؤں میں ہی حاصل کی، بعد ازاں مظفر آباد کی معروف دینی درس گاہ جامعہ اسلامیہ برکاتیہ میں وادئ نیلم کے عظیم علمی وروحانی شخصیت حضرت میاں محمد برکت اللہ جھاگوی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند رشید حضرت علامہ صاحبزادہ حمید الدین برکتی مدظلہ العالی کی سرپرستی میں تین سال کے عرصے میں قرآن حکیم حفظ کیا۔

بچپن ہی سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو علومِ اسلامیہ کی طرف راغب کر دیا یوں آپ نے علومِ اسلامیہ کے حصول کے لئے ۱۲ اپریل ۱۹۹۴ء کو دنیائے اسلام کی عظیم علمی درس گاہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں داخلہ لے لیا۔ مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ کی زیر تربیت رہتے ہوئے انتہائی شوق وذوق سے درس نظامی کی کتب پڑھیں ۱۹۹۹ء میں کچھ عرصہ کراچی جامعہ انوار القرآن میں چند کتب کا درس لیا، بعد ازاں گلستانِ مہر علی جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی میں داخلہ لیا اور ۷ ماہ تک درجہ سادسہ میں پڑھتے رہے راقم الحروف جامعہ میں آپ کا ہم سبق رہا۔ درس نظامی کی تکمیل کے لئے ۲۰۰۰ء میں دوبارہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں لے لیا۔ ۲۰۰۲ء میں دورۂ حدیث شریف کیا۔ بخاری شریف کی آخری حدیث

عمدۃ الازکیاء حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد اشرف سیالوی دامت برکاتہم العالیہ سے پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔

اساتذہ کی تربیت اور خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے آپ نے ہر امتحان میں امتیازی پوزیشن حاصل کی ثانویہ خاصہ میں تنظیم المدارس کے امتحانات میں ملک بھر میں دوسری پوزیشن اور شہادۃ العالیہ میں ملک بھر اول پوزیشن حاصل کی۔

اساتذۂ کرام

آپ نے ۲۴ اساتذہ کرام کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا چند مشہور اساتذہ یہ ہیں

(۱) مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ لاہور

(۲) محسن اہل سنت شیخ الحدیث حضرت علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ لاہور

(۳) استاذ العلماء حضرت علامہ مفتی گل احمد خان عتیقی لاہور۔

(۴) استاذ العلماء حضرت علامہ حافظ محمد عبد الستار سعیدی لاہور۔

(۵) استاذ العلماء حضرت علامہ مفتی محمد صدیق ہزاروی لاہور۔

(۶) استاذ العلماء حضرت علامہ محمد منشاء تابش قصوری لاہور۔

(۷) استاذ العلماء حضرت علامہ حافظ خادم حسین رضوی لاہور۔

(۸) استاذ العلماء حضرت علامہ محمد صدیق نظامی لاہور۔

(۹) استاذ العلماء حضرت علامہ عبد الرشید قریشی راولپنڈی۔

(۱۰) استاذ العلماء حضرت علامہ فضل دین نقشبندی راولپنڈی۔

(۱۱) استاذ العلماء حضرت علامہ حافظ اسحاق ظفر راولپنڈی۔

آپ اپنے تمام اساتذۂ کرام سے بے پناہ عقیدت رکھتے ہیں، فقیر نے دیکھا جب

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر آجاتا تو شاہ صاحب آب دیدہ ہوجاتے ہیں، انتہائی عقیدت واحترام سے ان کے پندونصائح اوراحوالِ زندگی کا تذکرہ کرتے ہیں، یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ مفتی اعظم جیسی یگانہ روزگار ہستیاں صدیوں بعد پیدا ہوتی ہیں۔

فروغ شمع تو قائم رہے گا روزِ محشر تک
مگر محفل تو پروانوں سے خالی ہوتی جاتی ہے

اساتذہ کی شفقت

استاذ العلماء شیخ الجامعہ حضرت حضرت علامہ سید غلام محی الدین شاہ صاحب سلطان پوری رحمۃ اللہ علیہ کی عادت کریمہ تھی کہ دورانِ مطالعہ وتکرار طلباء کے پاس تشریف لاتے اور سوالات فرمایا کرتے تھے حسبِ عادت علامہ سیّد ریاض حسین شاہ صاحب پر متعدد سوالات وقتاً فوقتاً فرماتے رہے، درست جوابات ملنے پر آپ نے شاہ صاحب کے لئے ماہانہ اعزازیہ جاری فرمایا اور فرمایا

"تکرار کبھی نہ چھوڑنا کیونکہ پڑھنا اپنے ذہن سے ہوتا ہے اور پڑہانا دوسرے کے ذہن سے ہوتا ہے، خود سمجھ لینا خوبی ضرور ہے مگر کمال نہیں، کمال اپنی بات دوسروں کو سمجھا دینا ہے، میں دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ آپ کو بہترین عالم اور مدرّس بنائے"

دنیائے علم وفضل کی ایک عظیم شخصیت کے یہ دعائیہ کلمات یقیناً بہت بڑا اعزاز ہے۔

محسنِ اہلسنت مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وصال سے تقریباً ایک ہفتہ قبل بذیعۂ خط شاہ صاحب کوفتویٰ کی اجازت عطا فرمائی۔

تدریس کا آغاز

شاہ صاحب نے ۲۰۰۳ء میں جامعہ اسلامیہ برکاتیہ مظفرآباد سے تدریسی دور

کا آغاز کیا ۱۸ اکتوبر ۲۰۰۵ء کے قیامت خیز زلزلے کے بعد کچھ عرصہ دارالعلوم تعلیم الاسلام نیو میمن مسجد بولٹن مارکیٹ کراچی تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ آج کل جامعہ سیف الاسلام مظفر آباد میں تدریس کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔

شرفِ بیعت

علومِ دینیہ کی تکمیل وتحصیل کے بعد شاہ صاحب نے عالم اسلام کی عظیم روحانی وعلمی شخصیت حضرت شیخ الحدیث ابوالخیر سید حسین الدین شاہ صاحب چشتی قادری دامت فیوضھم کے دستِ اقدس پر ۷ اشعبان المعظم ۱۴۲۸ھ میں بیعت کی سعادت حاصل کی۔

حضرت شاہ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف کی صلاحیتوں سے بھی نوازا ہے، زیرِ نظر کتاب سے قارئین خود ہی آپ کے ذوق وشوق اور وسعت مطالعہ اور قوتِ استدلال کا اندازہ کرسکیں گے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ موصوف کو تادیر دین متین کی خدمت اور اپنے عظیم نسب ونسبت کی برکتوں اور خشبوؤں کو پھیلانے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین بجاہِ طہٰ ویٰسین

سید کسے بود ہویدا شود ازو
خلقِ محمدی وکرم مرتضیٰ علی

فقط۔ درِ بوتراب کا ادنیٰ فقیر
سیّد عظمت حسین شاہ گیلانی
مدرسہ غوثیہ فیضان الحرمین النور کالونی سیکٹر ۲ جہاز گراونڈ راولپنڈی
۱۲ نومبر ۲۰۰۷ء

فہرست





تقریظ

رئیس المدرّسین، استاذ العلماء حضرت علّامہ مولانا

مفتی گل احمد خان عتیقی

سابق شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور۔

الحمد للہ و کفیٰ والصلوٰۃ والسّلام علی سیّدالانبیاء محمد المصطفیٰ وعلیٰ آلہ المجتبیٰ وعلیٰ اصحابہ الّذین ھم نجوم الھدیٰ

موجودہ دور ترقی کا دور ہے سائنس نے دیگر شعبوں کی طرح طب جراحی میں بھی بڑے محیر العقول کارنامے سرانجام دیتے ہوئے اعضاء کی پیوندکاری سے ہزاروں قریب المرگ لوگوں کو بفضل اللہ تعالیٰ صحت وشفاء سے ہمکنار کیا طبّ جراحی کے ان محیر العقول کارناموں نے علمائے اسلام کو دعوتِ فکر وتحقیق دی اور علمائے اسلام اپنی اپنی تحقیق اور دلائل کی روشنی میں تقریباً چار گروہوں میں بٹ گئے علمائے اہلسنت کے ایک نامور محقق اور عالم دین مولانا غلام رسول سعیدی شارح مسلم شریف اور علمائے دیوبند کے ایک عظیم محقق جنہیں مجتہد کا درجہ دیا جاتا ہے مفتی محمد شفیع دیوبندی کا نظریہ ہے عندالضرورت جب کسی انسان کو خون دینے کے علاوہ اس کو زندہ رکھنے کا کوئی اور ذریعہ نہ رہے تو صرف انتقالِ خون جائز ہے خواہ قیمۃً ہی لینا پڑے علاوہ ازیں گردوں وغیرہ کی پیوندکاری بہرصورت ناجائز وحرام ہے نیز مولانا مودودی صاحب اور تمام مکاتبِ فکر کے جمہور علماء کا یہی نظریہ ہے۔

دوسرا مذہب اہل سنت کے ایک نامور محقق مناظر اسلام کا ہے ان کے

نزدیک انتقالِ خون کی طرح انسانی اعضاء کی پیوند کاری بھی جائز ہے۔قارئین! آپ نے ایک نامور عالم دین محققِ اہل سنت کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں انہوں نے پیوند کاری کی حرمت کے دلائل پر عدمِ اطمینان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ ان سب حضرات نے اعضاء کی پیوند کاری کی حرمت بیان کی ہے لیکن میرے نزدیک ان کی رائے پر احتیاطاً عمل کرنا اولیٰ ہے

قارئین! جن کو فقہ اسلامی کی کچھ سوجھ بوجھ ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ فتویٰ اولویت پر نہیں ہوتا بلکہ جواز وعدم جواز پر ہوتا ہے اس نامور سنی محقق کا نظریہ یہ ہے کہ انتقال خون کی طرح گردوں وغیرہ کی پیوند کاری بھی جائز ہے انہوں نے اعضاء کی پیوند کاری کو انتقالِ خون پر قیاس کیا ہے لیکن یہ قیاس درست نہیں کیونکہ انتقالِ خون مقیس علیہ ہے اور قیاس کے لئے مقیس علیہ متفق علیہ ہوتا ہے اور یہاں مقیس علیہ متفق علیہ نہیں ہے کیونکہ محققین کی بڑی تعداد انتقالِ خون کے جواز کی قائل نہیں ہے اور انکے نزدیک کسی صورت میں بھی ایک آدمی کا خون دوسرے آدمی میں منتقل کرنا جائز نہیں ہے خواہ خون لینے والے کی جان بچے یا نہ بچے کیونکہ انسان کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہے انسان اپنے جسم کا مالک نہیں بلکہ جس طرح اللہ تعالیٰ انسان کا خالق ہے اسی طرح اس کا مالک بھی وہی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں اپنی مرضی سے تصرف کرنا شرعاً جائز نہیں

نیز یہ بڑا آسان اور عام فہم ضابطہ ہے کہ جب اباحت اور حرمت میں تقابل ہو تو حرمت کو اباحت پر ترجیح ہوتی ہے اس ضابطے کی روشنی میں اعضاء کی پیوند کاری کی حرمت کو جواز و اباحت پر ترجیح حاصل ہے۔

تیسرا مذہب بین الاقوامی فقہ اکیڈمی کے محققین کا ہے انہوں نے بڑی وسعت اور وسیع الظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے خون جلد وغیرہ کے انتقال کو غیر مشروط طور پر جائز قرار دیا ہے اور سوائے چند صورتوں کے زندہ اور مردہ انسان کے اعضاء کی دوسرے زندہ انسان میں پیوند کاری کو جائز قرار دیا ہے بہتر یہ ہے کہ یہاں انکی تحقیق وآراء کو بلاکم وکاست ذکر کرنے کے بعد ان پر شرعی نقطۂ نظر کے مطابق کلام کی جائے

بین الاقوامی اسلامی فقہ اکیڈمی کی قراردادیں ملاحظہ فرمائیں

پہلی شق زیر بحث نہیں اس لیئے اسے چھوڑ دیا گیا ہے

دوّم ۔ایک انسان کے جسم سے دوسرے انسان کے جسم میں ایسے عضو کی منتقلی جائز ہے جو خود بخود دوبارہ وجود میں آتا رہتا ہو، مثلاً خون اور جلد ۔اس معاملہ میں ضروری ہے کہ عطیہ دینے والا کامل اہلیت رکھتا ہو (یعنی عاقل و بالغ ہو) اور معتبر شرعی شرائط پوری کر لی گئی ہوں۔

سوم۔ کسی شخص کے جسم سے اس کا کوئی عضو کسی بیماری کی وجہ سے نکالا گیا ہو، اس کے کسی حصہ سے دوسرے شخص کے لئے استفادہ جائز ہے، مثلاً اگر کسی شخص کی آنکھ کسی بیماری کی وجہ سے نکالی گئی ہو تو اس کا قرنیہ کسی دوسرے شخص کے لئے لیا جا سکتا ہے۔

چہارم ۔ جس عضو پر زندگی کا دارومدار ہو مثلاً دل، اسے کسی زندہ انسان کے جسم سے دوسرے انسان کے جسم میں منتقل کرنا حرام ہے۔

پنجم ۔ کسی زندہ انسان سے ایسے عضو کو منتقل کرنا جس کے الگ ہونے سے اس کی زندگی کا کوئی بنیادی کام معطل ہو جائے ،خواہ زندگی کی سلامتی اس پر

موقوف نہ ہو، حرام ہے۔ مثلاً دونوں آنکھوں کے قرنیے کی منتقلی۔ البتہ اگر اس عضو کی منتقلی سے کسی بنیادی کام کا صرف ایک حصہ معطل ہوتا ہوتو یہ صورت محلِ نظر ہے، اور اس کے بارے میں دفعہ نمبر ہشتم کا اطلاق ہوگا۔

ششم ۔ کسی مردہ شخص کا ایسا عضو کسی زندہ انسان میں منتقل کرنا جائز ہے جس پر اس (زندہ انسان) کی زندگی موقوف ہو، یا اس پر اس کی زندگی کے کسی بنیادی کام کی سلامتی کا دارومدار ہو، بشرطیکہ مرنے والے شخص نے موت سے پہلے یا اس کے ورثاء نے موت کے بعد منتقلی اجازت دے دی ہو، اور اگر متوفی لاوارث ہو یا اس کی شناخت نہ ہوتو مسلمانوں کے ولی الامر نے اس کی اجازت دے دی ہو۔

ہفتم ۔ یہ امر ہر حال میں ملحوظ رہنا چاہئے کہ مذکورہ حالات میں عضو کی منتقلی کے جواز پر اتفاق اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ منتقلی کا عمل عضو کی خرید وفروخت کے ذریعے انجام نہ پائے ، کیونکہ انسانی اعضاء کی خرید وفروخت کسی حال میں جائز نہیں۔ البتہ عضو سے استفادہ کرنے والا مطلوبہ عضو کے حصول کی خواہش میں مکافات یا اکرام کے طور پر اگر عطیہ دینے والے کو کچھ مال دے تو یہ مسئلہ محل نظر ہے۔

ہشتم ۔ منتقلیٔ اعضاء کی جن صورتوں کا اوپر ذکر آیا ہے، ان کے سوا اس عمل کی جتنی صورتیں ہیں، وہ سب محلّ نظر ہیں اور ان کی بحث وتحقیق طبّی حقائق اور شرعی احکام کی روشنی آئندہ کسی اجلاس کا موضوع بنی چاہئے۔ واللہ اعلم

معزز قارئین! آپ نے بین الاقوامی اسلامی فقہ اکیڈمی کے فقہی اجلاسوں کی قراردادیں ملاحظہ کیں۔ شرعی احکام کے پہلو سے شق نمبر ۲ میں انتقالِ خون کو اس شرط پر جائز قرار دیا کہ عطیہ دینے والا عاقل وبالغ ہو اور اس نے اجازت بھی دی ہو۔

اورشق نمبر۳ میں ہے کہ اگر کسی بیماری کی وجہ سے کسی کا کوئی عضو نکالا گیا ہو تو اس سے دوسرے آدمی کیلئے استفادہ جائز ہے۔مثلاً کسی کی بیماری کی وجہ سے آنکھ نکالی گئی ہو تو اس کا قرنیہ کسی دوسرے شخص کے لئے جائز ہے۔شق نمبر ۶ میں ہیکہ کسی مردہ آدمی کا ایسا عضو کسی زندہ آدمی میں منتقل کرنا جائز ہے بشرطیکہ مرنے والے نے موت سے پہلے یا اسکے ورثاء نے موت کے منتقلی کی اجازت دی ہو اور اگر متوفی لاوارث ہو یا اس کی شناخت نہ ہو رہی ہو تو مسلمانوں کے ولی الامر نے اسکی اجازت دی ہو۔اور شق نمبر ۷ بھی ملاحظہ فرمالیں۔

بین الاقوامی اسلامی فقہ اکیڈمی کے چھٹے اجلاس کی قردادیں ملاحظہ فرمائیں۔

شقق نمبر ا زیر بحث نہیں اسلئے اسے چھوڑ دیا گیا ہے۔

دوم: اگر اسکا ماخذ کوئی حیوانی جنین ہو تو اگر اس طریقے کی کامیابی کا امکان ہو اور اس میں شرعی خرابیاں لازم نہ آتی ہوں تو اس کو اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں ۔ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ یہ طریقہ مختلف قسم کے حیوانوں میں کامیاب ہو چکا ہے اور اس طریقے کی کامیابی کی امید ہے بشرطیکہ ضرور طبی احتیاطی تدابیر اختیار کرلی جائیں تاکہ منتقل شدہ عضو کو جسمانی عدم قبولیت کے مضر اثرات سے بچایا جاسکے۔

سوم: اگر نسیجوں کے حصول کا ماخذ ایسے زندہ خلیے ہوں جو جنین باکر (وہ جنین جو دسویں یا گیارہویں ہفتے کا ہو) کے دماغ سے حاصل کئے گئے ہوں اس کا شرعی حکم مندرجہ ذیل صورتوں کے اعتبار مختلف ہو جائے گا۔

(الف) پہلا طریقہ

اس کو ماں کے پیٹ میں موجود انسانی جنین سے ،رحم مادر کو جراحی کے ذریعے

کھول کر براہ راست حاصل کیا جائے۔اس طریقے میں جنین کے دماغ سے خلیوں کو حاصل کرتے ہی اس کی موت واقع ہو جاتی ہے۔یہ طریقہ شرعاً حرام ہے،الا یہ کہ عمل جنین کے بلاقصد طبعی اسقاط یا جنین کی موت کا یقین ہو جانے کے بعد ماں کی زندگی بچانے کے لئے کئے گئے اسقاط کے بعد کیا جائے اور اس سلسلے میں ان شرائط کی بھی رعایت کی گئی ہو جو جنین سے استفادہ کے بارے میں اسی اجلاس کی قرارداد نمبر ۵۹ (۶/۸) میں آنے والی ہیں۔

(ب) دوسرا طریقہ

یہ طریقہ ممکن ہے کہ مستقبل قریب میں اختیار کیا جائے اور وہ یہ کہ دماغی خلیوں سے استفادہ کے لئے خصوصی طریقوں سے ان کی افزائش کی جائے۔شرعاً اس طریقے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ افزائش کردہ خلیوں کا ماخذ شرعی ہو اور اسے شرعی طریقے پر حاصل کیا گیا ہو۔

چہارم: بغیر دماغ کے پیدا ہونے والے بچہ

ایسا بچہ پیدا ہونے کے بعد جب تک زندہ رہے اس وقت تک اسکے کسی عضو کو حاصل کرنے کے لئے اس سے کسی قسم کا تعرض جائز نہیں۔یہ اس وقت جائز ہوگا جب ساق دماغ کی موت کی وجہ سے اس کی موت واقع ہو جائے۔اس سلسلے میں اس بچے اور دوسرے صحیح سالم بچوں کے درمیان کوئی فرق نہیں۔جب وہ مر جائے تو اس کے اعضاء لینے میں ان احکام اور شروط معتبرہ کی رعایت ضروری ہے جو ایک مردہ کے اعضاء کے حصول کیلئے ضروری ہیں یعنی وارثین کی اجازت اور اس کے عضو کے بدل کی عدم موجودگی اور واقعی ضرورت کا ہونا وغیرہ ان کا تذکرہ اکیڈمی کے چوتھے اجلاس

کی قرارداد نمبر ۲۶ (۱/۴) میں آچکا ہے۔ شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ اس بغیر دماغ کے بچے کے ساق دماغ کی موت واقع ہوجانے کے بعد اس محرکِ حیات مصنوعی آلات کے ذریعے باقی رکھا جائے تاکہ اس کے قابل منتقلی اعضاء میں زندگی باقی رکھی جاسکے اور ان سے فائدہ اٹھانے کے لئے انہیں مذکورہ شرائط کے ساتھ دوسری جگہ منتقل کیا جاسکے۔

معزز قارئین! آپ نے انسانی اعضاء کی پیوند کاری کے بارے میں بین الاقوامی اسلامی فقہ کے چھٹے اجلاس میں قراردادیں ملاحظہ فرمائیں۔

اس قرارداد کی شق سوم میں پہلا طریقہ میں ''الا یہ کہ یہ عمل,, انتہائی محل نظر،، ہے اور شق نمبر ۴ میں پہلی دو سطریں ,, جائز نہیں،، تک بات درست ہے اور اس کے بعد والی عبارت انتہائی محل نظر ہے۔

انسانی انتقالِ خون اور اعضاء کی پیوند کاری کے مجوزین کے دلائل نہایت کمزور اور معروف شرعی ضابطوں کی طرف توجہ نہ کرنے کا نتیجہ ہیں۔

معروف ومشہور ضابطہ ہے کہ جب حرمت واباحت میں تقابل آجائے تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے۔

(۲) شرفِ انسانیت کو نظر انداز کرنے کا نتیجہ ہے۔

یہ یاد رہے کہ اس وقت صرف انسانی اعضاء کی پیوند کاری بوقت ضرورت کسی زندہ یا مردہ انسان کے اعضاء کو کسی دوسرے انسان میں منتقل کرنا کیا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ زیر بحث مسئلہ کو سمجھنے کے لئے درجہ ذیل باتوں کا جاننا ضروری ہے۔

(1) کیا انسان اپنے جسم کا مالک ہے وہ جیسے چاہے اپنے جسم میں تصرف کرسکتا ہے یا

یہ جسم اس کے پاس اللہ تعالی کی امانت ہے۔

(2) کیا کسی انسان، خصوصًا مسلمان کے لئے مرنے کے بعد اعضاء کی منتقلی کی وصیت کرنا جائز ہے؟

(3) اور اگر کسی نے مرنے سے پہلے اپنے اعضاء کی منتقلی کی وصیت نہیں کی تو کیا اس کے وارث میت کے اعضاء کی منتقلی کی اجازت دے سکتے ہیں؟

(4) اگر کوئی لاوارث ہو یا کسی کی میت کی شناخت نہ ہو سکتی ہو تو حکمران ایسی میت کے اعضاء کی منتقلی کی اجازت دے سکتے ہیں؟

(5) کیا انسانی اعضاء کی کانٹ چھانٹ خصوصًا مردہ، نیز ساقط شدہ حمل میں ایسی کانٹ چھانٹ جائز ہے تو اسکی کوئی صریح شرعی دلیل؟

(6) انسانی اعضاء کی پیوندکاری ,,الضرورات تبیح المحظورات،، کے قائدہ کے تحت داخل ہے؟

(7) کیا انسانی اعضاء کی پیوندکاری ,,اھون البلیتین،، کے تحت داخل ہے؟

ان سوالات کے جوابات آزاد کشمیر ضلع مظفرآباد کی مردم خیز زمین کے فاضل محقق، رئیس الازکیاء فی احبابہ حضرت علامہ مولانا سید ریاض حسین شاہ کاظمی کی کتاب ,,جدید فقہی مسائل اوران کا شرعی حل،، میں ملاحظہ فرمائیں۔

زیر بحث مسئلہ میں عرصہ دراز سے متعدد مقالات، کتابچے اور مضامین راقم کے زیر مطالعہ ہیں مگر نوعمر فاضل محقق نے بالکل جدید انداز سے زیر بحث مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے بڑی جامعیت سے محققانہ انداز میں زیر بحث مسئلہ کے تقریبا تمام پہلوؤں پر تفصیلی گفتگو کی اور بڑی شرح وبسط کے ساتھ مجوزین کے دلائل واعتراضات

ذکر کرنے کے بعد شرعی قواعد وضوابط اور دلائل کی روشنی میں انکا تجزیہ کرتے ہوئے بڑی متانت اور سنجیدگی سے انکا رد کرتے ہوئے مسئلہ کو واضح کیا ہے اگر کوئی حقیقت پسند اور منصف مزاج آدمی انکا بغور مطالعہ کریگا تو یقیناً اس کے شکوک وشبہات کا ازالہ ہو جائیگا اور وہ دل کی گہرائیوں سے حقیقت کا اعتراف کرتے ضرور اس نوجوان محقق کی حوصلہ افزائی بھی کریگا اور انہیں خراج تحسین بھی پیش کریگا۔

پاکستان میں کسی مسئلہ کی تحقیق کے لئے ہر قسم کی سہولیات میسر ہیں مدارس کا جال بچھا ہوا ہے ہر طرف لائبریریاں ہی لائبریریاں ہیں نیز راہنمائی کیلئے نامور علماء موجود ہیں اور مظفر آباد اگر چہ آزاد کشمیر کا دار الخلافہ ہے مگر وہاں اتنی سہولیات میسر نہیں اور نہ ہی وہاں اس وقت کوئی ایسا سنی عالم دین ہے جس کی طرف رجوع کیا جا سکے علماء اور مدارس کی برائے نام لائبریریاں ہیں جہاں محدود کتب ہوتی ہیں۔اس لئے وہاں حوالہ جات کے لئے کتب کی دستیابی جوئے شیر لانے کے برابر ہے البتہ محکمہ اوقاف کی ایک بڑی لائبریری ہے عند الضرورت علماء اسکی طرف رجوع کرتے ہیں۔

ان حالات میں شاہ صاحب کی ،پیوند کاری کے موضوع پر تحقیقی کتاب بڑی اہمیت کی حامل ہے اس پر شاہ صاحب کو جتنا خراج تحسین پیش کیا جائے کم ہے شاہ صاحب کی کتاب کس معیار کی ہے اسکا جواب تو کتاب کے مطالعہ کے بعد ہی دیا جا سکے گا۔میرا خیال ہے کہ ہر قاری یہی کہے گا کہ ,,آفتاب آمد دلیل آفتاب،،۔اللہ تعالیٰ بوسیلہ سید الانبیاء والمرسلین علیہ التحیۃ والتسلیم شاہ صاحب کے علم وعمل اور تحقیق وتالیف میں مزید برکت عطا فرمائے۔اللہ تعالیٰ کرے کہ اب یہ تصنیف وتالیف کا سلسلہ مسلسل بڑھتا ہی رہے۔

,,این دعا از من و جملہ جہاں آمین باد،،

چوتھے فریق کے نزدیک انسانی اعضاء کی پیوند کاری کی طرح انتقالِ خون بھی حرام ہے اور انتقال خون کی حرمت کے وہ دلائل ہیں جو انسانی اعضاء کی پیوند کاری کی حرمت کے دلائل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو شرف انسانیت سے نوازتے ہوئے اس کے سر پر ,,لقد کرمنا بنی آدم،، کا تاج سجا کر اسے اشرف المخلوقات بنایا اور اس کی راہنمائی کے لئے انبیاء ورسل کو مبعوث فرمایا اور ساری کائنات کو انسان کی خدمت کے لئے مامور کیا حتیٰ کہ فرشتوں کی ایک جماعت کو انسان کی حفاظت کی ذمہ داریاں سونپتے ہوئے انسان کو ,,لہ معقبات،، کا مژدہ سنایا نیز انسان کو اس کائناتِ ہستی کی خوبصورت ترین مخلوق بنا کر ,,لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم،، کا اعلان فرما کر تمام مخلوق پر انسان کے ظاہری اور باطنی حسن و جمال کو ظاہر فرمایا تو جب انسان اللہ تعالیٰ کے حسن خلق کا شاہکار اور اشرف المخلوقات ہے تو اس کے کچھ تقاضے بھی ہیں مسلمان تو در کنار اللہ تعالیٰ نے کافر کے مثلے کو بھی ناجائز قرار دیا ہے۔

مجوزینِ پیوند کاری نے اہانت و اعزاز کا عجیب معیار مقرر کیا ہے کہ ابتدائے اسلام میں انسان کے اعضاء کے کانٹ چھانٹ کا رواج نہ تھا اس لئے انسانی اعضاء کی کانٹ چھانٹ و کتر و بیونت کو مثلہ قرار دیتے ہوئے اسے ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ اور موجودہ دور میں چونکہ انسان کی چیر پھاڑ کا رواج بن چکا ہے اور ایک آدمی کسی دوسرے ضرورت مند آدمی کے لئے بطور وصیت یا زندگی میں گردہ وغیرہ دینے پر فخر کرتا ہے اور اسے ایثار و ہمدردی اور مہربانی و شفقت کا اعلیٰ ترین معیار سمجھا جاتا ہے اس لئے موجودہ دور میں مرے ہوئے انسان کا پوسٹ مارٹم کر کے اس کے جسم سے کار

آمد اعضاء کو نکال کر کسی دوسرے انسان میں پیوند کاری کرنا انسانیت کی توہین نہیں ہے کیونکہ بہت سے شرعی احکام کا دارومدار رسم ورواج پر بھی ہے۔

محترم قارئین! مجوزین کی یہ پیوند کاری انتہائی بوگس مضحکہ خیز اور شرعی قوائد وضوابط کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے اور سائنسی طبی تحقیق کے چیتھڑوں کی آڑ میں واضح ترین شرعی قواعد میں مداخلت کی ایک بھونڈی کوشش ہے۔

کتب احادیث میں ہے کہ

کسر عظم المیت ککسرہ حیا

(ابو داؤد ج۲ ص ۱۰۷۔مصنف عبدالرزاق کتاب الجنائزج۳ ص ٤٤)

محشی ابوداوٗد نے اسکا پس منظر بتاتے ہوئے فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک آدمی قبر کھود رہا تھا حضور سرور عالم ﷺ بھی وہاں تشریف فرماتھے قبر کھودتے کھودتے ایک آدمی کی پنڈلی یا بازو کی ہڈی نکل آئی قبر کھودنیوالوں نے اسے توڑنا چاہا تو آپ ﷺ نے یہ فرماتے کہ ,, کسر عظم المیت ککسرہ حیا،، کہ مردے کی ہڈی توڑنا ایسے ہی جیسے زندہ کی ہڈی توڑنا،، اور قبر کھودنے والے کو اس ہڈی کے دفنانے کا حکم دیا۔ابوداوٗد شریف کے حاشیے میں ہے

,,قال الطیبی فیه اشارۃ الی انه لا یھان المیت کمالا یھان الحیّ،،

علامہ طیبی نے اس ارشاد نبوی ﷺ کی شرح فرماتے ہوئے فرمایا,,اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح زندہ انسان کی توہین نہیں کی جاتی اسی طرح مردہ انسان کی توہین نہ کی جائے اس میں مسلمان اور کافر سب شریک ہیں۔

نیز حاشیہ ابوداوٗد شریف میں ہے

قال ابن الملك انه ای المیت یتالم

ابن الملک نے فرمایا کہ مردے کی ہڈی توڑنے سے مردے کو درد ہوتا ہے جیسے زندے انسان کی ہڈی توڑنے اسے درد ہوتا ہے۔

نیز حضور سرور دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا

"اذی المؤمن فی مماته کما اذاه فی حیاته"

" کسی مردہ مومن کو اذیت دینا ایسا ہے جیسے اس کی زندگی میں اسے ایذا دینا"

تو اس سے معلوم ہوا کہ کسی مردہ کی کانٹ چھانٹ اسے ایذا دینا ہے سخت منع ہے۔ البتہ انتقال خون پر علماء کی اکثریت متفق ہے مزید تحقیق عزیزم علامہ سیّد ریاض حسین شاہ صاحب کی کتاب میں ملاحظہ فرمائیں

حررہ

(مفتی) گل احمد خان عتیقی

سابق صدر مدرس و مفتی جامعہ رضویہ جھنگ فیصل آباد

اختتام ۲۹-۱۰-۲۰۰۷ء۔ بروز منگل بوقت شام ساڑھے سات بجے

تقریظ

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا

حافظ محمد عبد الستار سعیدی

ناظمِ تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور۔

انسانی اعضاء کے ہبہ و وصیت اور پیوند کاری کے بارے میں اکثر احباب مسائل پوچھتے رہتے ہیں عزیزم مولانا سید ریاض حسین شاہ کاظمی نے اس موضوع پر بڑی محنت اور عرق ریزی سے ''جدید فقہی مسائل اور ان کا شرعی حل'' کے نام سے کتاب مرتب کی ہے جس میں انسانی اعضاء کی وصیت، ہبہ وعطیہ، انتقالِ خون، پوسٹ مارٹم، آپریشن، اور حیوانی ومصنوعی اعضاء کی پیوند کاری کی شرعی حیثیت پر بحث کی گئی ہے۔

ماشاءاللہ! کتاب عصر حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق ہے جس پر عزیزم مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اس موضوع کا ایک بڑی حد تک حق ادا کر دیا ہے اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت وکاوش کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور مزید دینی وعلمی کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ امین بجاہِ سید المرسلین

حافظ محمد عبد الستار سعیدی

ناظمِ تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

۲۰ شوال ۱۴۲۸ھ بمطابق ۲ نومبر ۲۰۰۷ء

تقریظ

استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا مفتی محمد صدیق ہزاروی الازہری

سابق شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دین اسلام فطرتی دین ہے۔ اور اس کے احکام انسانیت کے فوائد پر مشتمل ہیں اسلئے جو مسائل قرآن وسنت میں بیان کردیئے گئے ان میں انسانی بھلائی کو پیش نظر رکھا گیا اور مجتہدین نے اجتہاد کے ذریعے جن مسائل کو حل کیا ان میں بھی یہی فلسفہ کارفرما ہے۔

اعضاء کی پیوندکاری جدید دور کا اہم مسئلہ ہے اس کے حوالے سے بھی نہایت دانشمندی سے کسی مؤقف کو اختیار کرنا ضروری ہے۔ اس وقت گردوں کا، کاروبار ہورہا ہے اور کئی ڈاکٹرز اس میں ملوث ہیں جب کہ غریب آدمی گردے بیچنے پر مجبور ہے ابھی تک علماء نے اس پر جواز کا فتویٰ نہیں دیا۔ اگر اس کی کھلی اجازت دی جائے تو پھر اس سے بڑھ کر خطرناک صورت سامنے آئے گی۔ حضرت علامہ سید ریاض حسین شاہ صاحب فاضل نوجوان ہیں ماشاء اللہ نہایت سمجھدار اور زیرک ہیں انہوں نے اس مسئلہ پر نہایت عمدہ تحقیق کی راہ اختیار کی ہے جو امت مسلمہ کے استفادے کے لئے نہایت اہم ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت علامہ سید ریاض حسین شاہ کے قلم اور علم میں مزید برکتیں عطا فرمائے۔ آمین

محمد صدیق ہزاروی سعیدی الازہری

جامعہ ہجویریہ مرکز معارف اولیاء حضرت داتا گنج بخش لاہور

۲-۱۱-۲۰۰۷ء

تقریظ

فاضلِ جلیل حضرت علامہ مولانا مفتی شیخ فرید صاحب

تحصیل مفتی مظفر آباد آزاد کشمیر۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. الحمد للہ ربّ العٰلمین. والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ سیّدنا محمّد سیّد الانبیآء والمرسلین وعلیٰ اٰلہ الطّاھرین واصحابہ الطّیّبین اجمعین

حضرت مولانا سیّد ریاض حسین شاہ صاحب صدر مدرس دارالعلوم سیف الاسلام مظفر آباد کی ,,انسانی اعضاء کی وصیت، مصنوعی اعضاء کی پیوندکاری، آپریشن، پوسٹ مارٹم، حیوانات کی ہڈی سے انتفاع وغیرہ مسائل پر لکھی گئی کتاب کے مطالعے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت مولانا سیّد ریاض حسین شاہ صاحب علمی، تحقیقی ذوق رکھنے والے نوجوان فاضل، ذہین وفطین، فہیم وزکی عالم دین ہیں جنھوں نے بڑے عام فہم اور سہل انداز میں اس علمی موضوع پر تحقیقی گفتگو فرمائی ہے۔

ماشاءاللہ کتاب دلائل وبراہین پر مشتمل ہے کتاب کا موضوع عصرِ حاضر کے اعتبار سے اہم ہے کمپیوٹر اور جدید سائنس کے دور میں روزمرہ پیش آمدہ طبّی مسائل کے شرعی حل پر مشتمل ہے شریعت اسلامیہ کی روشنی میں ان مسائل کے جائز وناجائز ہونے کے بارے میں ملتِ اسلامیہ کو آگاہ کرنا علماء کرام کی شرعی ذمہ داری ہے۔

الحمدللہ ہمارے علمائے کرام نے اس موضوع پر بہت کام کیا ہے مسائل بھی روز بروز پیدا ہو رہے ہیں۔ اس لیے تسلسل سے ان کے بارے میں شرعی تحقیق کی

ضرورت ہے اور جو بھی تحقیق ہوگی وہ حرفِ آخر نہیں ہوگی بلکہ اس میں اختلاف رائے کی ہمیشہ گنجائش رہے گی کیونکہ یہ اجتہادی نوعیت کے مسائل ہیں ۔اللہ تعالیٰ حضرت مولانا سیّد ریاض حسین شاہ صاحب کو علمی ، دینی خدمات کی مزید توفیق عطا فرمائے ۔

حضرت مولانا سے آزاد کشمیر ، بالخصوص مظفر آباد کے علماء کی بڑی توقعات وابستہ ہیں کہ وہ اپنے اساتذۂ کرام مفتی اعظم پاکستان حضرت شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی سابق صدر تنظیم المدارس پاکستان اور استاذ العلماء، محقق اہلسنت ، محسن ملت ، حضرت علاّمہ مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری رحمھم اللہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ان کے مسلک اوران کے نظریہ کی بھرپور خدمات انجام دیں گے ۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین

شیخ فرید

تحصیل مفتی مظفر آباد آزاد کشمیر

۱۱/ ۰۹/ ۲۰۰۷ء

پیشِ لفظ

موجودہ دور میں سائنس نے جہاں دیگر امور میں ترقی کی وہاں طبی اور ڈاکٹری امور میں بھی حیرت انگیز ترقی کی، جوں جوں زمانہ تغیر پذیر ہوتا گیا اس میں پیدا ہونے والے حالات ومسائل بھی تبدیل ہوتے گئے ہر نیا زمانہ اپنے ساتھ نئے حالات ومسائل لے کر آتا رہا جن سے انسانی زندگی میں ایک انقلاب پیدا ہوا، ہر صاحبِ فن نے اپنے اپنے فن میں ندرت پسندی اور جودتِ طبع کا مظاہرہ کرتے ہوئے تحقیق کا ایک وسیع میدان کھول دیا جس سے جہاں منفعتِ انسانی کے لئے بے شمار امور کا ظہور ہوا وہاں لاتعداد مسائلِ فقہیہ بھی سامنے آئے جن کا حکم صراحۃً قرآن وسنت میں موجود نہیں، ان مسائل کا حل قرآن وسنت اور فقہائے امت کی عبارات کی روشنی میں تلاش کرنا اور ان کی شرعی حیثیت کو متعین کرنا علمائے امت کی شرعی ذمہ داری ہے۔

جدید مسائل کا حل ایک مشکل اور دشوار ترین کام ہے اس کے لئے قرآن وسنت اور فقہائے کرام کی عبارات سے ان کے نظائر اور قریب ترین صورتوں کو تلاش کرنا پڑتا ہے ،احکام کی علل اور اسباب میں غور کرنا پڑتا ہے اس مشکل اور دشوار ترین کام کا اصل حل بالغ فکر علماء ہی تلاش کر سکتے ہیں عوام کی رسائی یہاں مشکل بلکہ ناممکن ہے۔

اسلام کے پاس فقہ کا جو ذخیرہ موجود ہے وہ انسانی فطرت سے ہم آہنگی کا ایک شاہکار ہے کہ جس کے مقابلے میں دنیا کے جدید سے جدید تر قانون کو پیش کرنا مشکل ہے فقہائے اسلام کی قبور پر اللہ تعالیٰ کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے کہ انھوں نے صدیاں پہلے بڑی محنت ،عرق ریزی ،نہایت ذوق وشوق، بالغ نظری اور بلند

نگاہی سے انسانی زندگی کی جزئیات، اور فقہی جواہر پاروں کا اس قدر احاطہ کیا ہے کہ بجاطور پر آج کے اس جدید اور ترقی یافتہ دور میں بھی ایسے کم ہی مسائل ملیں گے جن کی کوئی نظیر فقہ کے اس قدیم ذخیرہ میں موجود نہ ہو۔

دورِ جدید کے مسائل میں سے ایک اہم ترین مسئلہ ''انسانی اعضاء کی وصیت و پیوند کاری'' کا ہے۔ آج کل پاکستان اسمبلی میں بھی یہ مسئلہ زیر بحث ہے۔ آج دنیا میں دل، گردوں، پھیپھڑوں اور دیگر اعضائے انسانی کی پیوند کاری، طب جدید کا ایک اہم حصہ ہے۔ آج سیکڑوں افراد انسانی ہمدردی اور جذبۂ ایثار کی بنا پر اپنے اعضاء ہبہ وعطیہ کررہے ہیں بہت سے لوگ اپنے اعضاء کی وصیت کررہے ہیں کہ ہماری وفات کے بعد کارآمد اعضاء کو ضرورت مند مریضوں کو دے دیا جائے یا انسانی اعضاء محفوظ کرنے والے بینکوں میں جمع کروادیا جائے۔ آج دنیا میں انسانی اعضاء کے ہبہ وعطیہ اور وصیت کے بارے میں ایثار وقربانی اور جسمانی صدقہ کہہ کر ترغیب دلائی جارہی ہے اور بہت سے لوگ انسانی عضاء کی پیوند کاری کی وجہ سے خاطر خواہ زندگی بسر کررہے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا انسانی اعضاء میں تصرّف، ان کی چیر پھاڑ، ہبہ وعطیہ وصیت، اور خرید وفرخت جائز ہے؟ راقم نے ان مسائل کی شرعی حیثیت کو واضح کرنے کی سعی کی ہے کتاب کی زبان کو مسئلہ کی وضاحت اور نفع عام کی خاطر حتی المقدور آسان اور عام فہم کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کتاب کا نام ''جدید فقہی مسائل اور انکا شرعی حل'' رکھا ہے اس کتاب میں انسانی اعضاء کی وصیت، ہبہ و عطیہ، پیوند کاری، آپریشن، پوسٹ مارٹم، تداوی بالحرام، انتقالِ خون، حیوانی و مصنوعی

اعضاء کے استعمال اور پیوند کاری کی شرعی حیثیت پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

میں اس کتاب کی تکمیل کے موقعہ پر اپنے جمیع اساتذۂ کرام اور ان تمام حضرات کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی محنت، عرق ریزی، اعانیت اور نیک دعاؤں کے طفیل مجھے علمِ دین حاصل کرنے اور کتاب مرتب کرنے کی سعادت حاصل ہوئی بالخصوص رئیس المدرسین، استاذ العلماء حضرت علاّمہ مولانا مفتی گل احمد خان عتیقی، استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت علاّمہ مولانا حافظ محمد عبدالستار سعیدی، استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت علاّمہ مولانا مفتی محمد صدیق ہزاروی الازہری کا شکر گزار ہوں جنہوں نے کتاب پر تقاریظ لکھ کر حوصلہ افزائی۔

مناظرِ اسلام، فخر السادات حضرت علامہ مولانا پیر سید حبیب الرحمٰن شاہ صاحب بخاری سابق رجسٹرار شریعت کورٹ آزاد کشمیر، حضرت علامہ مولانا مفتی عبدالعزیز عباسی صاحب سابق رجسٹرار شریعت کورٹ آزاد کشمیر، حضرت علامہ مولانا محمد الطاف حسین سیفی صاحب بانی ومہتمم جامعہ سیف الاسلام مظفر آباد کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے اپنی ذاتی لائبریریوں سے مجھے مطلوبہ کتب فراہم کیں خاص طور پر میں فخرِ اہلسنت، مفتیِ کشمیر حضرت علامہ مولانا مفتی شیخ فرید صاحب تحصیل مفتی مظفر آباد آزاد کشمیر کا ممنون ہوں جنہوں نے نہ صرف مجھے مطلوبہ کتب فراہم کیں بلکہ کتاب لکھنے کی ترغیب دی اور اسکے مسوّدے کو پڑھا اور حوصلہ افزائی فرمائی اور اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا۔ آخر میں اپنے قدیم رفیق حضرت علامہ مولانا پیر سیّد عظمت حسین شاہ صاحب گیلانی اور جناب سیّد شبیر حسین شاہ صاحب کا شکریہ ادا نہ کروں تو انتہائی ناسپاسی ہوگی جنہوں نے کتاب کی اشاعت کا اہتمام فرمایا۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو اپنے حبیب کریم ﷺ کے طفیل قبولیتِ عامہ کا شرف عطا فرمائے اور راقم اور اس کے والدین کی بخشش کا ذریعہ بنائے۔

امین بجاہِ سیّدالانبیاء والمرسلین

سید ریاض حسین شاہ کاظمی

مدرس جامعہ سیف الاسلام چہلہ بانڈی مظفر آباد آزاد کشمیر

عورسیداں، تحصیل آٹھمقام، ضلع نیلم آزاد کشمیر

انسانی اعضاء کی وصیت
کی شرعی حیثیت

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

الحمد للہ الّذی جعل الارض کفاتاً . واکرم المؤمنین احیاءً وامواتًا. وجعل موتھم راحةً وسباتًا. وحرّم اھانتھم تحریمًا بتاتًا.

والصّلوٰة والسّلام علیٰ من سقانا من فضله وفضلته ماءً فراتًا. واعطانا فی کل محجّة ابلح حجّة نقضاً واثباتًا, وابّد تعظیم المؤمنین ابد الابدین ولم یوقت له میقاتًا فجعلھم عظاماً, وان صاروا اعظامًا وحرّم ایذائھم ولو کانوا رفاقًا, وعلیٰ اٰله وصحبه واھله وحزبه المکرّمین عنداللہ جمیعًا واشتاتًا۔ امابعد.

انسانی اعضاء کی وصیت کی شرعی حیثیت کا سمجھنا مندرجہ ذیل امور کے سمجھنے پر موقوف ہے

(۱) وصیت کا لغوی معنیٰ (۲) وصیت کا شرعی معنیٰ (۳) وصیت کی شرعی حیثیت

(۴) وصیت کن چیزوں کی ہوسکتی ہے؟ (۵) انسان مال ہے یانہیں؟

(۶) انسان اپنے جسم واعضاء کا مالک ہے یانہیں؟

(۷) اللہ نے انسان کو اعضاء کی وصیت کی اجازت دی ہے یانہیں؟

ان تمام امور پر غور کرنے کے بعد آفتابِ نصف النھار کی طرح واضح وروشن ہوجاتا ہے کہ انسانی اعضاء کی وصیت جائز نہیں۔

اب ہم مذکورہ بالا امور پر تفصیلاً بحث کرنے کی کوشش کرینگے۔

وصیت کا لغوی معنیٰ

لفظ وصیت کے لغوی معنیٰ کو علمائے لغت نے مختلف انداز میں بیان کیا ہے۔ ''مصباح'' میں ہے کہ لفظ ''وصیت'' کا صلہ اگر ''ب'' ہو تو اسکا معنیٰ ہے عہد لینا، کسی کام کی طرف اشارہ کرنا۔ اور اگر ''وصیت'' کا صلہ ''الیٰ'' ہو تو اسکا معنیٰ ہے حکم دینا۔ اور اگر ''وصیت'' کا صلہ ''لام'' ہو تو اسکا معنیٰ ہے کسی کو مالک بنانا۔

''غیاث اللغات'' میں ہے کہ ''وصیت اندازکردن عازمِ سفر یا شخصے قریب الموت دوست خودرا کہ بعد من چناں وچنیں باید کرد'' یعنی کسی سفر پر جانے والے کا پند ونصیحت کرنا، یا قریب الموت شخص کا کسی دوست کو یہ کہنا کہ میرے بعد ایسا تصرف کیا جائے۔

علامہ ابن نجیم مصری ''بحر الرائق'' میں وصیت کا لغوی معنیٰ ان الفاظ میں لکھتے ہیں۔

,, قال بعض المتأخرين ثم الوصية والتوصية وكذا الايصاء في اللغة طلب فعل من غيره ليفعله في غيبته حال حياته او بعد وفاته ,,

(بحر الرائق ج ۸ ص ۴۰۳ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

وصیت، توصیۃ اور ایصاء کا لغوی معنیٰ ہے کسی دوسرے سے تصرف فعلی کا مطالبہ کرنا وہ اسکی عدم موجودگی میں اس کام کو کرے۔ خواہ اسکی حیات میں ہو یا بعد از وفات ہو۔

''الوصية''

الوصیۃ کا لفظ جس چیز کی وصیت کی جائے اسکے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

وصیت کا شرعی معنیٰ

علامہ ابن نجیم مصری ''بحر الرائق''، میں وصیت کی تعریف لکھتے ہیں

,, وفی الشریعة(الوصیة تملیك مضاف لمابعدالموت)بطریق التبّرع سواء كان ذالك فی الاعیان اوفی المنافع كذافی عامة الشروح-وذكرفی الایضاح ان الوصیّةھی ماأوجبه الانسان فی ماله بعدموته اوفی مرض موته' والوصیّةفی ھذاالمعنیٰ ھی المحكوم علیھا بانّھامستحبةغیرواجبة والقیاس یابیٰ جوازه،،ا

(بحرالرائق ج۸ ص۴۰۳ مطبوعه ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

شریعت کی اصطلاح میں کسی شے کے عین یا اسکی منفعت کا اپنی موت کے بعد بطریقِ تبرّع کسی دوسرے آدمی کو مالک بنادینے کا نام وصیت ہے۔عام شروح میں وصیت کی تعریف اسی طرح مذکور ہے۔اور ایضاح میں وصیت کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ انسان حالتِ صحت یا حالتِ مرض میں اپنے مال میں جو کچھ اپنے اوپر واجب کرتا ہے کہ اسے میری وفات کے بعد فلاں فلاں شخص کو دیدیا جائے۔یہ وصیت مستحب ہے واجب نہیں اور یہ خلاف قیاس ہے

وصیت کی شرعی حیثیت

علّامہ سیّدامین ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ردّالمحتار (فتاویٰ شامی) میں وصیت کی چار قسمیں لکھی ہیں ان میں سے ہر ایک کی حیثیت جداگانہ ہے۔

(۱) وصیتِ واجبہ (۲) وصیتِ مستحبّہ (۳) وصیتِ مباحہ (۴) وصیتِ مکروہہ۔

علاّمہ شامی ردّالمحتار (فتاویٰ شامی) میں لکھتے ہیں۔

,,والوصیّة اربعة اقسام، واجبة، کالوصیّة بردالودائع والدّیون المجهولة، ومستحبّة، کالوصیّة بالکفارات وفدیة الصّلوٰة والصّیام ونحوها، ومباحة، کالوصیّة للاغنیآء من الاجانب والاقارب، ومکروهة، کالوصیّة لاهل الفسوق والمعاصی،،

(ردّالمحتارعلی الدّرالمختار ج ۱۰ ص ۳۵٤ مطبوعه مکتبه حنفیه کوئٹه)

وصیت کی چار قسمیں ہیں

(۱) وصیتِ واجبہ۔ مثلاً امانات اور دیونِ مجہولہ کو ان کے اھل تک پہنچانے کی وصیت کرنا

(۲) وصیتِ مستحبہ۔ مثلاً کفارات، نماز اور روزے وغیرہ کے فدیہ کی وصیت کرنا

(۳) وصیتِ مباحہ۔ مثلاً اجانب واقارب اغنیاء کیلئے وصیت کرنا

(۴) وصیتِ مکروھہ۔ مثلاً اھل فسوق ومعاصی کیلئے وصیت کرنا۔

ملک العلماء علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی نے ''بدائع الصنائع'' میں فرائض وواجبات مثلاً حج، زکوٰۃ اور کفارات کو وصیت واجبہ میں شمار کیا ہے۔

چنانچہ علاّمہ شامی اسی ضمن میں لکھتے ہیں۔

,,وفیه تامّل لماقاله فی البدائع، الوصیّة، بماعلیه من الفرائض والواجبات کالحجّ والزّکوٰة والکفّارات واجبة،،

(ردّالمحتار عی الدّرالمختار ج ۱۰ص ۳۵٤ مطبوعه مکتبه حنفیه کوئٹه)

,,اور اس تقسیم میں تأمل ہے اسلئے کہ علامہ کاسانی نے ''بدائع الصنائع'' میں فرائض وواجبات مثلاً حج وزکوۃ اور کفارات وغیرہ کی وصیت کوواجبہ کہا ہے،،

یعنی کفارات نماز اور روزے وغیرہ کے فدیہ کی وصیت کرنا مستحب نہیں بلکہ واجب ہے ۔اسی طرح کچھ فقہاء نے حج، زکوۃ اور نماز وغیرہ کی وصیت کووصیتِ واجبہ میں داخل کیا ہے جبکہ جمہور احناف کا راجح قول یہ ہے کہ نماز، روزہ، حج زکوۃ کی وصیت، وصیت مستحبّہ ہے۔

فقہ حنفی کی متداول کتاب ''ھدایہ'' میں ہے۔

,,الوصيّة غير واجبة وهى مستحبّة،،

(هدايه ج ٤ ص ٦٥٤ مطبوعه مكتبه شركت علميه ملتان)

,,وصیت واجب نہیں بلکہ مستحب ہے،،۔

صاحبِ ھدایہ شیخ الاسلام علامہ برھان الدین المرغینانی رحمۃ اللّٰہ علیہ وصیت کے استحباب پر لکھتے ہیں کہ عقل ودرایت کی روشنی میں وصیت کا عمل درست ہی نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ایک شخص ایسی تملیک کرتا ہے جس کا نفاذ اس وقت ہوگا جب وصیت کرنے والے کی ملکیت اس مال پر ختم ہوچکی ہوگی ۔اسلئے وصیت کا عمل تو بظاہر ایک لغو امر ہے لیکن اسکی مشروعیت وجواز پر نصِ قرآنی، احادیثِ نبویہ اور اجماعِ امت موجود ہے اور استحسان بھی اسکے جواز کا مقتضی ہے ۔چنانچہ صاحبِ ھدایہ لکھتے ہیں۔

,,والقياس يأبىٰ جوازها لانه تمليك مضاف الى حال زوال مالكيته، ولو اضيف الى حال قيامها بان قيل ملّكتك غدًا كان باطلا

‘فھذااولیٰ ‘ الّاانااستحسناہ لحاجة النّاس الیھا ‘فانّ الانسان مغرور بامله مقصّرفی عمله فاذاعرض له المرض وخاف البیات یحتاج الی تلافی بعض مافرط منه من التفریق بماله علی وجه لومضی فیه یتحقق مقصدہ المالی ‘ ولوانھضه البرء یصرفه الی مطلبه الحالیّ ‘ وفی شرع الوصیة ذالك فشرعناہ۔ومثله فی الاجارة بیّنّاہ ‘ وقدتبقی المالکیة بعدالموت باعتبارالحاجة کمافی قدزالتجھیزوالدّین ‘ وقدنطق به الکتاب وھوقول اللّٰه تعالیٰ ۔(من بعدوصیة یوصی بھااودَین)۔والسنّة وھوقول النّبی علیه السّلام ا ن اللّٰه تعالیٰ تصدّق علیکم بثلث اموالکم فی آخراعمارکم زیادةً لکم فی اعمالکم تضعونھاحیث شئتم اوقال حیث اجبتم وعلیه اجماع الامّة،،

(ھدایه ج ٤ ص ٦٥٤ مطبوعه مکتبه شرکت علمیه ملتان)

قیاس وصیت کے جواز کا انکار کرتا ہے اسلئے کہ وصیت ایسی تملیک ہے جو اسکی ملکیت کے زوال کے وقت کی جانب مضاف ہے اور اگر اس تملیک کی اضافت مالکیّت کے قیام کے وقت کی جانب کی جائے اس طریقہ پر کہا جائے کہ ’’میں نے تجھ کو کل مالک بنادیا‘‘ تو یہ باطل ہے پس یہ بدرجہ اولیٰ (باطل ہے) مگر ہم نے وصیت کو اس کی جانب لوگوں کی حاجت کی وجہ سے بر بناءِ استحسان جائز قرار دیا۔ اسلئے کہ انسان اپنی امید کی وجہ سے دھوکے میں پڑ جاتا ہے اپنے عمل میں کوتاہی کر دیتا ہے۔ پس جب اس کو مرض عارض ہوگیا اور ہلاکت سے ڈرا تو وہ اس کوتاہی کے تدارک کا محتاج ہوتا ہے جو اسکی جانب سے مقدم ہو چکی ہے اپنے مال کے ذریعے ‘اس طریقہ پر کہ اگر وہ اس مرض

میں مر گیا تو اسکا اخروی مقصد متحقق ہو جائے گا اور اگر صحت نے اسکو اٹھا دیا تو وہ اس مال کو دنیوی مقصد میں صرف کرے گا۔ اور وصیت کے مشروع کرنے میں یہ مقصد حاصل ہے تو ہم نے اس کو مشروع قرار دیا' اور اسی کے مثل اجارہ میں ہم بیان کر چکے ہیں' اور موت کے بعد حاجت کے اعتبار سے ملکیت باقی رہتی ہے جیسے تجہیز اور دَین کی مقدار میں۔ اور کتاب اللہ وصیت کے جواز کے متعلق ناطق ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے (من بعد وصیّۃ یوصی بہا او دَین) ۔اور اسکے جواز کے متعلق سنت ناطق ہے وہ نبی علیہ السلام کا فرمان ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر تمہاری آخری عمروں مین تمہارے مال کا ثلث تمہارے اعمال کی زیادتی کی لیے صدقہ کر دیا تم جہاں چاہو اس کو خرچ کرو اور وصیت کے جواز پر اجماعِ امت ہے۔

شیخ الاسلام شمس الآئمہ علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف ''المبسوط'' میں لکھتے ہیں۔

انّ الوصیّۃ مشروعۃ لنا لا علینا قال علیہ الصّلوۃ و السّلام "انّ اللّٰہ تصدّق علیکم بثلث اموالکم فی آخر اعمارکم زیادۃً فی اعمالکم "فضعوہ حیث شئتم۔

(المبسوط لسرخسی ج ۲۷ ص ۱٤٤ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

وصیت ہمارے فائدے کیلئے مشروع ہے ہمارے اوپر لازم اور واجب نہیں ۔کیونکہ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری آخری عمروں میں وصیت کرنے کی اجازت دے کر تمہارے اوپر ایک تہائی مال صدقہ کیا ہے تا کہ تمہارے اعمال میں اضافہ ہو۔ تم جہاں چاہو اسے خرچ کرو۔

بحر الرائق، ھدایہ اور مبسوط کی عبارات سے مندرجہ ذیل امور معلوم ہوے۔

(۱) کہ وصیت کرنا واجب نہیں' مستحب ہے (۲) وصیت کی اجازت خلافِ قیاس ہے

(۳)وصیت مال کی ہوتی ہے۔

یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ انسان اپنی زندگی میں جن اشیاء کا دوسرے کو مالک بنا سکتا ہے چاہے وہ ہبہ وعطیہ کے طور پر ہو یا بیع وغیرہ کے طور پر ہو۔اپنی وفات کے بعد انھیں چیزوں کا دوسرے کو بطریق وصیت مالک بنا سکتا ہے۔جن اشیاء میں وہ حینِ حیات تصرف نہیں کر سکتا، اُنھیں فروخت نہیں کر سکتا، خرید نہیں سکتا، دوسر کو ہبہ و عطیہ کے طور پر نہیں دے سکتا ان اشیاء کی وصیت بھی نہیں کر سکتا۔

شیخ الاسلام شمس الآئمہ علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

,,ثم التبرّع بعد الوفاة معتبر بالتبرّع فی حالة الحیاةؔ و ذالك احسان مندوب الیه و کذالك التبرّع بالوصیّة بعد الموت،،

(المبسوط لسرخسی ج ۲۷ ص ۱۴۵ مطبوعه مکتبه رشیدیه کوئٹه)

,,پھر وفات کے بعد کسی چیز سے تبرّع اور نیکی کرنے کی شرعی حیثیت اس پر موقوف ہے کہ انسان زندگی میں اس چیز سے تبرّع اور نیکی کر سکتا ہے یا نہیں (یہی حکم وفات کے بعد وصیت کر کے تبرّع اور نیکی کرنے کا ہے) اور یہ ایک مستحسن امر ہے اسی طرح مرنے کے بعد وصیت کر کے نیکی حاصل کرنا بھی مستحسن امر ہوگا۔

وصیت کس چیز کی ہوسکتی ہے؟

وصیت اسی شے کے بارے میں کی جاسکتی ہے جسکا انسان خود مالک ہو اور وہ شے قابلِ تملیک ہو۔وصیت کی تعریف میں لفظ ''تملیک'' مذکور ہے جسکا معنیٰ ہے کسی انسان کو کسی شے کا مالک بنانا اس لفظ ''تملیک'' سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

(۱)......وصیت اسی چیز کے بارے میں کی جا سکتی ہے جس کا انسان خود مالک ہو۔ کیونکہ دوسرے انسان کو کسی شے یا اسکی منفعت کا مالک اسی صورت میں بنایا جا سکتا ہے جب انسان اس شے کا مالک ہو۔

(۲) ......وصیت اسی شے کی ہو سکتی جو قابل تملیک ہو یعنی وہ شے ایسی ہو کہ دوسرے کو اسکا مالک بنایا جا سکے کیونکہ جو چیز قابلِ تملیک نہ ہو دوسرے انسان کو اسکا مالک نہیں بنایا جا سکتا۔

فتاوٰی عالمگیری میں ہے

,,وشرطها كون الموصى اهلًا للتمليك والموصىٰ له اهلًا للتملّك والموصىٰ به بعد الموصى مالًا قابلًا للتمليك ،،۔

(فتاویٰ عالمگیری ج٦ ص ٩٠ مطبوعہ پشاور)

وصیت کی (صحت کیلیئے) شرط یہ ہے کہ وصیت کرنے والا اس بات کا اہل ہو کہ وہ دوسرے کو مالک بنا سکے اور جس کے لیے وصیت کی گئی وہ مالک بننے کا اہل ہو اور جس شے کی وصیت کی گئی وصیت کرنے والے کے بعد ایسا مال ہو جو قابل تملیک ہو۔

فقہی اصطلاح میں۔

وصیت کرنے والے کو موصی۔ جسکے لیے وصیت کی جائے اسے موصیٰ لہ اور جس کی وصیت کی جائے اسے موصیٰ بہ کہا جاتا ہے۔

علامہ علاء الدّین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شہرہ آفاق تصنیف ''درمختار'' میں وصیت کی شرائط لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

,,وشرائطها كون الموصى اهلاً للتمليك وكون الموصىٰ به قابلاً للتمليك بعد موت الموصى،،۔

(الدّر المختار مع ردّالمحتار ج ۱۰ ص ۳۵۵ مطبوعه مكتبه حنفيه كوئٹه)

وصیت کی شرائط میں سے ہے کہ وصیت کرنے والا دوسرے کو مالک بنانے کا اہل ہو اور جس چیز کی وصیت کی گئی وہ وصیت کرنے والے کی موت کے بعد قابلِ تملیک ہو۔

علامہ ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

ومن شرائط الوصيّة كون الموصىٰ به شيئاً قابلًا للتمليك من الغير بعقد من العقود حالٰ حياة الموصى

(بحر الرائق ج۸ ص ۴۰۳ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

وصیت کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ جس شے کی وصیت کی گئی وہ ایسی ہو کہ وصیت کرنے والے کی زندگی میں عقود میں سے کسی عقد کے ساتھ دوسرے کو اس کا مالک بنایا جاسکے۔ یعنی وہ شے ایسی ہو کہ اسکی بیع و ہبہ وغیرہ ہوسکتا ہو۔

فتاوٰی عالمگیری، درمختار اور بحر الرائق کی عبارات سے دو باتیں سامنے آئیں۔

(۱) وصیت اسی شے کی صحیح ہوگی جس کا انسان خود مالک ہو

(۲) وصیت اسی شے کی صحیح ہوگی جو قابل تملیک ہو۔

یہ دو چیزیں وصیت کی صحت کی شرائط میں سے ہیں اور قانون ہے۔

,,المعلّق بالشرط يثبت بوجود الشرط،،

,,کسی شے پر معلّق چیز اسی وقت ثابت ہوگی جبکہ شرط پائی جائے،،

جہاں جہاں یہ شرطیں پائی جائیں گیں وہاں وصیت جائز ہوگی اور جہاں یہ شرطیں مفقود

ہوں گیں۔وہاں وصیت ناجائز ہوگی۔کیونکہ قانون ہے

,, اذافات الشرط فات المشروط ،،

,,جب شرط فوت ہوجائے تو مشروط بھی فوت ہوجاتا ہے،،

ملک العلماء علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی رحمۃ اللہ علیہ چند اور شرائط بھی لکھتے ہیں۔

,,واما الذی یرجع الی الموصیٰ به فانواع منها ان یکون مالًا او متعلقًا بالمال لانّ الوصیّة ایجاب الملك او ایجاب مایتعلق بالملك من البیع والهبة والصدقة والاعتاق ، ومحل الملك هو المال فلا تصح الوصیّة بالمیتة والدم من احد ولا لاحد لانهما لیسا بمال فی حق احد ولا بجلد المیتة قبل الدّباغ وكل مالیس بمال،،

(بدائع الصنائع ج۷ ص ۳۵۲ مطبوعه ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

اسکی کئی انواع ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ مال ہو یا مال سے متعلق ہو۔اس لیے کہ وصیّت ایجاب ملک یا ایجاب مایتعلق بالملک مثلاً بیع، ہبہ صدقہ اور اعتاق وغیرہ کا نام ہے اور ملک کا محل وہ مال ہے لہذا مردار اور خون کی وصیت کسی کی طرف سے کسی کے لیے بھی صحیح نہیں۔اس لیے کہ یہ دونوں کسی کے حق میں مال نہیں اور نہ ہی دباغت سے قبل مردار کی کھال کی وصیت صحیح ہے اور ہر اس شے کی وصیت صحیح نہیں جو مال نہ ہو۔

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ وصیت جس چیز کی کی جائے اسکا مال ہونا یا مال متعلق ہونا ضروری ہے۔لہذا جو چیز مال نہ ہو اسکی وصیت جائز نہیں انسان نہ تو اپنے جسم وعضاء کا مالک ہے اور نہ ہی دوسرے کو اپنے جسم

واعضاء کا مالک بنانے کا اہل ہے۔اور نہ ہی انسانی جسم واعضاء قابلِ تملیک ہیں اور نہ ہی انسانی جسم واعضاء مال ہیں۔لہذاانسانی اعضاء کی وصیت کسی بھی صورت میں جائز نہیں۔

عصرِ حاضر کے عظیم محقق ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے موصیٰ بہ (جس چیز کی وصیت کی جائے) کی صحت کی پانچ شرطیں لکھی ہیں۔

(۱) ان یکون مالاً ۔ کہ وہ مال ہو (۲) متقوّماً۔ متقوّم ہو

(۳) قابلاًللتملیك۔ قابل تملیک ہو (٤) مملوکاًللموصی اذا کان معیناً۔

وہ چیز جب معین ہوتو وصیت کرنے والے کی ملک ہو۔

(٥)الایکون بمعصیة وہ کسی معصیت وگناہ کا سبب نہ ہو۔

(الفقه الاسلامی وادلّته ج۱۰ ص۷٤۷۹۔مطبوعه مکتبه رشیدیه کوئٹه)

جس چیز کی وصیت کی جائے اس کی صحت کے لیےان پانچ شرائط کا پایا جانا ضروری ہےان پانچ شرائط میں سے کوئی بھی شرط مفقود ہوتو وصیت درست نہ ہوگی۔

(۱)ان یکون الموصیٰ به مالًا قابلًا للتوارث،لان الوصیة تملیك ولا یملك غیر المال۔(الیٰ ان قال)واذالم یکن الموصیٰ به مالاً کالدم والمیتة وجلدها قبل الدباغ بطلت الوصیة لانه لیس محلّاًللملك۔

(الفقه الاسلامی وادلّته ج۱۰ ص۷٤۷۹مطبوعه مکتبه رشیدیه کوئٹه)

,,پہلی شرط یہ کہ موصیٰ بہ (جس چیز کے بارے میں وصیت کی جائے) وہ مال ہو قابل توارث ہو اسلئے کہ وصیت تملیک (غیر کو مالک بنانا) ہے اور مال کے غیر میں تملیک نہیں ہو سکتی،،۔اور جب موصیٰ بہ (جس چیز کے بارے میں وصیت کی جائے) مال نہ ہو مثلاً خون،مردار،مردار کی کھال دباغت سے قبل ہو۔تو وصیت باطل

ہو جائے گی۔اس لیے کہ ملک کا محل ہی نہیں۔

(۲) ان یکون المال الموصیٰ به متقوّماً فی عرف الشرع ای یباح الانتفاع به شرعاً فلا تصح الوصیة من مسلم ولا لمسلم بمال غیر متقوّم ای لا یجوز شرعاً الانتفاع به كالخمر والخنزیر والکلب والسباع التی لا تصلح للصید لعدم نفعها وتقوّمها فی نظر الاسلام

(الفقه الاسلامی وادلّته ج۱۰ ص۷۴۸۰ مطبوعه مکتبه رشیدیه کوئٹه)

دوسری شرط یہ ہے کہ موصی بہ مال، شریعت کے عرف میں متقوّم ہو یعنی شرعاً اس سے نفع حاصل کرنا مباح ہو۔پس کسی مسلمان سے مال غیر متقوّم کی وصیت صحیح نہ ہوگی اور نہ ہی کسی مسلمان کے لیے مالِ غیر متقوّم کی وصیت صحیح ہوگی یعنی شرعاً اس سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں ہے مثلاً شراب، خنزیر، کتے اور ان درندوں کی وصیت جائز نہیں جو شکار کرنیکی صلاحیت نہ رکھتے ہوں کیونکہ ان سے نفع اور تقوّم اسلام کی نظر میں درست نہیں۔

(۳) ان یکون قابلاً للتملیك وان کان معدوماً وقت الوصیة ای ان یکون الموصیٰ به مما یصح تملکه بعقد من العقود شرعاً او بالارث لان الوصیة تملیك وما لا یقبل التملیك لا یصح الایصاء به

(الفقه الاسلامی وادلّته ج۱۰ ص۷۴۸۱ مطبوعه رشیدیه کوئٹه)

تیسری شرط یہ ہے کہ موصیٰ بہ قابل تملیک ہو۔اگر چہ وصیت کے وقت معدوم ہو۔یعنی موصیٰ بہ (جس کی وصیت کی جائے) ان چیزوں میں سے ہو جس کا عقود میں سے کسی عقد کے ساتھ یا وراثت کے ساتھ شرعاً دوسرے کو مالک بنانا صحیح

و درست ہو۔اس لیے کہ وصیت ایک تملیک ہے اور جو تملیک کو قبول نہ کرے اسکی وصیت کرنا درست نہیں

(٤) ان یکون الموصیٰ بہ ملوکاً للموصی عندانشاء الوصیة اذا کان معیناً بالذات لان الوصیة بمعین ایجاب للملك فی المعین ،فلابد من ان یکون مملوکاًله وقت الوصیةفالوصیة بملك الغیر لاتصح۔

(الفقه الاسلامی وادلّته ج١٠ ص٧٤٨٢ مطبوعه مکتبه رشیدیه کوئٹه)

چوتھی شرط یہ ہے کہ موصیٰ بہ (جس چیز کی وصیت کی جائے)وصیت کرنے والے کی ملک ہو وصیت کرتے وقت جب معین بالذات شے کی وصیت کی جائے اس لیے کہ معین وصیت میں ملک کو معین شے میں ثابت کرنا ہوتا ہے لہذا ضروری ہے کہ وہ شے وصیت کے وقت وصیت کرنے والے کی ملک میں ہو کیونکہ غیر کی ملک کی وصیت جائز نہیں۔

(٥) الایکون الموصیٰ به معصیة او محرما شرعاً لان القصد من الوصیة تدارك مافات فی حال الحیاة من الاحسان فلا یجوز ان تکون معصیةً وللمعصیة امثلة من کل مذهب

(الفقه الاسلامی وادلّته ج١٠ ص٧٤٨٣ مطبوعه مکتبه رشیدیه کوئٹه)

وصیت کی صحت کی پانچویں شرط یہ ہے کہ موصیٰ بہ (جس چیز کی وصیت کی جائے)شرعاً حرام اور معصیت نہ ہو اس لیے وصیت کا مقصد اس احسان کا تدارک ہے جو انسان کی زندگی کی حالت میں اس سے فوت ہو گیا۔لہذا معصیت و گناہ کی وصیت جائز نہیں ۔معصیت کی ہر مذہب کے ہاں بہت سی مثالیں ہیں۔

انسانی جسم واعضاء نہ تو مال متقوّم ہیں اور نہ ہی قابل تملیک ہیں اور نہ ہی انسانی جسم واعضاء کا انسان مالک ہے اور یہ مملوک ہیں لہذا انسانی اعضاء کی وصیت ناجائز و باطل ہے اب ہم ان تمام امور پر قدرے تفصیل سے بحث کریں گئے تا کہ مسئلہ بے غبار ہو جائے۔

انسان اپنے جسم واعضاء کا مالک نہیں

انسان اپنے جسم واعضاء کا نہ تو مالک ہے اور نہ ہی انسانی جسم واعضاء قابل تملیک ہیں۔ جامع الصغیر اور کنز العمال میں نبی کریم ﷺ کی ایک دعا کو نقل کیا گیا ہے۔

(۱) اللّهم ان قلوبنا وجوارحنا بيدك لم تملّكنامنها شيئاً فاذافعلت ذالك بهمافكن انت ولينا

(جامع الصغیر ص ۹۴ مطبوعہ بیروت۔ کنز العمال ج ۲ ص ۱۸۲ موسسۃ الرسالۃ)

اے اللہ! ہمارے دل اور اعضاء تیرے دست قدرت میں ہیں تو نے ہمیں ان سے کسی شے کا مالک نہیں بنایا جب تو نے یہ کیا ہے تو تو ہمارا مولیٰ اور مددگار ہو جا

(۲) عن عائشة قالت كان رسول الله صلّى الله عليه وسلم يقسم ليعدل ويقول اللّهم هذا قسمى فيما املك فلا تلمنى فيما تملك ولا املك يعنى القلب

(سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۲۹۷ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج مطہرات کے درمیان باری مقرر فرمایا کرتے تھے تا کہ عدل وانصاف کریں۔ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کرتے تھے اے اللہ! یہ میری

تقسیم ہے جسکا میں مالک ہوں لیکن جسکا میں مالک نہیں تو مالک ہے اس میں تو مجھ سے مواخذہ نہ فرما یعنی دل (تیرے قبضے میں ہے میں اسکا مالک نہیں ہوں)

نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان دونوں دعاؤں سے یہ ثابت ہو گیا کہ انسان اپنے قلوب واعضاء کا مالک نہیں۔ جب انسان اپنے قلوب واعضاء یعنی جسم کا مالک نہیں تو وہ اپنے اعضاء کی وصیت بھی نہیں کر سکتا کیونکہ انسانی اعضاء کی وصیت کا جواز مشروط ہے اس شرط کے ساتھ کہ انسان اپنے جسم واعضاء کا مالک ہو۔ اور انسانی جسم واعضاء قابل تملیک ہوں تو قاعدہ مذکورہ "اذافات الشرط فات المشروط" کہ جب شرط فوت ہو جائے تو مشروط بھی فوت ہو جاتا ہے، کے تحت انسانی اعضاء کی وصیت کا جواز ختم ہو جاتا ہے۔

خودکشی انسان پر حرام ہے

انسان کے اپنے جسم واعضاء کا مالک نہ ہونے کی وجہ سے خودکشی کو اس پر حرام قرار دیا گیا ہے۔ اور جو شخص خودکشی کا ارتکاب کرتا ہے وہ مستحق نار ہو جاتا ہے۔ امام مسلم بن حجاج قشیری رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرۂ آفاق کتاب "صحیح مسلم" میں خودکشی کی حرمت پر مکمل باب باندھا ہے اس میں سے ایک حدیث یہ ہے۔

عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ من قتل نفسه بحديدة فحديدته فی يده يتوجأبهافی بطنه فی نارجهنم خالداًمخلّداًفيهاابداًو من شرب فقتل نفسه فهويتحسّاه فی نارجهنم خالدًامخلداًفيهاابداًو من تردّیٰ من جبل وقتل نفسه فهويتردّیٰ فی نارجهنم خالداًمخلداًفيهاابداً۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۷۲ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا،،جو شخص کسی ہتھیار سے خودکشی کرے تو جہنم میں وہ ہتھیار اسکے ہاتھ میں ہوگا اور اس ہتھیار سے وہ شخص اپنے آپ کو ہمیشہ زخمی کرتا رہے گا اور جو شخص زہر سے خودکشی کرے گا وہ جہنم میں زہر کھاتا رہے گا اور جو شخص پہاڑ سے گر کر خودکشی کرے گا وہ جہنم میں ہمیشہ پہاڑ سے گرتا رہے گا،،۔

اس حدیث پاک میں خودکشی کا ارتکاب کرنے والے کیلئے سخت ترین وعید ہے جو اس بات پر واضح دلیل ہے کہ خودکشی کرنا حرام ہے اور گناہ کبیرہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس امر کا ہرگز مالک نہیں بنایا کہ وہ اپنے جسم واعضاء کو ضائع کردے۔یہ حدیث اس امر میں آفتابِ ماہتاب سے بھی زیادہ واضح وروشن ہے کہ انسان اپنے جسم واعضاء کا مالک نہیں اگر انسان اپنے جسم واعضاء کا مالک ہوتا تو اسے خودکشی کے ارتکاب پر اس قدر سخت وعید نہ سنائی جاتی کیونکہ اپنی ملک میں تصرّف کرنے سے وعید نہیں سنائی جاتی۔انسان اپنی ملک میں جیسے چاہے تصرف کرسکتا ہے۔لیکن یہاں پر خودکشی کے ارتکاب پر وعید شدید سنا کر انسان کو جسم واعضاء کے تصرّف سے روک دینا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ جسم وجان تمہاری ملک نہیں کہ تم اسے ہلاک کردو۔

امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''بخاری شریف'' میں خودکشی کا ارتکاب کرنے والے شخص کے بارے میں ایک باب (باب ماجاء فی قاتل النفس) باندھا ہے۔حدیث پاک میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من قتل نفسه بحديدة عذّب بهافى نار جهنّم"

,,جس نے کسی ہتھیار کے ساتھ اپنے آپ کو قتل کیا جہنم کی آگ میں اسے اسی ہتھیار کیساتھ عذاب دیا جائے گا،، ۔اور آگے فرمایا۔

كان برجل جراح فقتل نفسه فقال الله بدرنى عبدى بنفسه حرّمت عليه الجنّة

(صحیح بخاری ج ۱ ص مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

کسی کے پاس آلہ جارحہ (ہتھیار) تھا تو اس نے خودکشی کر لی اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندے نے مجھ سے سبقت کی کوشش کی ہے میں اس پر جنت کو حرام کر دیا۔

شارحِ بخاری علامہ ابوالعبّاس شہاب الدّین احمد بن محمد القسطلانی رحمۃ اللہ علیہ" ومن قتل نفسه" کے ذیل میں "ارشاد الساری، شرح صحیح بخاری" میں لکھتے ہیں۔

وهذا من باب مجانسة العقوبات الا خرويّة للجنايات الدنيويّةويو خذمنه ان جناية الانسان على نفسه كجنايته على غيره فى الاثم لان نفسه ليست ملكاًله مطلقاًبل هى لله تعالىٰ فلا يتصرف فيها الابما اذن له فيه

(ارشاد الساری شرح صحیح بخاری ج۲ ص ٤٥٦ مطبوعہ بیروت)

یہ (یعنی جس قسم کی چیز سے اس نے خودکشی کی ہے اسی قسم کی چیز سے جہنم میں عذاب کا دیا جانا) مجانسة العقوبات الاخرويّة للجنايات الدنيوية کے باب سے ہے (یعنی یہ جزا جنس العمل کے قبیل میں سے ہے) اور اس حدیث (مذکور) سے یہ معلوم ہوا کہ انسان کا خودکشی کرنے کا یا اپنے اعضاء کو قتل کرنے کا جرم، معصیت وگناہ

میں ایسا ہی ہے جیسا کہ دوسرے انسان کو قتل کرنے یا اسکے اعضاء کو نقصان پہنچانے میں ہے اسلیئے کہ انسان کا نفس (جسم وجان) مطلقاً اسکی ملکیت میں نہیں بلکہ یہ اللہ کی ملک اور امانت ہے اس میں انسان اتنا ہی تصرّف کر سکتا ہے جتنے تصرّف کی اسے اجازت دی گئی ہے۔

شارحِ بخاری علامہ قسطلانی کی عبارت سے واضح معلوم ہو رہا ہے کہ انسان اپنے جسم واعضاء کے بارے میں مالک ومختار نہیں بلکہ انسانی جسم، اللہ کی ملک ہے اور انسان کے پاس وہ امانت ہے اس میں وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت واذن کے بغیر قطعاً تصرّف نہیں کر سکتا ہے۔ اگر ایسا تصرّف کرے تو جس طرح خودکشی کرنے والے کو قیامت کے دن اسی طرح کے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ یہ شخص بھی اسی طرح عذاب میں مبتلا ہوتا رہے گا۔

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ نے یہ واضح کر دیا ہے کہ یہ سزا عمل کی جنس کے قبیل سے ہے جو جیسا عمل کرے گا قیامت کے دن اسے ویسی ہی جزا دی جائے گی۔

خودکشی کی ممانعت پر احادیث اور شارحین احادیث کے اقوال کا مطالعہ کرنے کے بعد ذہن اس طرف بھی جاتا ہے کہ جو شخص اپنی زندگی میں کسی دوسرے کو اپنا کوئی عضو منتقل کرنے کیلئے اپنے جسم کی چیر پھاڑ کرائے، آپریشن کرائے اور اس عالم میں فوت ہو جائے تو یہ بھی خودکشی ہے ایسا کرنے والے شخص کو جہنم میں ایسا ہی عذاب دیا جاتا رہے گا۔ بار بار اسکی آنکھوں کو نکالا جائے گا بار بار اسکے گردوں کو نکالا جائے گا۔ بار بار اسکے بازؤں کو کاٹا جائے گا وغیرہ وغیرہ (اعاذنا اللہ منه) یہاں تو لینے کے دینے پڑ رہے ہیں اس لئے دوسرے انسان میں اعضاء کی منتقلی و پیوند کاری کی کسی بھی

حال میں اجازت نہیں دی جاسکتی۔

شارحِ بخاری علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس باب کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

قوله (باب ماجاء قاتل النفس) قال ابن رشيد مقصود الترجمة حكم قاتل النفس والمذكور فى الباب حكم قاتل نفسه فهو اخصّ من الترجمة، ولكنه اراد ان يلحق بقاتل نفسه قاتل غيره من باب الاولىٰ لانه اذا كان قاتل نفسه الّذى لم يتعدّ ظلم نفسه ثبت فيه الوعيد الشديد فاولىٰ من ظلم غيره بافاتة نفسه

(فتح الباری ج۳ ص ۲۹۱ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

علامہ ابن رشید نے کہا کہ ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مقصد مطلقاً قاتلِ نفس کا حکم بیان کرنا ہے جب کہ حدیث الباب میں صرف خودکشی کرنے والے کا حکم مذکور ہے ترجمۃ الباب عام ہے اور یہ حدیث خاص ہے اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ خودکشی کرنے والے کا حکم دوسرے انسان کو قتل کرنے والے پر لگانا چاہتے ہیں اس طرح کہ خودکشی کرنے والا اپنی جان اور جسم کے علاوہ کسی دوسرے کو نقصان نہیں پہنچاتا جبکہ دوسرے کو قتل کرنے والا تعدّی اور ظلم کرتا ہے اگر بتقاضائے حدیث خودکشی کرنے والے کے لیے اتنی بڑی وعید ہے جو کہ جہنم میں جائے گا اور ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور خودکشی کرنے کی نوعیت کے اعتبار سے اسے عذاب دیا جائے گا تو جو شخص قتل جسم یا قطع اعضاء کے ذریعے دوسرے پر ظلم کرتا ہے تو وہ بطریق اولیٰ وعید وعذاب کا مستحق ہوگا۔

☆☆☆☆☆☆

اسی مقام پر بخاری شریف میں ایک اور حدیث شریف ہے

عن ابی ہریرۃ قال قال النبی ﷺ الّذی یخنق نفسہ یخنقھافی النّار والّذی یطعنھایطعنھافی النّار۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸۲ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو گلا گھونٹے گا جہنم میں اسے گلا گھونٹنے کے ساتھ عذاب دیا جائے گا جو نیزے کیساتھ خودکشی کرے گا جہنم میں اسے نیزہ زنی کیساتھ عذاب دیا جائے گا۔

ان احادیث سے معلوم ہوا انسان اپنے جسم واعضاء کا مالک نہیں اگر انسان اپنے جسم واعضاء کا مالک ہوتا تو انسان کو اپنی ملک میں خودکشی کی صورت میں تصرّف کرنے پر عذاب جہنم کی وعید نہ سنائی جاتی ۔خودکشی پر وعیدِ نار انسان کے اپنے جسم واعضاء کا مالک نہ ہونے کی روشن دلیل ہے جب انسان اپنے جسم واعضاء کا مالک نہیں تو اس میں اسے تصرّف کا حق بھی حاصل نہیں ہے۔

انسانی جسم اللہ کی امانت ہے

انسان کے جسم واعضاء اسکے پاس اللہ کی جانب سے امانت ہیں جو انسان کی اپنی ذات کیلئے اللہ تعالیٰ نے مباح کیا ہے کہ وہ اپنے جسم واعضاء کو اپنی ذات کیلئے استعمال کرسکتا ہے لیکن وہ اپنے جسم واعضاء کو قطع و برید، بیع و ہبہ اور وصیت کے ذریعے دوسروں کو نہیں دے سکتا۔قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

,, انّ السمع والبصر والفؤاد کل اولٓئک کان عنہ مسئولًا،،(بنی اسرائیل۔ ۳۶)

. ''بے شک کان، آنکھ اور دل ہر ایک کے بارے میں سوال ہوگا''۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

انّ المرادانّ صاحب السمع والبصر والفؤاد هو المسئول لأن السؤال لايصح الامن كان عاقلاً وهذه الجوارح ليست كذالك بل العاقل الفاهم هو الانسان۔

(التفسير الكبير للامام الفخر الرّازی جز ۲۰ ص ۲۱۰ مطبوعه بيروت)

اس سے مراد کان، آنکھ اور دل والا ہے اس سے سوال کیا جائے گا کیونکہ سوال اسی سے ہوتا ہے جو ذی عقل ہو اور یہ جوارح (اعضاء) ذی عقل نہیں بلکہ عاقل وفاھم انسان ہے یعنی سوال کان، آنکھ اور دل سے نہیں ہوگا بلکہ اس انسان سے ہوگا جس کے یہ اعضاء ہیں۔

علامہ محمد علی صابونی ''صفوۃ التفاسیر'' میں اس آیہ کریمہ کے ذیل میں لکھتے ہیں

(انّ السمع والبصر والفؤاد كل اولئك كان عنه مسئولًا) اى انّ الانسان يسئال يوم القيامة عن حواسه عن سمعه وبصره وقلبه وعمااكتسبته جوارحه۔

(صفوة التفاسير ج ۲ ص ۱۵۹ مطبوعه بيروت)

یعنی قیامت کے دن انسان سے اس کے حواسّ، اسکے کان، آنکھ، دل اور اسکے جوارح (اعضاء) نے جو کچھ کمایا ہے کے بارے میں سوال ہوگا۔

معلوم ہوا انسانی جسم واعضاء یہ انسان کے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں انکو ان کاموں میں یہ استعمال نہیں کرسکتا جنکی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہ دی ہو۔ مثلاً اللہ

تعالیٰ نے انسان کو کانوں کی نعمت سے نوازا ہے تا کہ انسان اس نعمت کے ذریعے اچھی باتیں سنے ۔اگر کوئی بری بات اسکے کان میں پڑے تو اس سے نفرت کرے اور پرہیز کرے ۔آنکھیں دی ہیں کہ انسان اس نعمت کے ذریعے عجائباتِ قدرت کا نظارہ کرے۔اچھی چیزوں کو دیکھے بری چیزوں سے نفرت کرے۔دل دیا کہ انسان اسے اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کی محبت کا مرکز بنالے۔ ہراس چیز کو پسند کرے جسے اللہ تعالیٰ اور اسکے حبیب ﷺ نے پسند فرمایا۔ ہراس چیز سے نفرت کرے جو اللہ اور اسکے رسول کو ناپسند ہو۔اسی طرح دیگر اعضاء بھی اللہ تعالیٰ نے انسان کو اسکی ذات کے فائدے کیلئے دیئے۔ان اعضاء کے بارے میں بروز قیامت انسان سے باز پرس ہوگی۔معلوم ہوا یہ جسم اور اعضاء انسان کے پاس اللہ کی امانت ہیں۔ان میں انسان اتنا ہی تصرف کرسکتا ہے جتنے تصرف کی اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے ہر ذی شعور انسان یہ جانتا ہے کہ کسی کی امانت میں ملک کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا جائز نہیں۔

جسم واعضاء کے اتلاف کی اجازت نہیں

علامہ ابو اسحاق شاطبی رحمۃ اللہ علیہ ''الموافقات'' میں لکھتے ہیں۔

,,ليس له التسليط على نفسه ولا على عضو من اعضائه بالاتلاف،،

(الموافقات فی اصول الشريعة ج ۲ ص ۳۲۲ مطبوعه بيروت)

انسان کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے انسان کو اپنے جسم واعضاء کے ضائع کرنے پر مسلط کردے۔

جسم واعضاء میں تصرف کی شرعی حیثیت

انسان کو اللہ تعالیٰ نے اسکے جسم واعضاء سے اسکی ذات کیلئے انتفاع کی اجازت دی ہے۔ وہ اپنے جسم واعضاء کی مدد سے کام کاج کرسکتا ہے۔ رزق حلال کما سکتا ہے۔ دوسروں کے ساتھ تعاون کرسکتا ہے۔ دیگر معاملات شرعیہ ان کے ساتھ نبھا سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کو جسم واعضاء کی قطع و برید، ہبہ وعطیہ کی اجازت نہیں دی ہے کہ وہ اپنے جسم واعضاء کو کاٹ کرکسی دوسرے انسان کو دیدے یا وہ اپنے اعضاء مثلاً دل، گردہ، آنکھ وغیرہ کے بارے میں وصیت کرے کیونکہ یہ اعضاء انسان کے پاس من جانب اللہ امانت ہیں ان میں انسان کو ایسے تصرّف کی اجازت نہیں دی گئی۔ اللہ تعالیٰ کی امانت کا تحفظ انسان پر لازم وضروری ہے۔

شارحِ بخاری علامہ قسطلانی ''ارشاد الساری شرح بخاری'' میں لکھتے ہیں۔

لانّ نفسه ليست ملكاً مطلقاً بل هي لله تعالىٰ فلا يتصرّف فيها الا بما اذن له فيه

(ارشادالساری شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ٤٥٦ مطبوعه بیروت).

انسان کا نفس مطلقاً انسان کی ملکیت نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہے اس میں انسان اتنا ہی تصرف کرسکتا ہے جتنے تصرّف کی اسے اجازت دی گئی ہے۔

انسان جسم واعضاء میں تصرف کے اعتبار سے عبدِ ماذون کی طرح ہے

مفتی عبد السلام نے اس بات کو ایک شاندار فقہی مثال کے ذریعے سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ جسم انسانی میں بندے اور اللہ تعالیٰ دونوں کا حق ہے انسان کا حق یہ

ہے کہ وہ خود اس سے فائدہ حاصل کرے جو کہ حدود شرع کے اندر اندر ہو۔ اللہ تعالیٰ کا حق مالکانہ تصرّف کرنے کا ہے جب چاہے انسان کو حقِ انتفاع سے محروم کر سکتا ہے اور جب تک چاہتا ہے اسکی اجازت دے دیتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا حق غالب ہے اگر بندہ اپنے حق کو ساقط کر دے تو اللہ تعالیٰ کا حق اس سے ساقط نہیں ہوتا۔ اس کے لئے ایک بہترین مثال سمجھ میں آتی ہے کہ آدمی کی حیثیت فقہی مسئلہ میں ''عبدِ ماذون'' کی ہے۔ مثلاً مولیٰ و مالک اگر کسی غلام کو اپنے طور پر تجارت کرنے کی اجازت دے دیتا ہے تو فقہی اصطلاح میں اس غلام کو عبدِ ماذون کہا جاتا ہے۔ عبدِ ماذون کو مولیٰ کی جانب سے حاصل شدہ اجازت سے ہر طرح کی جائز تجارت اور کاروبار کر کے زندگی گذارنے کا حق ہوتا ہے۔ اسکو آزادانہ خرید و فروخت کا اختیار ہوتا ہے۔ لیکن اپنے جسم و جان کے بارے میں اسے یہ اختیار نہیں ہوتا وہ اپنے نفس کو فروخت کر دے۔ ہبہ، صدقہ یا خودکشی کرے یا کوئی عضو ضائع کر دے۔ بعینہ اسی طرح آزاد آدمی کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اشیاء میں جائز تصرّف کر کے زندگی گذارنے کا اختیار ہوتا ہے لیکن اسکو اپنے جسم و جان میں مالکانہ اختیار حاصل نہیں۔ اسی لئے خودکشی نہیں کر سکتا نہ عضو کو کاٹ سکتا ہے اور نہ ہی صدقہ کر سکتا ہے اور نہ ہی اپنے جسم و اعضاء کو ہبہ کر سکتا ہے لہٰذا انسان کو قطع و برید کی اجازت نہ خود کسی آدمی کو ہے کہ وہ اپنی مرضی سے اپنے اعضاء میں تصرّف کرے اور نہ ہی کسی دوسرے انسان کو اسکی اجازت دے سکتا ہے کہ مرنے کے بعد قطع و برید کرے۔

(انسانی اعضاء کی پیوندکاری اور اسکے شرعی احکام ص ۵۷ مطبوعہ اسلامی کتب خانہ کراچی)

علامہ ابو اسحاق شاطبی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مایہ ناز تصنیف ''الموافقات فی اصول

الشریعۃ‘‘ میں حقوق اللہ اور حقوق العباد پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اذا كان الحكم دائراً بين حقّ اللّٰه و حقّ العبد لم يصح للعبد اسقاط حقّه اذا ادى الى اسقاط حق اللّٰه

مثلاً ان حقّ العبد ثابت له فی حياته و كمال جسمه و عقله و بقاء ماله فی يده، فا ذا اسقط ذالك بان سلّط يد الغير عليه فا ما ان يقال بجواز ذالك او، لا، فان قلت (لا) وهو الفقه

وان قلت (نعم) خالفت الشرع، اذليس لا حد ان يقتل نفسه و لا ان يفوت عضواً من اعضائه (ملتقطاً)

(الموا فقات فی اصول الشريعة ج ٢ ص ٣٧٦ مطبوعه بيروت)

جب حکم بندے اور اللہ کے درمیان دائر ہو تو بندے کے لئے اس حق کو ساقط کرنا جائز نہیں کہ جس سے اللہ کا حق ساقط ہو جائے۔

مثلاً بندے کو اپنی حیات، جسم کے کمال، عقل اور اپنے مال میں حق ہے (جیسا کہ اللہ کا حق ہے) اگر بندہ اپنے حق کو ساقط کرے اور اپنے نفس وغیرہ پر کسی دوسرے کو مسلط کردے تو کیا اس کے لئے ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟۔

اگر کہیں کہ جائز نہیں تو یہ فقہ اور سمجھداری کی بات ہے اور اگر آپ اسے جائز کہیں گے تو آپ نے شریعت کی مخالفت کی اس لئے کہ یہ کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے آپ کو قتل کر ڈالے یا اپنے اعضاء میں سے کسی عضو کو کاٹے۔

علامہ شاطبی آگے جا کر مزید فرماتے ہیں۔

,,ان احياء النفوس و كمال العقول و الا جسام من حقّ اللّٰه

تعالیٰ فی العباد لا من حقوق العباد و کون ذالك لم یجعل الیٰ اختیار هم هو الدلیل علیٰ ذالك فاذا اکمل اللّٰه تعالیٰ علی عبد حیاته و جسمه و عقله الذی یحصل ما طلب به من القیام بما کلف به فلا یصح للعبد اسقاطه،،

(الموافقات فی اصول الشریعة ج ۲ ص ۳۷۶ مطبوعه بیروت)

بندوں کے نفوس کے احیاء، عقول کے کمال اور اجسام میں اللہ تعالیٰ کا حق ہے خالص بندوں کے حقوق نہیں۔ جہاں بندوں کے حقوق میں اللہ تعالیٰ کا حق ہو وہاں بندوں کو اس حق کو ساقط کرنے کا اختیار نہیں ہوتا۔ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کی حیات، جسم اور عقل کو کامل کر دیا کہ جس کے سبب انسان کو قیام وغیرہ کا مکلّف بنایا جاتا ہے تو ان میں جہاں انسان کا حق ہے وہاں اللہ تعالیٰ کا حق بھی ہے لہذا کسی انسان کو اس بات کا اختیار نہیں کہ وہ حقوق اللہ کو ساقط کر دے۔

علامہ ابو اسحاق شاطبی کی عبارت میں معلوم ہوتا ہے کہ انسانی حیات، عقل اور جسم میں جہاں بندے کا حق ہے وہاں اللہ تعالیٰ کا حق بھی ہے گویا ان چیزوں کے حقوق، اللہ اور بندے کے درمیان دائر ہیں۔ اور ہر وہ حق جو اللہ اور بندے کے درمیان دائر ہو بندے کو اس حق کو ساقط کرنے کا اختیار نہیں لہذا انسانی حیات، عقل، جسم اور دیگر اعضاء کو ساقط کرنے میں بندے کو اختیار نہیں ہے۔ جب بندے کو انسانی حیات، عقل، جسم اور دیگر اعضاء انسانی کو ساقط کرنے کا اختیار نہیں تو انسانی جسم و اعضاء کی وصیت، ہبہ وعطیہ، اور خرید وفروخت بھی جائز نہیں۔

اعضاء کی قطع و برید اور خودکشی پر عبرت انگیز حدیث

,, عن جابر ان الطفیل بن عمرو الدّوسی اتی النّبی ﷺ فقال یارسول الله !(ﷺ)هل لك فی حصن حصین ومنعة قال حصن کان لدوس فی الجاهلیّة فابی ذالك النّبی ﷺ للّذی ذخّر الله للانصار فلما هاجر النّبی ﷺ الی المدینة هاجر الیه الطفیل بن عمرو ومعه رجل من قومه فاجتووا المدینة فمرض فجزع فاخذ مشاقص له فقطع بها براجمه فشخبت یداه حتّٰی مات فراٰه الطفیل بن عمرو فی منامه فراٰه وهیئته حسنة وراٰه مغطّیاً یدیه فقال له ماصنع بك ربّك فقال غفرلی بهجرتی الیٰ نبیّه ﷺ فقال له مالی اراك مغطّیا یدیك قال قیل لی لن نصلح منك ماافسدت فقصّها الطفیل علیٰ رسول الله ﷺ فقال رسول الله ﷺ اللّٰهم ولیدیه فاغفر،،۔

(صحیح مسم ج ۱ ص ۷۴ مطبوعه قدیمی کتب خانه کراچی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ طفیل بن عمرو دوسی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئے ۔عرض کیا یارسول اللہ ! (ﷺ) کیا آپکو کسی مضبوط قلعے اور حفاظت کے مقام کی ضرورت ہے؟ ''حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت طفیل کے پاس دور جاہلیت میں قبیلہ دوس کا ایک قلعہ تھا'' نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انکار کردیا کیونکہ یہ شرف وسعادت اللہ تعالیٰ نے انصار کے لئے مقدر کردی تھی جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو حضرت طفیل بن عمرو دوسی بھی اپنی قوم کے ایک شخص کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آگئے حضرت

طفیل رضی اللہ عنہ کا ساتھی بیمار ہو گیا۔ جب بیماری اسکی قوتِ برداشت سے باہر ہو گئی تو اس نے ایک لمبے تیر کے پھل سے اپنی انگلیوں کے جوڑ کاٹ ڈالے تو اسکے دونوں ہاتھوں سے خون بہنا شروع ہو گیا یہاں تک کہ وہ مر گیا۔ حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے اسے خواب میں دیکھا۔ اسکی شکل وصورت بہت اچھی تھی لیکن اس نے اپنے ہاتھ ڈھانپے ہوئے تھے حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے اسے کہا تیرے رب نے تیرے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ تو اس نے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف ہجرت کرنے کی وجہ سے بخش دیا۔ حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں تجھے دونوں ہاتھوں کو ڈھانپے ہوئے دیکھ رہا ہوں؟ (یعنی تو نے اپنے ہاتھوں کو کیوں ڈھانپا ہوا ہے؟) اس نے کہا مجھے یہ کہا گیا ہے جسکو تو نے خود بگاڑا ہے اسے ہم ہرگز درست نہیں کریں گے۔

حضرت طفیل نے یہ خواب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے بیان کیا تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے (دعا کرتے ہوئے) کہا۔ اے اللہ! تو اسکے ہاتھوں کو بھی بخش دے۔

یہ حدیث پاک اعضاء کی قطع و برید اور خودکشی پر درس عبرت ہے۔

مسائل مستخرجہ

اس حدیث پاک سے تین اہم ترین مسائل کا ثبوت ملتا ہے۔ جن کا تعلق ہمارے موضوع سے ہے۔

(۱) انسان اپنے جسم واعضاء کا مالک نہیں۔

(۲) انسان کے جسم واعضاء اسکے پاس منجانب اللہ امانت ہیں۔

(۳) جسم و اعضاء کی قطع و برید اور خودکشی حرام ہے۔

(۴) اگر کسی شخص نے کسی عضو کو کاٹ دیا اور جسم کو اس عضو سے محروم کیا تو کل بروز قیامت وہ شخص اس عضو سے محروم رہے گا۔

انسانی جسم و اعضاء قابل تملیک نہیں

وصیت کی تعریف پر گفتگو کرتے ہوئے ہم نے یہ کہا تھا کہ کسی شے کی وصیت اس وقت جائز و صحیح ہوگی جب اس میں دو باتیں موجود ہوں۔

(۱) انسان موصیٰ بہ (جس چیز کے بارے میں وصیت کی جائے) کا مالک ہو۔

(۲) وہ چیز جسکے بارے میں وصیت کی جارہی ہو وہ قابل تملیک ہو۔

پہلی بات کو ہم نے زیر بحث لاتے ہوئے دلائل کی روشنی میں ثابت کردیا کہ انسان اپنے جسم و اعضاء کا مالک نہیں۔ اب دوسری بات کو دلائل سے ثابت کریں گے کہ انسانی جسم و اعضاء قابلِ تملیک نہیں۔ کوئی بھی شے کسی دوسرے کو دینے اور مالک بنانے کے قابل اس وقت ہوتی ہے جب وہ صفتِ مالیت سے متصف ہو۔ یعنی وہ شے مال ہو۔ جبکہ انسان مال نہیں۔ لہذا اسکے جسم و اعضاء قابلِ تملیک نہیں۔

انسان کے اعضاء اور جسم مال نہیں

دل، گردہ، آنکھ اور دیگر انسانی جسم و اعضاء مال نہیں کیونکہ مال کی تعریف انسانی جسم و اعضاء پر صادق نہیں آتی۔

مال کی تعریف

علامہ سیّد امین ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق کتاب

''ردّالمحتار علی الدّرالمختار'' میں مال کی تعریف لکھتے ہیں۔

,,المال اسم لغیرالآدمی خلق لمصالح الآدمی وامکن احرازہ والتصرف فیہ علی وجہ الاختیا،،

(ردّالمحتار علی الدّرالمختار ج ۷ ص ۸ مطبوعہ مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

انسان کے علاوہ ہراس چیز کا نام مال ہے جوانسانی ضرورت کیلئے پیدا کی گئی ہواور اسکی ذخیرہ اندوزی ممکن ہواوراس میں اختیاری طور پر تصرّف جائز ہو۔یعنی مال ہونے کیلئے چار چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔(۱) وہ انسان نہ ہو۔(۲) اسکی تخلیق مصلحت انسانی کیلئے ہو۔(۳) اسکی ذخیرہ اندوزی ممکن ہو۔(۴) اس میں اختیاری طور پر تصرّف جائز ہو۔

مال کیلئے انسان کا غیر ہونا ضروری ہے

مال کی تعریف سے یہ واضح ہوا کہ مال انسان نہیں بلکہ مال وہی چیز ہوسکتی ہے جوانسان کا غیر ہو۔مثلاً بکری ایک ایسا مال ہے جسے انسانی ضرورت کیلئے پیدا کیا گیا ہے اسکی انسان خرید وفروخت کرسکتا ہے اسکے دودھ سے نفع حاصل کرسکتا ہے ذبح کرکے اسکے گوشت کوخود کھا سکتا ہے دوسروں کو دے سکتا ہے جبکہ انسان کے جسم واعضاء میں اسطرح کا تصرّف جائز نہیں کہ اسے بازار کی زینت بنایا جائے یا اسکے اعضاء کی قطع وبرید کرکے اسے سپئیر پارٹ کے طور پر استعمال کیا جائے۔



انسان کے مال نہ ہونے پر قرآن مجید سے دلائل

(۱) المال والبنون زینة الحیٰوة الدّنیاو البقیٰت الصّٰلحٰت خیر عند ربّك ثوابًاو خیر املًا۔ (الکھف۔۴٦)

مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی زینت ہیں، باقی رہنے والی اچھی باتیں ہیں ،ان کا ثواب تمہارے رب کے پاس بہتر ہےاور بہترین امید ہے۔

(۲) انمااموالکم واولادکم فتنة واللّٰه عنده اجرٌعظیم ۔(التغابن ۱۵)

بیشک تمہارے اموال اور تمہاری اولاد فتنہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا ثواب ہے۔

(۳) یوم لا ینفع مال و لا بنون الا من اتی الله بقلب سلیم۔(الشعراء ۔ ۸۸)

جس دن مال اور اولاد نفع نہیں دے گی مگر جو اللہ کے پاس پاک دل لے کر آیا

(۵) عتل بعد ذالك زنیم۔ ان كان ذا مال و بنین۔(القلم ۔ ۱٤)

درشت خو۔اس کے بعد بداصل بھی ہے۔اس لیے کہ وہ مال اور بیٹوں والا ہے۔

(٦) ان ترن أنا اقل منك مالًا و ولدًا ۔(الکھف ۔ ۳۹)

اگر تو مجھے دیکھتا ہے کہ میں تجھ سے مال اور اولاد میں کم ہوں۔

(۷) قال نوح ربّ انھم عصونی واتّبعوا من لم یزده ماله و ولده الاخساراً ۔ (نوح ۔ ۲۱)

نوح علیہ السلام نے کہا۔اے میرے رب بے شک انہوں نے میرا کہنا نہ مانا اور اسکو مانا جس کو اسکے مال اور اولاد نے نقصان کے سوا کچھ بھی فائدہ نہیں دیا۔

(۸) وشارکھم فی الاموال و الاولاد وعدھم۔ (بنی اسرائیل۔ ٦٤)

اوران کے ساتھ مل جا (اپنے) مالوں اور بچوں میں، اوران سے وعدے کر۔

(۹) و تکاثر فی الاموال و الاولاد۔ (الحدید ۔ ۲۰)

اور مال اور اولاد میں ایک دوسرے پر زیادتی چاہنا۔

(۱۰) وما اموالکم ولا اولادکم بالّتی تقرّبکم عندنا زلفٰی۔(السباء ۳۷)

اور تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایسی چیز نہیں جو تمہیں مرتبے میں ہمارے قریب کر دے۔ (تلک عشرۃ کاملۃ)

ان آیات قرآنیہ میں مال کو اولاد کے مقابلے میں ذکر کیا گیا ہے درمیان میں واؤ عاطفہ ہے جو کہ مغایرت پر دلالت کرتی ہے اور یہ بتارہی ہے کہ میرا مدخول میرے ماقبل کا غیر ہے یعنی مال اور شے ہے اور اولاد اور شے۔اولاد سے مراد انسان ہے معلوم ہوا مال انسان کا غیر ہے جو مال ہو وہ انسان نہیں ہوسکتا اور جو انسان ہے وہ مال نہیں ہوسکتا۔

انسان کے مال نہ ہونے پر احادیث سے دلائل

(۱) عن جابر بن عبداللّٰہ ان رجلاقال یارسول اللّٰہ ان لی مالاً وولداً وان ابی یریدان یحتاج مالی. فقال انت ومالک لابیک۔

(ابن ماجہ ص ۱۶۵ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا یارسول اللہ !(صلی اللہ علیہ وسلم) میرا مال ہے اور میری اولاد ہے میرا باپ میرے مال کا محتاج ہونا چاہتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اور تیرا مال تیرے باپ کیلئے ہے۔

(۲)عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ ﷺ کان من دعاء داوٗد یقول اللّٰھم انی أسألك حبّك و حبّ من یحبّك و العمل الّذی یبلّغنی حبّك اللّٰھم اجعل حبّك احبّ الیّ من نفسی ومالی واھلی ومن الماء البارد قال وکان رسول اللہ ﷺ اذاذکر داوٗد یحدثّ عنه یقول کان اعبدالبشر۔رواہ الترمزی

(مشکوۃ المصابیح ص ۲۲ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت ابور درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حضرت داؤد علیہ السلام کی دعامیں سے ہے اللّٰھم انی أسالك الخ اے اللہ! میں تجھ سے تیری محبت اوراس شخص کی محبت کا سوال کرتا ہوں جو تجھ سے محبت کرے۔اوراس عمل کا سوال کرتا ہوں جو مجھے تیری محبت تک پہنچادے۔اے اللہ! تو اپنی محبت کومیرے لئے ،میری جان،میرے مال، میرے اہل اورٹھنڈے پانی سے زیادہ محبوب بنادے۔راوی کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ جب بھی حضرت داؤد علیہ السلام کاذکرکرتے اوران سے کوئی بات بیان کرتے توفرماتے تھے۔کان اعبد البشر حضرت داؤدعلیہ السلام اپنے زمانے میں سب سے زیادہ عبادت گذارانسان تھے۔

(۳)عن عمر رضی اللہ عنہ قال علّمنی رسول اللہ ﷺ قال قل اللّٰھم اجعل سریرتی خیراً من علانیتی واجعل علانیتی صالحۃً اللّٰھم انی اسألك من صالح ماتوتی النّاس من الاھل و المال و الولدغیر الضّال والمضلّ "رواہُ الترمذی"

(مشکوۃالمصابیح ص ۲۲۰ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے مجھے (یہ دعا) سکھائی۔ فرمایا، کہو! اے اللہ! میرے خفیہ معاملے کو میرے اعلانیہ معاملے سے بہتر بنا۔ اور میرے اعلانیہ معاملے کو درست فرما۔ اے اللہ! میں تجھ سے اس چیز کی درستگی کا سوال کرتا ہوں جو تو لوگوں کو عطا فرماتا ہے۔ اہل سے، مال سے، اولاد سے۔ وہ (خود) گمراہ نہ ہو اور نہ ہی (دوسروں کو) گمراہ کرنے والا ہے۔ ان احادیث مبارکہ میں اولاد کو مال کے مقابلے میں ذکر کیا گیا ہے۔

(۴) قال یقول ابن آدم مالی، مالی و هل لك من مالك الا ما تصدقت فامضیت او اكلت فافنیت، او لبست فابلیت

(جامع ترمذی ج ۲ ص ۵۰۹ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا آدمی کہتا ہے میرا مال، میرا مال۔ اے انسان تیرا مال اتنا ہی ہے جتنا تو صدقہ دے کر آخرت کے فائدے کے لئے بھیج دیا۔ یا جتنا تو نے کھا کر فنا کر دیا۔ یا پہن کر پرانا کر دیا۔

(۵) عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ ما لا حد عندنا یدا الا و قد كافیناه ما خلا ابو بكر فان له عندنا یداً یكافیه الله یوم القیمة و ما نفعنی مال احد قط ما نفعنی مال ابی بكر

(جامع ترمذی ج ۲ ص ۶۸۵ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم پر کسی کا احسان نہیں مگر ہم نے اس کا بدلہ دے دیا ہے سوائے ابو بکر کے اس کا ہم پر

احسان ہے جسکا بدلہ اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دے گا اور مجھے کسی کے مال نے ا
تنا نفع نہیں دیا جتنا کہ ابو بکر کے مال نے مجھے نفع دیا ہے۔

(٦) عن زيد بن اسلم عن ابيه قال سمعت عمر بن الخطاب يقول امرنا رسول الله ﷺ ان نتصدق ووافق ذالك عندى مالاً فقلت اليوم اسبق ابا بكر ان سبقته يوماً قال فجئت بنصف مالى فقال رسول الله ﷺ ما ابقيت لاهلك قلت مثله واتى ابو بكر بكل مال عنده فقال يا ابا بكر ما ابقيت لاهلك فقال ابقيت لهم الله ورسوله قلت لا اسبقه الى شىء ابداً۔

(جامع ترمذی ج ٢ ص ٦٨٦ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور)

حضرت زید بن اسلم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہوئے سنا۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ اتفاقاً اس وقت میرے پاس مال بہت تھا میں نے سوچا کہ اگر میں کسی دن ابو بکر سے بڑھ سکا تو آج بڑھ جاؤں گا۔ فرماتے ہیں میں نے اپنا آدھا مال لایا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم نے اپنے بال بچوں کے لئے کیا چوڑا؟ میں نے کہا آدھا مال اور ابو بکر کے پاس جو مال تھا سارے کا سارا لے آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم نے اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا؟ تو انہوں نے عرض کیا میں نے انکے لئے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑا ہے۔ (حضرت عمر کہتے ہیں) میں نے کہا۔ میں کسی شے میں بھی ابو بکر سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

ان احادیث میں مال کی اضافت انسان کی طرف ہے اور مضاف مضاف الیہ کا مغائر ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے مال اور شے ہیں اور انسان اور شے۔

آزادانسان کی خرید وفروخت جائز نہیں

آزاد آدمی کی خرید وفروخت گناہ کبیرہ اور ظلم عظیم ہے جو شخص اس گناہ کا ارتکاب کرے گا اللہ تعالیٰ کل قیامت کے دن خود اسکے خلاف مدعی ہوگا۔

حضرت ابوھریرہ رضی اللّٰہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

(۱) قال اللّٰہ ثلثه انا خصمهم یوم القیامة رجل اعطی بی ثم غدر ورجل باع حرًّا ورجل استاجر اجیرا فاستوفیٰ منه ولم یعط اجره

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۹۷ مطبوعه قدیمی کتب خانه کراچی)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا قیامت کے دن تین آدمیوں کے خلاف میں خود مدعی ہوں گا۔ایک وہ شخص جس نے میرے نام پر عہد کیا پھر منحرف ہوگا۔دوسرا وہ شخص جس نے آزاد آدمی کو فروخت کیا۔تیسرا وہ شخص جس نے کسی کو مزدور رکھا اس سے اپنا کام پورا پورا لے لیا اور اسے اسکی اجرت ومزدوری نہ دی۔

اس حدیث پاک میں تین آدمیوں کے بارے میں وعید ہے ان میں سے دوسرے نمبر پر آزاد انسان کی بیع کرنے والے آدمی کے بارے میں وعید ہے آزاد آدمی کی خرید وفروخت جرم عظیم ہے اسکی بہت سی حکمتیں ہیں ان میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ انسان مال نہیں ہے اگر مال ہوتا تو اسکی خرید وفروخت سے منع نہ کیا جاتا اور اس قدر شدید وعید اسکی بیع پر نہ ہوتی ۔وعید شدید کا ہونا انسان کے مال نہ ہونے پر روشن دلیل ہے۔

مالیت وتقوم بیع کیلئے ضروری ہے

عقد بیع میں داخل ہونے کیلئے شے کا صفتِ مالیت اور صفتِ تقوّم سے متصف ہونا ضروری ہے۔

شیخ الاسلام شمس الآئمہ علامہ سرخسی رحمۃ علیہ اپنی کتاب ''المبسوط'' میں لکھتے ہیں

بیع الحرّ لایجوز لان الحر لایدخل فی العقدلان دخول الشئی فی العقدبصفة المالیّة والتقوّم وذالك لایوجدفی الحر۔

(المبسوط ج ۱۳ ص ۱۲ مطبوعه بیروت)

آزاد آدمی کی بیع جائز نہیں اس لئے کہ آزاد عقد میں داخل نہیں ہوتا کیونکہ عقدِ بیع میں دخول کیلئے صفتِ مالیت اور صفتِ تقوّم کا ہونا ضروری ہے جبکہ یہ دونوں صفتیں آزاد انسان میں نہیں پائی جاتیں۔

انسان کے صفتِ مالیت سے متصف نہ ہونے کا ثبوت قرآن وسنت سے ہو چکا البتہ صفتِ تقوّم پر بحث باقی ہے۔

تقوم دو چیزوں کے وجود سے ثابت ہوتا ہے

انسان صفتِ تقوّم سے متصف نہیں۔تقوّم کا معنیٰ ہے قابلِ قیمت ہونا۔کسی بھی چیز کا تقوّم دو چیزوں کے وجود سے ثابت ہوتا ہے۔

(۱)وہ چیز مال ہو (۲) اسکے ساتھ شرعاً انتفاع جائز ہو۔

علّامہ سیّدامین ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ ''ردّالمحتار علی الدّ رالمختار'' میں لکھتے ہیں۔

التقوّم یثبت بهاوباباحة الانتفاع به شرعاً۔

(ردّالمحتار علی الدّرالمختار ج ۷ ص ۸ مطبوعہ مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

تقوم (قابل قیمت ہونا) مالیت اور اس سے شرعاً انتفاع کے مباح ہونے سے ثابت ہوتا ہے۔

انسانی جسم و اعضاء سے نفع حاصل کرنا شرعی طور پر مباح نہیں کہ اسکے جسم و اعضاء کی چیر پھاڑ کر کے فروخت کیا جائے اور اسکی قیمت کو استعمال میں لایا جائے جیسا کہ حدیث پاک کے حوالے سے گذر چکا ہے۔ ثابت ہوا کہ انسان مال متقوم نہیں ہے۔

آزاد انسان کی بیع کا بطلان عدم مالیت کی وجہ سے ہے

آزاد انسان کی بیع کے باطل ہونے کی ایک وجہ اسکا مال نہ ہونا بھی ہے۔

شیخ الاسلام علامہ علی بن ابی بکر المرغینانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''ھدایہ'' میں لکھتے ہیں۔

بیع المیتة والدّم والحرّ باطل لانھا لیست اموالاً فلا تکون محلاً للبیع۔

(ھدایہ ج ۳ ص ۴۹ مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان)

مردار، خون اور آزاد انسان کی بیع باطل ہے کیونکہ یہ مال نہیں لھذا بیع کا محل نہیں۔

بیع کی تعریف

علامہ فخر الدین عثمان بن علی زیلعی حنفی رحمۃ اللہ علیہ بیع کی تعریف اپنی کتاب ''تبیین الحقائق'' میں لکھتے ہیں۔

''مبادلة المال بالمال بالتراضی''۔

(تبیین الحقائق ج ۴ ص ۲ مطبوعہ مصر)

بائع اور مشتری کی رضامندی سے مال کا مال کے ساتھ تبادلہ کرنے کا نام بیع ہے۔

یعنی بیع کیلئے مال ہونا ضروری ہے۔ جو شے مال نہ ہو اسکے تبادلے سے بیع نہ ہوگی۔

انسانی اعضاء کی وصیت نا جائز ہے

قرآن وسنت اور فقہاء امت کی عبارات سے بخوبی واضح ہوگیا کہ انسان مال نہیں تو اس سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ انسانی اعضاء مثلاً دل، گردہ، آنکھ، ناک ، ہاتھ، پاؤں اور چہرہ وغیرہ بھی مال نہیں کیونکہ ان اجزاء کے ترکیبی مجموعے کا نام انسان ہے۔ انسان کا مال نہ ہونا اسکے اجزاء کے مال نہ ہونے کو مستلزم ہے جب یہ ثبوت مل گیا کہ انسانی اعضاء مال نہیں تو اس سے اس بات کا ثبوت بھی مل گیا کہ انسانی اعضاء قابلِ تملیک نہیں ۔جب انسانی اعضاء قابلِ تملیک نہیں تو انکی وصیت بھی جائز نہیں کیونکہ وصیت کی صحت کیلئے شرط یہ ہے:

,, کون الموصی اهلاً للتمليك و كون الموصىٰ به قابلًا للتمليك بعدموت الموصی ،،۔

(الدّر المختار مع ردالمحتار ج ۱۰ ص ۳۵۵ مطبوعه مكتبه حنفيه كوئٹه)

وصیت کرنے والا تملیک کا اھل ہو اور جس چیز کی وصیت کی جائے وہ موصی کی موت کے بعد قابلِ تملیک ہو۔

مذکورہ دلائل کی روشنی میں ان دونوں چیزوں کے عدم کا ثبوت ہو چکا کہ انسان اپنے جسم واعضاء کا مالک نہیں اور انسانی جسم واعضاء قابل تملیکِ نہیں ۔تو بخوب واضح روشن ہوگیا اعضاء انسانی کی وصیت جائز نہیں۔ یہ بات بھی ثابت ہو

چکی ہے کہ انسان مال متقوم نہیں اور جو چیز مالِ متقوم نہ ہو اس کی وصیت ناجائز اور غیر درست ہے۔

ملک العلماء علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی لکھتے ہیں۔

و منها ان یکون المال متقوماً فلا تصح الوصیۃ بمال غیر متقوم کالخمر فانها وان کانت مالاً حتی تورث لکنها غیر متقومہ فی حق المسلم حتی لا تکون مضمومۃً بالاتلاف فلا تجوز الوصیۃ من المسلم۔

(بدائع الصنائع ج۷ ص ۳۵۲ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

وصیت کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ جس چیز کی وصیت کی جارہی ہے وہ مال متقوم ہو، مال غیر متقوم کی وصیت صحیح نہیں مثلاً شراب یہ اگرچہ مال ہے اس میں وراثت جاری ہوتی ہے لیکن مسلمان کے حق میں غیر متقوم ہے حتی کہ اس کو ضائع کر دینے سے ضمان لازم نہیں آتا۔ لہذا اس کی وصیت مسلمان کی طرف سے جائز نہیں۔

انسانی جسم واعضاء مال غیر متقوم نہ ہونے میں شراب کی مثل ہیں جس طرح شراب کی وصیت جائز نہیں اسی طرح انسانی جسم واعضاء کی مال غیر متقوم نہ ہونے کی وجہ سے وصیت جائز نہیں۔

انسانی اعضاء کی وصیت پورا کرنے والا گنہگار ہے

اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں یہ وصیت کر جائے کہ میرے مرنے کے

بعد میری آنکھیں، دل، گردے وغیرہ فلاں فلاں مریض کو دیدینا تو اس شخص کی موت کے بعد یہ وصیت نافذ نہ ہوگی۔ اگر ورثاء یا دیگر افراد میں سے کسی نے اسکی اس بات کو پورا کردیا تو وہ سخت گناہ گار ہوگا۔







انسانی اعضاء ہبہ کرنے
کی شرعی حیثیت

انسانی اعضاء ہبہ کرنے کی شرعی حیثیت

وصیت کا تعلق وفات کے بعد ہوتا ہے جیسا کہ وصیت کی تعریف میں گذر چکا ہے۔اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا انسان اپنی زندگی میں اپنے اعضاء کسی مریض کو ہبہ وعطیہ کے طور پر دے سکتا ہے؟ یہ بات ذہن نشین رہے انسان جس چیز میں تصرف اپنی زندگی میں نہ کر سکے مرنے کے بعد بدرجہ اولیٰ اس میں تصرف نہ کر سکے گا۔

انسان کا جسم اور اسکے اعضاء اسکے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں انسان جسم واعضاء کا مالک نہیں اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں اپنے اعضاء میں سے کوئی عضو مثلا گردہ نکال کر کسی مریض کو بطور ہبہ وعطیہ دیدے تو اسکا گذارا ایک گردے پر ہو سکتا ہے۔یا دو آنکھوں میں سے ایک آنکھ ہبہ کردے تو یہ ہبہ وعطیہ از روئے شرع جائز نہیں کیونکہ انسان اپنے اعضاء کا مالک ہی نہیں جس چیز کا انسان خود مالک نہ ہو دوسرے کو اسکا مالک کیسے بنا سکتا ہے؟۔

ملک صحیح کیساتھ مالک ہونا ہبہ کیلئے شرط ہے

علامہ قاضی ابوالولید محمد بن احمد اندلسی اپنی کتاب "بدایۃ المجتہد" میں لکھتے ہیں۔

اما الواهب فانهم اتفقوا على ان تجوز هبته اذا كان مالكاً صحيح الملك ۔

(بداية المجتهد ج ۲ ص ۲۴۵ مطبوعه اسلامك پبلشنگ هاوس لاهور)

تمام فقہاء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہبہ کرنے والے کا ہبہ اسی وقت صحیح ہوگا جب وہ شے موہوب (جس شے کا ہبہ کیا جائے) کا ملک صحیح کے ساتھ مالک ہو۔

مال متقوّم ہونا ہبہ کیلئے شرط ہے

انسانی اعضاء کے ہبہ وعطیہ کے ناجائز ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انسانی جسم واعضاء مال متقوم نہیں جو چیز مال متقوّم نہ ہو اسکا ہبہ جائز نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہبہ کیلئے مال متقوم شرط ہے۔

ملک العلماء علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی رحمتہ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق تصنیف "بدائع الصنائع" میں لکھتے ہیں۔

(ومنها) ان یکون ما لاً متقوّماً فلا تجوز هبة ما لیس بمال اصلاً کالحرّ والمیتة والدّم وصید الحرم والا حرام والخنزیر وغیر ذالك علی ما ذکرنا فی البیوع ولا هبة ما لیس بمال مطلق کامّ الولد والمدبر المطلق والمکاتب لکونهم احرار من وجه ولهذا لم یجز بیع هؤلاء ولا هبة ما لیس بمتقوّم کالخمر ولهذا لم یجز بیعها۔

(بدائع الصنائع ج۶ ص ۱۱۹ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

ہبہ کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ جس چیز کا ہبہ کیا جا رہا ہے وہ مالِ متقوّم ہو تو جو شے اصلاً مال ہی نہ ہو اسکا ہبہ جائز نہیں مثلاً آزاد انسان، مردار، خون، حرم کا شکار اور خنزیر وغیرہ کا ہبہ کرنا جائز نہیں جن کا ذکر ''کتاب البیوع'' میں ہم نے کر دیا اور جو چیز مالِ مطلق نہ ہو اسکا ہبہ بھی جائز نہیں مثلاً ام ولد، مدبر مطلق، اور مکاتب۔ کیونکہ یہ من وجہ آزاد ہیں اسی لئے ان کی بیع جائز نہیں اور جو چیز مالِ متقوّم نہ ہو اسکا ہبہ جائز نہیں مثلاً شراب اسی وجہ سے اس کی بیع جائز نہیں۔

امام علاؤ الدین ابوبکر بن مسعود کاسانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''بدائع الصنائع''، میں لکھتے ہیں۔

ومن شرط الهبة ان يكون مالاً متقوماً فلا تجوز هبة ماليس بمال اصلاً

(بدائع الصنائع ج ٦ ص ١١٩ مطبوعه ايچ ايم سعيد كمپنی كراچی)

ہبہ کیلئے یہ شرط ہے کہ جس چیز کا ہبہ کیا جارہا ہے وہ مالِ متقوم ہو جو چیز مال نہ اسکا ہبہ اصلاً جائز نہیں۔

مثلاً شراب یہ مال ہے لیکن مالِ متقوم نہیں کیونکہ اسکی حرمت نصِ قرآنی سے ثابت ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

یاایھاالذین امنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطن فاجتنبوه لعلکم تفلحون (المائد - ٩٠)

''اے ایمان والو! شراب، جوا، بت اور پانسے ناپاک ہی ہیں، شیطانی کام، تو ان سے بچتے رہنا کہ تم فلاح پاؤ''۔

شراب کو ہبہ وعطیہ کے طور پر دینا جائز نہیں یہ مال تو ہے لیکن مالِ متقوم نہیں۔ جبکہ انسان کا مال متقوم ہونا تو درکنار رہا انسان اصلاً مال ہی نہیں جو مال متقوم نہ ہو اسکا ہبہ وعطیہ ناجائز ہے تو جو اصلاً مال ہی نہ ہو اسکے جسم واعضاء کا ہبہ وعطیہ بدرجۂ اولیٰ ناجائز ہوگا۔ جب انسان اپنے جسم واعضاء کو اپنی زندگی میں ہبہ وعطیہ کے طور پر دینے کا مجاز نہیں تو اپنی زندگی کے بعد کی وصیت کا کیسے مجاز ہوگا؟ جس شے میں تصرّف حین حیات ناجائز ہو بعد از وفات اس شے میں تصرّف بدرجہ اولیٰ ناجائز ہوگا۔لہذا دل ،گردہ، آنکھ اور دیگر اعضاء کے بارے میں یہ وصیت کرنا کہ میری موت کے بعد یہ

اعضاء فلاں فلاں ضرورت مند حضرات کو دیدینا جائز ہے۔

انسان کے مال نہ ہونے پر ایک اعتراض

یہاں پر ایک اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے بڑے جتن کیساتھ سے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی کہ انسان مال نہیں لہذا اسکی بیع جائز نہیں کیونکہ بیع "مبادلة المال بالمال بالتراضی" (بائع اور مشتری کی باھم رضامندی سے مال کا مال سے تبادلہ کرنے کا) نام ہے۔ انسانیت میں مالیت نہیں لہذا اسکی خرید وفروخت جائز نہیں جبکہ ایک غلام ہے وہ انسان ہے اسے خریدا بھی جاتا ہے اور فروخت بھی کیا جاتا ہے۔ سب کے نزدیک اسکی خرید وفروخت جائز ہے۔ اسکی خرید وفروخت کی تاریخ کئی صدیوں پر مشتمل ہے اسکی بیع سے حاصل شدہ رقم میں تصرّف جائز ہے معلوم ہوا کہ غلام میں جو کہ ایک انسان ہے صفتِ مالیت موجود ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مولیٰ و آقا اگر اپنے غلام کے بارے میں یہ وصیت کرے کہ میرے مرنے کے بعد میرا یہ غلام فلاں شخص کو بطور ھدیہ دے دینا اگر اس غلام کی قیمت ثلث (تہائی) یا اس سے کم مالیت کی ہو تو آپ کے نزدیک یہ وصیت جائز ہے معلوم ہوا غلام جو کہ انسان ہے مال ہے تو اسکا ہبہ وعطیہ، بیع اور وصیت جائز ہے تو پھر جب کسی شخص کو دل، گردہ، آنکھ کی ضرورت ہو تو اپنے غلام کی آنکھ، دل، گردہ وغیرہ کو نکال کر اپنے جسم میں پیوند کرے تو یہ جائز ہونا چاہیے یا کسی دوسرے شخص کو ہبہ وعطیہ کے طور پر دیدے تو اسے جائز ہونا چاہیے۔



انسان میں مالیت عارضی وتبعی ہے

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ انسان کے اندر اصلاً مالیت نہیں، چاہے وہ غلام ہی کیوں نہ ہو غلام میں مالیت انسان ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ رقیت وغلامیت کی وجہ سے ہے۔

ملک العلماء علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ ''بدائع الصنائع'' میں لکھتے ہیں۔

انّ الآدميّة فيه اصل والماليّة عارض وتبع والعارض لايعارض الاصل والتبع لايعارض المتبوع۔

(بدائع الصنائع ج ۷ ص ۲۵۷ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

انسان میں اصل آدمیت ہے مالیت اس میں عارضی وتبعی ہے یہ ضابطہ ہے جو شے عارضی ہو وہ اصل کے معارض ومنافی نہیں ہوتی جو شے تبعی ہو وہ متبوع کے معارض ومنافی نہیں ہوتی۔

غلام کی دو حیثیتیں ہیں

علامہ کاسانی کی عبارت سے معلوم ہوا کہ غلام کی دو حیثیتیں ہیں۔ایک حیثیت انسانیت کی ہے اور دوسری حیثیت غلامیت کی ہے۔غلام میں جو مالیت آئی ہے وہ انسان ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ غلام ہونے کی حیثیت سے آئی ہے، یہی وجہ ہے اگر اسی غلام کو آزاد کر دیا جائے تو اسکی بیع ، ہبہ، عطیہ اور وصیت جائز نہیں ۔کیونکہ اب حیثیت بدل گئی ۔اب اس میں مالیت ختم ہوگئی ۔غلام میں مالیت عارضی ہے اصلی نہیں اگر مالیت اصلی ہوتی تو اسکو آزاد کرنے کے بعد بھی پہلے کی طرح اسکی بیع

، ہبہ، عطیہ اور وصیت جائز ہوتی۔ سب کے ہاں یہ مسلّم ہے کہ آزاد کی بیع، ہبہ اور وصیت جائز نہیں۔ جب یہ ثبوت مل گیا کہ غلام میں اصلاً مالیت نہیں بلکہ انسانیت وآدمیت ہے تو جس طرح آزاد انسان کی انسانیت وآدمیت کالحاظ رکھتے ہوئے اسکے اعضاء کوتن سے جدا کرا اپنے جسم سے پیوند کرنا یاکسی دوسرے انسان کوبطور ہبہ وعطیہ اور وصیت دینا جائز نہیں اسی طرح غلام کی اصل یعنی انسانیت وآدمیت کالحاظ رکھتے ہوئے اسکے اعضاء کوتن سے جدا کر کے اپنے جسم کے ساتھ پیوند کرنا یاکسی دوسرے انسان کوبطور ہبہ وعطیہ اور وصیت دینا بھی جائز نہیں۔

اعضاء کی قطع وبرید میں غلام وآزاد کاحکم یکساں ہیں

جس طرح آزاد آدمی کے جسم واعضاء کی قطع وبرید (کاٹ چھانٹ) ناجائز ہے اسی طرح غلام کے جسم واعضاء کی قطع وبرید بھی ناجائز ہے۔
سنن ابی داؤد میں ایک حدیث ہے۔

عن الهيجان بن عمران ان عمران ابق له غلام فجعل لله عليه لئن قدر عليه ليقطعن يده فارسلني لأسئل له فأتيت سمرة بن جندب فسالته فقال كان رسول الله ﷺ يحثنا على الصدقة وينهانا عن المثلة۔

(سنن ابی داؤد۔ ج ۲ ص ٦ مطبوعه مکتبه امدادیه ملتان)

حضرت ہیجان بن عمران سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمران کا غلام بھاگ گیا تو انہوں نے یہ نذر مانی اگر میں اس غلام پر قادر ہو گیا (یعنی وہ میرے ہاتھ لگ گیا) تو میں اسکے ہاتھ کاٹ دونگا۔ ہیجان کہتے ہیں اس مسئلہ کے استفسار کیلئے

حضرت عمران نے مجھے حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا میں نے ان سے اس مسئلہ کی وضاحت پوچھی تو انہوں نے فرمایا رسول اللہ ﷺ ہمیں صدقہ کی ترغیب دیتے تھے اور مثلہ (انسانی صورت کو بگاڑنے) سے منع فرماتے تھے۔ اس حدیث پاک سے یہ معلوم ہوا کہ اعضاء کی قطع و برید (کاٹ چھانٹ) میں آزاد و غلام دونوں کا حکم ایک ہے۔

انسانی اعضاء کی دیت وتاوان کی وجہ

یہاں پر ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اگر انسان مال نہیں اور انسان اپنے جسم واعضاء کا مالک نہیں تو پھر کوئی شخص کسی کا کوئی عضو کاٹ دے یا ضائع کردے مثلاً دانت توڑ دے، آنکھ نکال دے، ہاتھ کاٹ دے یا کوئی شخص کسی دوسرے انسان کو خطأ قتل کردے تو اس صورت میں دیت وتاوان کو کیوں لازم کیا گیا؟ جبکہ جو شے مال نہ ہو اسکے ضائع کردینے پر دیت وتاوان دینا کوئی ضروری نہیں اور جس شے کا کوئی مالک نہ ہو اسکا تاوان بھی نہیں دیا جاتا تو انسانی جسم واعضاء کے ضائع کرنے پر دیت وتاوان کا دینا اس امر کی روشن دلیل ہے کہ انسان مال بھی ہے اور انسان اپنے جسم واعضاء کا مالک بھی ہے تبھی تو وہ اپنے عضو کے ضائع کئے جانے پر دوسرے شخص سے دیت وتاوان وصول کرتا ہے۔ جب انسان مال ہے اور انسان اپنے جسم واعضاء کا مالک ہے تو پھر انسانی اعضاء کی وصیت جائز ہونی چاہیے اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں اپنی ایک آنکھ کسی نابینے کو ہبہ کردے یا اپنا ایک گردہ کسی مریض کو عطیہ کردے تو یہ جائز ہونا چاہیے۔ کیونکہ انسان اپنے جسم واعضاء کا مالک ہے اور جسم واعضاء انسان

کے مملوک ہوئے تو اپنے مملوک کا ہبہ وعطیہ جائز ہے۔

ملک العلماء علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ ''بدائع الصنائع'' میں لکھتے ہیں۔

ومنها ان يكون مملوكاً للواهب فلاتجوز هبة مال الغير بغير اذنه لاستحالة تمليك ماليس بمملوك۔

(بدائع الصنائع ج ٦ ص ١١٩ مطبوعه ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

ہبہ کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے جس چیز کا ہبہ کیا جارہا ہے وہ واہب (ہبہ کرنے والے) کی مملوک (مِلک) ہو لہذا غیر کے مال کا ہبہ، مالک کی اجازت کے بغیر جائز نہیں کیونکہ جس شے کا انسان خود مالک نہ ہو اسکا دوسرے کو مالک بنانا محال ہے۔

ہماری ذکر کردہ تقریر سے انسان کا اپنے جسم واعضاء کا مالک ہونا اور اعضاء انسانیہ کا مملوک ہونا ثابت ہوگیا ہے لہذا علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کی روشنی میں انسانی اعضاء کا ہبہ وعطیہ بھی جائز ہے اور انسانی اعضاء کے بارے میں وصیت بھی جائز ہے۔

دیت کا لزوم انسانی جسم واعضاء کے مال ہونے کی وجہ سے نہیں

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ دیت وتاوان کا لزوم اس وجہ سے نہیں کہ انسان مال ہے یا انسان اپنے جسم واعضاء کا مالک ہے بلکہ دیت کا لزوم انسانی جسم واعضاء کو نقصان پہنچانے کی وجہ سے ہے اگر دیت وتاوان انسانی جسم واعضاء کا ثمن وقیمت ہوتی تو شریعت کی جانب سے اسکی مقدار کا تعین نہ ہوتا بلکہ جس طرح انسان

دوسرے اموال کی قیمت کا خود تعین کرتا ہے اسکی قیمت کا تعین بھی خود کرتا ہے
۔نیز دیت اگر انسانی جسم واعضاء کا عوض اور قیمت ہوتی تو جسطرح انسان وراثت
میں تقسیم نہیں ہوتا دیت کو بھی وراثت میں تقسیم نہیں ہونا چاہیے جبکہ دیت وراثت میں
تقسیم ہوتی ہے۔جب دیت کی مقدار کا تعین شریعت کی جانب سے ہے انسان اپنی
مرضی سے اسکی مقدار کا تعین نہیں کرسکتا اور دیت وراثت میں تقسیم ہوتی ہے۔تو یہ اس
بات کی کھلی دلیل ہے کہ دیت وتاوان کا لزوم انسانی جسم واعضاء کو نقصان پہنچانے کی
وجہ سے ہے۔انسانی جسم واعضاء کا عوض نہیں اور انسانی جسم اعضاء مال نہیں اوانسان
اپنے جسم واعضاء کا مالک نہیں ۔جب انسان اپنے جسم واعضاء کا مالک نہیں تو علامہ
کاسانی کی عبارت

"(ومنهاان يكون مملوكاًللواهب فلاتجوزهبة مال الغيربغيراذنه
لاستحالة تمليك ماليس بمملوك۔

(بدائع الصنائع ج ٦ ص ١١٩ مطبوعه ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

ہبہ کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ ہبہ کرنے والا اس شے کا مالک
ہو غیر کے مال کا ہبہ وعطیہ اسکی اجازت کے بغیر جائز نہیں کیونکہ جسکا انسان خود مالک نہ
ہو دوسرے کو اسکا مالک بنانا محال ہے)۔"

کی روشنی میں انسانی جسم واعضاء کا ہبہ کرنا ناجائز ہوگا۔کیونکہ انسانی جسم واعضاء
کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو جسم واعضاء کے ہبہ وعطیہ اور وصیت کی
اجازت نہیں دی لہذا انسانی جسم واعضاء کا ہبہ وعطیہ اور وصیت ناجائز ہے۔

انسانی اعضاء کی وصیت تکریمِ انسانیت کے منافی ہے

انسانی اعضاء کی وصیت تکریمِ انسانیت کے منافی ہے اسلئیے کہ وصیت بالاعضاء مستلزم ہے قطع و برید کو، وصیت کرنے والے کی وصیت پر اسی صورت میں عمل ہوگا جب جسم کو چیر پھاڑ کر اعضاء کو جسم سے الگ کیا جائے جبکہ انسانی جسم واعضاء کی چیر پھاڑ، قطع و برید انسانیت کی توہین وتذلیل ہے۔

قرآن واحادیث میں تکریمِ انسانیت کی بڑی تاکید کی گئی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ولقد کرّمنابنی آدم وحملناھم فی البروالبحرورزقناھم من الطیّبات وفضّلناھم علی کثیرممن خلقناتفضیلاً۔ (بنی اسرائیل - ۷۰)

اور بیشک ہم نے اولاد آدم (انسان) کوعزّت دی اورانکوخشکی وتری میں سوار کیا اورانکو ستھری چیزیں روزی دیں اورانکواپنی بہت مخلوق سے افضل کیا۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی تکریم وتفضیل کو بیان فرمایا ہے۔

تکریم وتفضیل میں فرق

امام فخرالدّین رازی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''تفسیر کبیر'' میں تکریم وتفضیل کا فرق لکھتے ہیں۔

انّہ قال فی اوّل الآیۃ (ولقد کرّمنابنی آدم) وقال فی آخرھا (وفضّلناھم) ولابدمن الفرق بین ھذاالتکریم والتفضیل والالزم التکرار والاقرب ان یقال انہ فضّل الانسان علیٰ سائرالحیوانات بامور خلقیۃ طبعیۃ ذاتیۃ مثل العقل والنطق والخط والصورۃ الحسنۃ

و القامة المدیدة ثم انه تعالیٰ عرضه بواسطة ذالك العقل و الفهم لاکتساب العقائد الحقة و الاخلاق الفاضلة فالاول هو التکریم و الثانی هو التفضیل۔

(تفسیر کبیر ج ۲۱ ص ۱۵ مطبوعه بیروت)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں انسان کی منقبت میں دو جملے ارشاد فرمائے ایک آیت کی ابتداء میں (ولقد کرّمنابنی آدم) ہے اور ایک آیت کے آخر میں (وفضّلناھم) ہے پہلے جملے میں تکریم انسانیت کو بیان فرمایا۔دوسرے جملے میں تفضیلِ انسانیت کو بیان فرمایا۔تکریم وتفضیل دونوں میں فرق ضروری ہے تاکہ تکرار لازم نہ آئے سب سے قریب ترین توجیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہت سے خلقی،طبعی ذاتی امور میں تمام حیوانات پر فضیلت وفوقیت دی مثلا عقل،قوتِ گویائی ،اچھی صورت اور بہترین قدوقامت سے انسان کی تزیین وتحسین کی ۔پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل وفہم کے واسطہ سے عقائد حقہ اور اخلاقِ فاضلہ کا اکتساب کرنے کی قوت عطافرمائی ۔پہلے والی اشیاء(عقل ،قوتِ گویائی،صورتِ حسنہ اور قامتِ مدیدہ)تکریمِ انسانیت میں داخل ہیں ۔دوسری قسم کی اشیاء (عقائد حقہ،اور اخلاق فاضلہ کا اکتساب)تفضیل انسانیت میں داخل ہیں۔

اس آیت تفسیر سے دو باتیں سامنے آئیں

(۱) اعضاءِ انسان کی فطرتی ترتیب کالحاظ تکریم انسانیت ہے۔

(۲) انسان کے عقل وفہم کالحاظ تفضیلِ انسانیت ہے۔

آیتِ مذکورہ کی روشنی میں دونوں چیزوں کالحاظ لازم وضروری ہے لہذاانسانی اعضاء کی قطع وبرید سے بچناضروری ہے کیونکہ یہ تکریم انسانیت کے خلاف ہے۔نیز انسان

کے عقل وفہم کے بگاڑنے سے بھی پرہیز ضروری ہے۔کہ یہ تفضیلِ انسانیت کے خلاف ہے ۔چونکہ انسانی اعضاء کی وصیت کا نفاذ اعضاءِ انسانی کی قطع وبرید پر موقوف ہے ۔جب تک اعضاء کوانسان کے جسم سے کاٹ یا اکھیڑ کر علیحدہ نہ کیا جائے وصیت اس وقت تک نافذ نہیں ہوسکتی جبکہ اعضاء کی قطع وبرید تکریم انسانیت کے سراسر خلاف ہے لہذا وصیت بالاعضاء جائز نہیں

اعضاء کی وصیت احسنِ تقویم کے خلاف ہے

انسانی اعضاء کی وصیت احسن تقویم (بہترین ساخت) کے سراسر خلاف ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسان کے تمام اعضاء کوایک خاص ترتیب کے ساتھ پیدا فرمایا اور اعتدال پر رکھا ہے ہر عضو کی تخلیق میں کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

الّذی خلقک فسوّاک فعدلک فی ایّ صورۃ ماشاء رکّبک (الانفطار ۔ ۷۔۸)

وہ ذات جس نے تجھے پیدا کیا اور ٹھیک بنایا تیری بناوٹ میں اعتدال رکھا اور جس صورت میں چاہا تجھے ترکیب دیا۔

اس آیت کریمہ میں یہ اشارہ ہے کہ انسانی جسم واعضاء کی یہ ترتیب اللہ تعالیٰ کی منشاء کے عین مطابق ہے انسانی جسم واعضاء کی یہ بناوٹ اوراعتدال اورانسانی اعضاء کی ترتیب وتعداد اللہ تعالیٰ کا عظیم کرشمہ ہے انسان کی اس انداز میں تخلیق قدرت کی خاص حکمت سے خالی نہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ (التین ۔ ٤)

''بلا شبہ ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا''۔

اللہ تعالیٰ نے جسم انسانی میں کوئی عضو زائد و بیکار پیدا نہیں کیا بلکہ ہر عضو کی تخلیق میں عظیم مصلحت کارفرما ہے۔اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میرے دو گردے ہیں یا دو آنکھیں ہیں میرا کام ایک گردے یا ایک آنکھ پر چل سکتا ہے چلو ایثار سے کام لیتے ہوئے اپنے ضرورت مند مسلمان بھائی کو دیدیتا ہوں یہ کام باوجود ایثار کے قابلِ مذمت ہے کیونکہ شریعت نے اس تصرّف کی اسے ہرگز اجازت نہیں دی ہے۔یہ شخص اپنے اعضاء کو ہبہ وعطیہ بھی نہیں کرسکتا اور اپنے اعضاء کی وصیت بھی نہیں کرسکتا کیونکہ یہ احسن تقویم کے خلاف ہے اگر ایک آنکھ نکال کردیدی جائے تو دوسری آنکھ بیکار عضو کی حیثیت رکھتی ہے۔انسانی زینت وحسن میں فرق پڑتا ہے انسانی چہرہ معیوب لگتا ہے۔

ایک آنکھ بھی ضائع ہوجائے تو چہرہ بدنما ہوجاتا ہے

غزوہ احد میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی آنکھ زخمی ہوگئی اور ڈھیلا باہر نکل آیا تو وہ اپنی آنکھ کے ڈھیلے کو اپنی ہتھیلی پر اٹھائے ہوئے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور عرض کی

,, یارسول اللہ ان عندی امرأۃ احبھا وان ھی رأت عینی کذالک حسبت ان تقذرنی فاخذھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدہ فرھا الی موضعھا فاستوت وکانت احسن عینیہ واصحھما،،۔

(حاشیہ ۲ بخاری شریف ج ۲ ص ۵۷۰ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

یارسول اللہ ! صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس ایک بیوی ہے۔میں اس سے محبت

کرتا ہوں اگر اس نے میری آنکھ کو اس حالت میں دیکھ لیا تو وہ مجھ سے نفرت کرے گی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھ کے اس ڈھیلے کو اپنے دست مبارک میں لیا اور اسکے مرکز میں رکھ دیا تو وہ آنکھ درست ہوگئی اور دوسری آنکھ سے زیادہ حسین وخوبصورت لگنے لگی۔

انسان کو اللہ تعالی نے جس ساخت پر پیدا کیا ہے انسان اسی ساخت پر اچھا لگتا ہے اگر کوئی شخص اپنے اعضاء کا ہبہ یا وصیت کرتا ہے تو وہ اللہ تعالی کی تخلیق اور احسن تقویم کے سراسر خلاف کرتا ہے۔ یونہی اگر کوئی شخص اپنے گردے کو زائد سمجھے اور کسی دوسرے مسلمان کو دیدے تو اسکا یہ عمل قابل مذمت ہے اسلئے کہ اللہ تعالی نے اسکا یہ گردہ اسکی ضرورت سے زائد و بیکار نہیں پیدا کیا تھا بلکہ اسکی عین ضرورت کے مطابق اسکی تخلیق فرمائی تھی کہ اگر اسکا ایک گردہ کام کرنا چھوڑ دے دوسرے گردے کے ذریعے اسکی حیات کا نظام چل سکے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے گردے یا ایک آنکھ کو ایثار کے پیش نظر عطیہ و ہبہ کردے تو دوسرے گردے اور آنکھ سے محروم ہوجائے تو پھر کیا کرے گا؟ اسلئے اللہ تعالی کی تخلیق میں تغیر و تبدل سے پرہیز کرے۔ انسانی اعضاء کی قطع و برید، چیر پھاڑ سے انسان کی متوازن اور بہترین صورت میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالی کے ارشاد کی مخالفت اور تخلیق خدا کا تغیر ناجائز ہے۔ اور یہ ناجائز کام اعضاء کی وصیت کرنے کی وجہ سے لازم آیا جو چیز ناجائز کو مستلزم ہو وہ خود بھی ناجائز ہوتی ہے۔ لہذا انسانی اعضاء کی وصیت ناجائز ہے۔



جسم میں کسی مسلم یا غیر مسلم کا عضو پیوند کرنے کا حکم

بعض علماء نے ایک زندہ انسان کے کسی عضو کو کاٹ کر دوسرے انسان کے جسم کے ساتھ پیوند کرنے کی حرمت کی علت زندہ انسان کے جسم سے الگ ہونے والے عضو کے مردار اور حرام قرار دیتے ہوئے کہا۔ کسی مسلم کے جسم میں کسی مسلم یا غیر مسلم کا کوئی عضو بوقت ضرورت پیوند کرنا قطعاً ناجائز و حرام ہے۔ کوئی عضو خواہ مسلمان ہی کا ہو کٹ کر جسم سے الگ ہونے کے بعد جیفہ و مردار ہو کر نجس و ناپاک ہو جاتا ہے اور پھر کسی جسم میں لگانے سے خواہ مسلمان ہی کے جسم میں لگایا جائے مردار و جیفہ ہونے سے خارج نہیں ہوگا۔ اور نہ پاک وطاہر ہوگا لہذا اتنا حصہ جسم کا مردار اور ناپاک ہی رہے گا۔ اور وہ شخص کبھی نماز نہ پڑھ سکے گا اور نہ طاہر ہی ہو سکے گا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے:

"مایقطع من البهيمة وهی حيّة فهو ميتة رواه الترمذی وابوداؤد"۔

(مرقاۃ المفاتیح ج ۸ ص ۲۸ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

جو عضو کسی زندہ جانور سے کاٹ دیا جائے وہ مردار ہے۔

یعنی کسی زندہ حیوان کے جسم سے کوئی جزا گر الگ کر دیا جائے تو وہ مردار کے حکم میں ہو جاتا ہے۔ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔

قال ابن ملك ای كل عضو قطع فذالك العضو حرام لانه ميت بزوال الحياة عنه

(مرقاۃ المفاتیح ج ۸ ص ۲۸ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

ابن ملک کہتے ہیں کہ ہر وہ عضو جسے کاٹ دیا جائے وہ حرام ہے اسلئے کہ وہ حیات کے زوال کی وجہ سے مردار ہو چکا ہے۔ درمختار کے متن تنویر الابصار میں ہے

"العضو المنفصل من الحیّ کمیتة"۔

(درمختار مع ردالمحتار ج ۹ ص ۵۱۶ مطبوعہ مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

وہ عضو جو کسی زندہ شے سے الگ ہو جائے وہ مردار کی طرح ہے

یعنی مردار کے حکم میں ہے اس سے معلوہوا کہ ایک عضو کو جب جسم سے علیحدہ کیا جائے تو وہ مردار و ناپاک ہو جاتا ہے پیوندکاری کی وجہ سے ساری زندگی جسم انسانی ایک ناپاک چیز سے ملوث رہے گا۔ اعضاء کے کسی دوسرے انسان کے ساتھ پیوند کرنے کے حرام ہونے دیگر علل اس علت سے زیادہ مضبوط ہیں۔ مثلاً انسان اپنے جسم کا مالک نہیں۔ یہ جسم انسان کے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔ انسان اسکا نگران ومحافظ ہے۔ انسانی جسم واعضاء قابل تملیک نہیں ایک انسان کے کسی عضو کی پیوندکاری دوسرے انسان کے جسم سے تکریمِ انسانیت کے خلاف ہے۔ لہذا کسی بھی انسان کے جسم کے ساتھ کسی دوسرے انسان خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم کے اعضاء کی پیوندکاری جائز نہیں۔

معطی زندہ ہو یا مردہ انسانی اعضاء کی پیوندکاری حرام ہے

اس وقت انسانی دل، گردہ اور آنکھ کے قرینہ کی پیوندکاری کی جارہی ہے اس عمل میں دو احتمال ہیں۔

(۱) عطیہ دینے والا کوئی زندہ شخص ہو (جیسے ایک گردہ کا عطیہ کرنے کی

صورت میں ہوسکتا ہے)　　　(۲) عطیہ دینے والا مردہ ہو۔

جہاں تک زندہ کا تعلق ہے تو انسان کے اعضاء واجزاء انسان کی اپنی ملکیت نہیں ہیں جن میں وہ مالکانہ تصرف کر سکے کہ ایک انسان اپنی جان یا اپنے اعضاء وجوارح کو نہ بیچ سکتا ہے نہ کسی کو ہدیہ اور ہبہ کے طور پر دے سکتا ہے۔ اور نہ ان چیزوں کو اپنے اختیار سے ہلاک وضائع کرسکتا ہے۔ صرف زندہ انسان کے کارآمد اعضاء ہی کا نہیں بلکہ قطع شدہ بیکار اعضاء واجزاء کا استعمال بھی حرام ہے۔

جہاں تک مردہ کا تعلق ہے تو جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے مردہ انسان کے کسی عضو کی قطع وبرید بھی جائز نہیں ہے اس معاملے میں کسی کی اجازت اور رضامندی سے بھی اسکے اعضاء واجزاء کے استعمال کی اجازت نہیں ہے اس میں مسلم وکافر سب کا حکم یکساں ہے کیونکہ یہ یعنی تکریم، انسانیت کا حق ہے جو سب میں برابر ہے۔

شرح ,,سیر کبیر،، میں ہے آدمی اپنی موت کے بعد بھی اتنا ہی قابل احترام ہوتا ہے جتنا کہ اپنی زندگی میں ہوتا ہے لہذا جسطرح زندہ آدمی کے کسی عضو وجز سے اسکی تکریم کی بنا پر مداوات جائز نہیں ہے اسی طرح مردہ کی ہڈی کے ساتھ تداوی جائز نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

,,کسر عظم المیّت ککسر عظم الحی،،۔

,,مردہ کی ہڈی توڑنا اور نکالنا ایسا ہی ہے جس طرح زندہ کی ہڈی توڑنا ونکالنا ہے،،۔

انسان کے بالوں سے بھی انتفاع جائز نہیں ہے رسول اللہ ﷺ کی حدیث میں ہے۔

,,لعن اللہ الواصلة والمستوصلة،،

(اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی) ایک انسان کے دوسرے کے سر میں) بال لگانے والی اور لگوانے والی پر۔

ایک عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور کہا کہ یارسول اللہ! ﷺ میری بیٹی کو بخار آیا جس سے اس کے سر کے بال اڑ گئے تو کیا میں اسکے سر میں دوسرے انسان کے بال لگادوں تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دوسرے کے بال لگانے والی اور لگوانے والی پر (اللہ کی) لعنت ہے۔ لہذا مصنوعی بنے ہوئے اعضاء سے فائدہ اٹھانا چاہیے اور ضرورت کے مطابق اس میں ترقی کی سعی کرنی چاہیے۔

(مریض و معالج کے اسلامی احکام ص ۱۷۳ مطبوعہ دیال سنگھ لائبریری لاہور)

انسانی جسم و اعضاء کا احترام ضروری ہے

انسان کے جسم و اعضاء کی عزت و عظمت، حرمت و تقدس کا لحاظ ہر حال میں ضروری ہے چاہے انسان زندہ ہو یا مردہ۔ مسلمان ہو یا کافر، مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام اللہ تعالیٰ نے اسے شانِ تکریم سے نوازا ہے کسی بھی شخص کو اپنی زندگی میں رضا کارانہ طور پر اپنے کسی عضو کو کسی بھی مریض کو دینے کی اجازت نہیں ہے۔ اور نہ ہی اپنے اعضاء کی وصیت کی اجازت اسلام نے دے رکھی ہے۔

علامہ سعیدی ''شرح صحیح مسلم'' میں مفتی محمد شفیع کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

آج کل ہسپتالوں میں دو مسئلے پیش آرہے ہیں جس کے لئے اپیلیں کی جارہی ہیں وہ یہ کہ انسان دنیا سے جارہا ہے خواہ کسی عارضہ کے سبب یا کسی جرم میں قتل کئے جانے کی وجہ سے، اسکی اجازت اس پر لی جائے کہ مرنے کے بعد اسکا فلاں

عضو قطع کرلیا جائے اور کسی دوسرے انسان میں لگایا جائے، یہ صورت بظاہر مفید ہی مفید ہے کہ مرنے والے کے سارے ہی اعضاء فنا ہونے والے ہیں ان میں سے کوئی عضو اگر کسی زندہ انسان کے کام آجائے اور اسکی مصیبت کا علاج بن جائے تو اس میں کیا حرج ہے؟ یہ ایسا معاملہ ہے کہ عام لوگوں کی نظر صرف اسکے مفید پہلو پر جم جاتی ہیں اور اسکے وہ مہلک نتائج نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں اگر یہ طریق علاج رواج پا گیا تو اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ غریب انسان کی آنکھیں اور گردے؛ اور دوسرے اعضاء ایک بکاؤ مال کی طرح بازار میں بکا کریں گے اگر یہ چیزیں بھی بکاؤ مال بن گئیں تو بہت سے غریب اپنے بچوں کی مصیبت دور کرنے کیلئے اپنی یہ چیزیں بھی داؤ پر لگا دیں گے پھر یہ بگاڑ صرف یہیں نہیں رکے گا کہ رضا کارانہ طور پر کسی انسان کے اعضاء واجزاء لئے جائیں بلکہ بہت سے مردے خصوصاً لاوارث مردے بہت سے اعضاء سے محروم ہو کر اس دنیا سے جایا کریں گے پھر کسی انسانی میت کی خیر نہیں یہ غسل وکفن اور نماز جنازہ اور کفن دفن کے سارے قصے ہی بے باق ہو جائیں گے اور خدانخواستہ یہ سلسلہ بڑھتا رہا تو صرف طبعی موت سے مرنے والوں تک نہیں رکے گا بلکہ اس کام کیلئے بازارِ قتل گرم ہو جانا بھی ممکن ہے۔ مگر شریعت اسلام نے جو انسان اور انسانیت کے ظاہری اور معنوی صلاح وفلاح کی ضامن ہے اس کیلئے خطرناک اور مہلک نتائج سے صرف نظر اور صرف ظاہری فائدہ کی بنا پر اسکی اجازت دیدینا ممکن نہیں۔ شریعت اسلام نے صرف زندہ انسان کے کارآمد اعضاء ہی کا نہیں بلکہ قطع شدہ بے کار اعضاء واجزاء کا استعمال بھی حرام قرار دیا ہے اور مردہ انسان کے کسی عضو کی قطع وبرید کو بھی ناجائز کہا ہے اس معاملہ میں کسی کی اجازت ورضامندی سے بھی اسکے اعضاء واجزاء

کے استعمال کی اجازت نہیں دی اور اس میں مسلم و کافر سب کا حکم یکساں ہے کیونکہ یہ انسانیت کا حق ہے جو سب میں برابر تھے۔ تکریم انسانیت کو شریعت نے وہ مقام عطا کیا ہے کہ کسی وقت کسی کی جان کو انسان کے اعضاء واجزاء حاصل کرنے طمع دامن گیر نہ ہو اور اس طرح یہ مخدومِ کائنات اور اسکے اعضاء عام استعمال ہونے والی چیزوں سے بالاتر رہیں جن کو کانٹ چھانٹ کر یا کوٹ پیس کر غذاؤں، دواؤں اور دوسرے مفادات میں استعمال کیا جاتا ہے اس پر آئمہ اربعہ اور پوری امت کے فقہاء متفق ہیں اور نہ صرف شریعتِ اسلام بلکہ شرائع سابقہ اور تقریباً ہر مذہب وملت میں یہی قانون ہے۔

(شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۴۴ مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور)

زندہ انسان کی نسبت مردہ انسان کے جسم واعضاء میں احتیاط کی ضرورت زیادہ ہے

انسانی جسم واعضاء کی تکریم وحرمت کا لحاظ جس طرح حینِ حیات ضروری ہے اسی طرح بعد از وفات بھی ضروری ہے بلکہ وفات کے بعد زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے اسلئے کہ بعد از وفات بھی انسان کے جسم وروح کا تعلق آپس میں رہتا ہے اسکے اعضاء کی قطع و برید اور چیر پھاڑ سے جس طرح اسے زندگی میں تکلیف ہوتی ہے مرنے کے بعد بھی اسی طرح تکلیف ہوتی ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

,,کسر عظم المیّت ککسرہ حیًّا،،

(مشکل الاثار ج ۲ ص ۱۰۸ مطبوعہ بیروت)

,,کہ مردہ انسان کی ہڈی کو توڑنا زندہ انسان کی ہڈی توڑنے کی طرح ہے،،

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس مختصر اور جامع جملے سے جہاں احترامِ انسانیت اور میت کے ساتھ نرمی کا درس ملتا ہے وہاں یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ جس طرح زندہ انسان کی ہڈی توڑنے سے اسے تکلیف ہوتی ہے ایسے ہی مردہ انسان کی ہڈی توڑنے سے مردہ انسان کو تکلیف ہوتی ہے۔ جب زندہ انسان کو کسی بھی طراح سے تکلیف دینا جائز نہیں تو مردہ انسان کو تکلیف دینا بدرجہ اولیٰ جائز نہیں۔ اسلئے کہ زندہ انسان کو اگر تکلیف دی جائے مثلاً اسکے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں یا کسی اور طرح سے اسے تکلیف دی جائے تو اس سے عفو در گذر کی توقع کی جا سکتی ہے لیکن مردہ انسان دنیا سے رخصت ہو گیا دنیا کے تمام تر معاملات اسکے دامن سے چھوٹ گئے عالمِ برزخ کا مسافر بن گیا اس سے عفو در گذر کی امید ختم ہو جاتی ہے اب اگر کوئی شخص اسکے جسم و اعضاء کی چیر پھاڑ یا قطع و برید کر کے اسے تکلیف و ایذا پہنچائے تو اسکی معافی کی امید ختم ہو جائیگی۔ لہذا زندہ انسان کی نسبت مردہ انسان کے جسم و اعضاء میں زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

وفات کے بعد جسم و روح کا تعلّق

انسان کی روح جس وقت قفسِ عنصری سے پرواز کرتی ہے تو ایسا نہیں ہوتا کہ اسکا تعلق جسمِ انسانی سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے منقطع ہو جاتا ہے۔ بلکہ وہ جہاں کہیں بھی ہو اسکا تعلق جسمِ انسانی کے ساتھ رہتا ہے۔ مرنے کے بعد روح و جسد کے تعلق پر کتب احادیث میں بیسیوں احادیث موجود ہیں۔ دعویٰ کے اِثبات کیلئے چند احادیث لکھ دیتا ہوں

(۱) قال حدثنا سعید عن ابیه انه سمع اباسعید الخدری قال

کان النبی ﷺ یقول اذا وضعت الجنازۃ واحتملھا الرجال علی اعناقھم فان کانت صالحۃً قالت قدمونی وان کانت غیر صالحۃ قالت لاھلھا یاویلھا این تذھبون بھا یسمع صوتھا کل شیء الا الانسان ولو سمع الانسان لصعق۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷۶ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند کیساتھ حضرت سعید مقبری کے باپ کیسان سے روایت کرتے ہیں انہوں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ نبی اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے۔جب جنازے کو (چارپائی پر) رکھ کر لوگ قبرستان کی طرف لے جاتے ہیں تو میت اگر مومن وصالح ہوتو وہ کہتی ہے مجھے جلدی لے جاؤ اور اگر میت غیر صالح ہوتو وہ اپنے ساتھ چلنے والوں کو کہتی ہے ہلاکت ہو تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو میت کی اس آواز انسان کے علاوہ ہر شے سنتی ہے اگر انسان میت کی چیخ وپکار کو سن لے تو وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

اس حدیث پاک سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد جسم وروح کا تعلق باقی رہتا ہے اگر یہ تعلق نہ ہوتا تو مومن وصالح میت یہ نہ کہتی کہ مجھے جلدی لے جاؤ اور غیر صالح میت چیخ وپکار نہ کرتی۔

میّت کو غسل دیتے وقت پردے کا حکم

جس طرح انسان کی زندگی میں اسلام نے قابل ستر اعضاء کو باپردہ کرنے کا حکم دے رکھا ہے اسی طرح بعد از وفات بھی میّت کے قابل ستر اعضاء کو باپردہ کرنے

کا حکم دیا ہے حتی کہ غسل دیتے وقت بھی قابل ستر اعضاء کو برہنہ اور ننگا کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

ملک العلماء علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی رحمۃ اللہ علیہ "بدائع الصنائع" میں لکھتے ہیں۔

,,وتستر عورته بخرقة لان حرمة النظر الى العورة باقية بعدالموت قال النبي ﷺ لا تنظروا الى فخذ حيّ ولا ميّت ولهذا لا يباح للاجنبي غسل الاجنبية دل عليه مروىّ عن عائشة انها قالت كسر عظم الميّت ككسره وهو حيّ ليعلم انّ الآدمى محترم حيّاً و ميتاً و حرمة النظرالى العورة من باب الاحترام،،

(بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۰۰ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

اور میت کی شرمگاہ کو کسی کپڑے کے ٹکڑے سے ڈھانپا جائے اس لئے کہ شرم گاہ کی طرف دیکھنے کی حرمت موت کے بعد بھی باقی رہتی ہے نبی ﷺ نے فرمایا زندہ اور مردہ انسان کی ران کی طرف نہ دیکھو۔ اسی وجہ سے اجنبی مرد کا اجنبیہ عورت کو غسل دینا جائز نہیں۔ اس پر دلیل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث ہے۔ فرماتی ہیں مردہ انسان کی ھڈی کو توڑنا ایسے ہی ہے جیسے زندہ انسان کی ھڈی کو توڑنا۔ (اور یہ ستر کا حکم اسلئے ہے) تاکہ معلوم ہو جائے کہ آدمی موت وحیات ہر دو حالتوں میں قابل احترام ہے۔ اور شرمگاہ کی طرف نظر کی حرمت، بابِ احترام ہے۔

علامہ کاسانی کی عبارت سے معلوم ہوا کے مردہ انسان زندہ انسان کی طرح محترم ومکرم ہے۔ جس طرح احترام کے پیش نظر زندہ انسان کے قابل ستر اعضاء کو دیکھنا حرام

ہے۔اسی طرح مردہ انسان کے احترام کی خاطر اسکے قابلِ ستر اعضاء کی طرف نظر کرنا بھی حرام ہے۔

مردہ تجہیز و تکفین کرنے والوں کو پہچانتا ہے

مردہ انسان تجہیز و تکفین کرنے والوں کو پہچانتا ہے۔متعدد احادیث اس پر شاہد ہیں۔

(۱) عن ابی سعید الخدری ان نبیّ اللّٰہ ﷺ قال المیت یعرف من یغسله ومن یحمله ومن یدفنه ومن یدلیه فی حضرته۔

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح ج ٤ ص ١١٦ مطبوعه مکتبه رشیدیه کوئٹه)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا مرنے والا غسل دینے والوں، اٹھانے والوں اور کفن پہنانے والوں اور قبر میں رکھنے والوں کو پہچانتا ہے۔

(۲) عن عمرو بن دینار انّه قال ما من میت یموت الّا وھو یعلم ما یکون فی اھله بعده، وانّھم لیغسلونه ویکفنونه وانه لینظر الیھم۔وصح عن مجاھد انه قال۔ ان الرجل لیبشر فی قبرہ بصلاح ولده من بعده

(کتاب الروح لابن قیم ص ١٦ مطبوعه بیروت)

حضرت عمرو بن دینار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں نہیں ہے کوئی میت جو مر جائے مگر وہ جانتا ہے اس کے بعد جو اس کے اہل میں ہو رہا ہے حالانکہ لوگ اسے غسل دے رہے ہوتے ہیں اور اسے کفن دے رہے ہوتے ہیں اور وہ

ان کی طرف دیکھ رہا ہوتا ہے۔ حضرت مجاهد فرماتے ہیں کہ بے شک مرد اپنی قبر میں اپنے بعد اپنی اولاد کی صلاح ودرستگی کی وجہ سے خوش ہوتا ہے۔

میّت کا تجہیز وتکفین کرنے والوں کو دیکھنا اور پہچاننا اور اپنی اولاد کی صلاح و درستگی کی وجہ سے خوش ہونا اس بات کی روشن دلیل ہے کہ بعد از وفات بھی جسم وروح کا تعلق باقی رہتا ہے۔ اگر یہ تعلق نہ ہوتا تو میت کو یہ پہچان اور معرفت ہرگز نہ ہوتی۔

مردہ عزیز واقارب کے اعمال صالحہ پر خوش ہوتا ہے

مردہ اپنے عزیز واقارب کے اچھے اعمال پر خوش ہوتا ہے اور برے اعمال ہوں تو اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی دعا کرتا ہے۔

(۱) عن انس قال رسول اللہ ﷺ انّ اعمالکم تعرض علیٰ اقاربکم وعشائر کم فان کان خیرا استبشروا وان کان غیر ذالك قالوا اللّٰھم لاتمتھم حتی تھدیھم کماھدیتنا۔

(مسند امام احمد بن حنبل ج۱ ص ۶۴۳ مطبوعہ بیروت)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے اعمال تمہارے عزیز واقارب پر پیش کئے جاتے ہیں اگر اچھے ہوں تو وہ خوش ہوتے ہیں اگر اسکے علاوہ ہوں یعنی برے ہوں تو وہ دعا کرتے ہیں اے اللہ! تو انہیں اس وقت تک نہ مارنا جب تک انہیں ایسی ہدایت نہ دیدے جیسی ہدایت تو نے ہمیں دی ہے۔

(۲) عن ابی ایوب قال تعرض اعمال الاحیاء علی الموتیٰ فاذا رأوا حسناً فرحوا واستبشروا وان رأو سوءً قالوا اللّٰھم راجع به وذکر

ابن ابی الدنیا عن احمد بن ابی الحواری قال حدثنی محمد اخی قال دخل عباد ابن عباد علیٰ ابراھیم صالح وھو علیٰ فلسطین فقال عظنی، قال بم اعظك اصلحك الله ؟ بلغنی ان اعمال الا حیاء تعرض علیٰ اقاربھم الموتیٰ فانظر ما یعرض علیٰ رسول الله ﷺ من عملك فبکیٰ ابراھیم حتی اخضلّت لحیتة۔

(کتاب الروح لا بن قیم ص ۱۰ مطبوعه بیروت)

حضرت ابوایوب سے روایت ہے فرماتے ہیں زندوں کے اعمال مردوں پہ پیش کئے جاتے ہیں جب وہ انہیں اچھے دیکھیں تو خوش ہوتے ہیں اور اگر برے ہوں تو کہتے ہیں اے اللہ! اسے واپس پلٹادے۔

اور ابنِ ابی الدنیا نے احمد بن ابی الحواری سے روایت کیا۔وہ فرماتے ہیں مجھے میرے بھائی محمد نے بیان کیا کہ عباد بن عباد، ابراھیم بن صالح کے پاس آئے اور وہ فلسطین میں تھے اس نے کہا کہ مجھے وعظ کریں تو حضرت ابراھیم بن صالح نے کہا میں تجھے کیا وعظ کروں اللہ تیری اصلاح کرے؟ مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ زندوں کے اعمال انکے اقارب موتیٰ پر پیش کئے جاتے ہیں۔تو دیکھ اپنے اس عمل کو جو رسول اللہ ﷺ پر پیش کیا جائے گا۔حضرت ابراھیم رو پڑے حتیٰ کہ انکی داڑھی تر ہوگئی۔

ان دونوں روایتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد بھی جسم و روح کا تعلق باقی رہتا ہے۔

روح کا جسم کے ساتھ تعلّق کلی طور پر رہتا ہے

حضرت ملاّ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح" میں کافر و مومن کی روح پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

وتکون دائماً محبوسة فی اسفل السافلین بخلاف روح المؤمنین فانها تسیر فی ملکوت السّماء والارض وتسرح فی الجنة حیث تشاء وتأوی الیٰ قنادیل تحت العرش ولها تعلّق بجسده ایضاً تعلّقاً کلیّاً بحیث یقرأ القرآن فی قبره ویصلّی ویتنعّم وینام کنوم العروس وینظر الیٰ منازله فی الجنة بحسب مقامه ومرتبته۔

(مرقاۃ المفاتیح ج ٤ ص ٨٦ مطبوعه مکتبه رشیدیه کوئٹه)

کفار کی ارواح اسفل السافلین میں قید ہوتی ہیں۔ بخلاف مومنین کی ارواح کے وہ آسمان و زمین کی بادشاہی میں سیر کرتی ہیں اور جنت میں جاتی ہیں جہاں چاہتی ہیں اور عرش کی قندیلوں کی طرف آتی ہیں۔ نیز ان کا تعلق اپنے جسم کے ساتھ کلی طور پر ہوتا ہے اس حیثیت سے کہ مرنے والا اپنی قبر میں قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے ،نماز پڑھتا ہے، راحت محسوس کرتا ہے، دلہن کی طرح سوتا ہے۔ جنت میں اپنے مقام و مرتبے کے اعتبار سے اپنے منازل کو دیکھتا ہے۔

حضرت ملاّ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ آگے مزید لکھتے ہیں۔

قال العسقلانی فی فتاویه ارواح المؤمنین فی علیّین وارواح الکفار فی سجین ولکل روح بجسدها اتصال معنوی لایشبه الاتصال فی الحیاة الدنیا بل اشبه به حال النائم وان کان هو اشد من حال النائم

اتصالا وبھذا یجمع بین ما ورد ان مقرھا فی علیین او سجین وبین مانقلہ ابن عبد البر عن الجمھور انھا عند افنیة قبورھا قال ومع ذالك فھی ماذون لھا فی التصرف وتأوی الیٰ محلھا من علیین او سجین قال و اذا نقل المیت من قبر الیٰ قبر فالاتصال المذکور مستمر و کذالو تفرقت الاجزاء۔

(مرقاۃ المفاتیح ج ٤ ص ٩٢ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

علامہ عسقلانی نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا۔ مومنین کی ارواح علّیین میں ہیں اور کفار کی سجّین میں اور ہر روح کو اپنے جسم کے ساتھ معنوی اتصال (تعلق) حاصل ہے ۔جو کہ حیاتِ دینویہ کے مشابہ نہیں بلکہ اسکے مشابہ ترین حالت صرف حالت نیند ہے اگرچہ موت کے بعد روح کا اتصال بدن کے ساتھ اس حالت سے قوی ہے اور اسی قول (یعنی اثبات اتصال معنوی) سے ہی اس اختلاف کو دور کیا جاسکتا ہے جو روایات اور ابن عبدالبر کے قول میں ہے۔ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ارواح کا محل علّیین یا سجّین ہے اور ابن عبدالبر نے جمہور سے یہ نقل کیا ہے کہ ارواح قبور کے احاطہ وصحن میں ہوتے ہیں ارواح کو علّیین یا سجّین میں ہونے کے باوجود کائناتِ ارضی میں تصرّف اور آمدورفت کی اجازت ہے اور پھر اپنے محل ومستقر علّیین وسجّین میں جاگزیں ہونے کی بھی اجازت ہے۔ جب میت کو ایک قبر سے دوسری قبر کی طرف منتقل کیا جائے تو بھی یہ اتصال (تعلق) برقرار رہتا ہے اور اگر اجزاء کی ترکیب ختم ہوجائے تو بھی یہ تعلق واتصال باقی رہتا ہے۔

حضرت ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے بخوب واضح ہوگیا کہ میت کے جسم کے ساتھ روح کا تعلق ہر حال رہتا ہے۔

اسلام میں احترامِ میّت کی تاکید

اسلام میں جہاں زندہ انسان کے احترام کی تاکید کی گئی ہے وہاں مردہ انسان کے احترام کو بھی ضروری ولازمی قرار دیا ہے۔ تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مسلمان کی عزت وحرمت موت وحیات ہر دو حالتوں میں برابر ہے۔

محقق علی الاطلاق علامہ ابنِ ہمام رحمۃ اللہ علیہ "فتح القدیر" میں لکھتے ہیں۔

,,الاتفاق علیٰ انّ حرمة المسلم میتاً کحرمته حیّ،،

(فتح القدیر ج ۲ ص ۱۰۲ مطبوعه مکتبه نوریه رضویه سکھر)

اس بات پر اتفاق ہے کہ مردہ مسلمان کی عزت وحرمت زندہ مسلمان کی طرح ہے۔

احادیث وآثار کا مطالعہ کرنے سے میت کے احترام کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے۔

میّت کو عمدہ کفن پہنانے کا حکم

عن جابر رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ ﷺ اذا کفّن احد کم فلیحسن کفنه رواہ مسلم

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۴۳ مطبوعه قدیمی کتب خانه کراچی)

جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو کفن پہنائے تو اسے چاہیے کہ عمدہ کفن پہنائے۔

حضرت ابن عدی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔

,,احسنوا اکفان موتاکم فانّهم یتزاورون فی قبورهم،،۔

(مرقاۃ المفاتیح ج ٤ ص ۱۰۵ مطبوعه مکتبه رشیدیه کوئٹه)

اپنے موتی کو اچھے کفن پہناؤ کیونکہ وہ اپنی قبور میں ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں۔

,,درمختار،، میں ہے۔

ویحسن الکفن لحدیث ((حسّنوا اکفان الموتیٰ فانھم یتزاورون فیما بینھم ویتفاخرون بحسن اکفانھم))

(الدر المختار مع ردّالمحتار ج ۳ ص ۱۱۳ مطبوعه مکتبه حنفیه کوئٹه)

میت کو اچھا کفن پہنایا کرو کیونکہ حدیث پاک میں ہے اموات کو اچھا کفن پہناؤ کیونکہ وہ باہم ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں اور اپنے کفنوں کی اچھائی پر فخر کرتے ہیں۔

علامہ السید امین ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ (یتفاخرون) کی مراد کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

قولہ (ویتفاخرون) المراد به الفرح والسرور حیث وافق السنّة والزیارة وان کانت للرّوح لکن للرّوح نوع تعلّق بالجسد۔

(ردّالمحتار علی الدّرالمختار ج ۳ ص ۱۱۳ مطبوعه مکتبه حنفیه کوئٹه)

باہمی فخر سے مراد فرحت وسرور ہے جبکہ وہ کفن سنت کے مطابق ہو (یہاں یہ وہم پیدا ہوسکتا تھا کہ زیارت کرنا ارواح کا فعل ہے اور کفن بدن کیلئے ہوتا ہے نہ کہ روح اس میں ملفوف ہوتی ہے۔لہذا اچھے کفنوں کی بناپر ارواح میں فخر کا کیا مطلب ہوسکتا ہے؟ تو علامہ شامی نے اس کا ازالہ کرتے ہوئے فرمایا) زیارت اگرچہ روح کا فعل ہے لیکن روح کا جسم کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔



جنازے کے استقبال کے لئے کھڑا ہونے کا حکم

(۱) عن عامر بن ربیعة عن النبی ﷺ قال اذا رأیتم الجنازة فقوموا حتی تخلفکم

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۷۵ مطبوعه قدیمی کتب خانه کراچی)

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ حتی کہ جنازہ تم کو پیچھے چھوڑ جائے۔

حضرتِ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

قال القاضی الامر بالقیام اما الترحیب المیّت و تعظیمه و اما التهویل الموت و تفظیعه۔

(مرقاة المفاتیح ج٤ ص ۱۱۷ مطبوعه مکتبه رشیدیه کوئٹه)

قاضی بیضاوی فرماتے ہیں قیام کا حکم یا تو میت کی ترحیب و تعظیم کیلئے ہے یا موت کی تحویل و تفظیع کیلئے۔

اہل قبور کو سلام کرنے کا حکم

عن بریدة قال کان رسول اللّٰه ﷺ یعلّمهم اذا خرجوا الی المقابر السّلام علیکم اهل الدّیار من المؤمنین و المسلمین انّا ان شاء اللّٰه بکم للاحقون نسأل الله لنا ولکم العافیة۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۱٤۔مشکوٰة المصابیح ص ۱۵٤ مطبوعه قدیمی کتب خانه کراچی)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں جب صحابہ کرام

قبرستان کی طرف نکلتے تو رسول اللہ ﷺ انہیں (یہ دعا) سکھایا کرتے تھے ۔السّلام علیکم اھل الدیار الخ۔ اے مومنین و مسلمین کے گھر والو! تم پر سلامتی ہو۔ انشاء اللہ ہم تم سے ملنے والے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور تمہارے لئے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

ملاّ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

ولا فرق من حیث الخطاب بین تقدّمه وتأخرہٖ علیٰ ان الصواب ان المیّت اھل للخطاب مطلقاًلماسبق من حدیث ـمامن احدیمر بقبر اخیه المؤمن یعرفه فی الدنیافیسلّم علیه الّا عرفه وردّعلیه السّلام ـ

(مرقاۃ المفاتیح ج٤ ص ٢١٨ مطبوعه مکتبه رشیدیه کوئٹه)

صیغۂ خطاب کے تقدم وتاخر میں کوئی فرق نہیں (یعنی اھل قبور کو مخاطب کرتے السلام علیکم یا علیکم السلام کہنے میں کوئی فرق نہیں) کیونکہ میت خطاب کا مطلقاً اہل ہے۔ کیونکہ حدیث پاک میں یہ بات گذر چکی ہے کہ جو شخص اپنے مومن بھائی کی قبر کے پاس سے گذرے اور صاحبِ قبر اسے دنیا میں جانتا ہو گذرنے والا) اس پر سلام کرے تو صاحبِ قبر اسے پہچان لیتا ہے اور سلام کا جواب دیتا ہے۔

علاّمہ ابنِ قیّم ''کتاب الرّوح'' میں لکھتے ہیں۔

ویکفی فی هذا تسمیة المسلّم علیهم زائراً ولولا انهم یشعرون به لماصحّ تسمیته زائراً فانّ المزور ان لم یعلم بزیارۃ من زارہ لم یصحّ ان یقال زارہ، هذا هو المعقول من الزیارۃ عند جمیع الأمم و کذالك السّلام علیهم

ایضاً فانّ السّلام علیٰ من لا یشعر و لا یعلمبالمسلّم محال و قد علّم النّبی ﷺ امته اذا زارو القبور ان یقولوا ((سلام علیکم اهل الدّیار من المومنین والمسلمین وانّا ان شاء اللّٰه بکم لا حقون، یر حم اللّٰه المستقدمین منّا و منکم والمستأخرین نسأل اللّٰه لنا ولکم العافیة))

وهذا السّلام و الخطاب و النداء لموجود یسمع و یخاطب و یعقل و یرّد وان لّم یسمع المسلّم الردّ واذا صلّی الرّجل قریباً منهم شاهدوه وعلموا صلاته و غبطوه علی ذالكٰ۔

(کتاب الرّوح لا بن القیّم ص ۱۰ مطبوعه بیروت)

(اس مسئلہ کے ثبوت کیلئے) اہل قبور کو سلام کرنے والے کا نام زائر رکھنا کافی ہے۔ اگر قبر والے اس کو نہ پہچانتے تو اس کا نام زائر رکھنا درست نہ ہوتا۔ کیونکہ مزور (جس کی زیارت کی جائے یعنی قبر والا) اگر زیارت کرنے والے کی زیارت کو نہ جانتا ہو تو "زارہ" کہنا (اس نے زیارت کی) صحیح نہ ہوتا تمام امم کے نزدیک زیارت کا یہ مفہوم ہے۔ اسی طرح ان پر سلام کرنا بھی (اس بات کی دلیل ہے کہ اہلِ قبور کو شعور ہے) کیونکہ جس کو شعور نہ ہو اور سلام کرنے والے کے سلام کو نہ جانتا ہو اس پر سلام کرنا محال ہے حالانکہ نبی ﷺ نے اپنی کو یہ تعلیم دی ہے کہ جب وہ قبور کی زیارت کریں تو کہیں سلام علیکم اهل الدّیار الخ اے مومنین و مسلمین کے دیار والو! تم پر سلام ہو ہم انشاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں اللہ ہم سے اور تم سے پہلے جانے والوں اور بعد میں جانے والوں پر رحم فرمائے ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور تمہارے لئے عافیت کا

سوال کرتے ہیں۔ یہ سلام، خطاب، اور نداء ایسے موجود کے لئے ہے جو سنتا ہے، مخاطب ہوتا ہے، سمجھتا ہے اور سلام کا جواب دیتا ہے اگرچہ سلام کرنے والا جواب کو نہیں سنتا۔

علاّمہ ابنِ قیم مزید نقل کرتے ہیں۔

قال سليمان بن نعيم رأيت النبیّ ﷺ فی النّوم فقلت يا رسول اللّٰه هؤ لاء الذّين يا تو تك ويسلمون عليك اتفقهه منهم؟ قال نعم وارد عليهم قال و كان ﷺ يعلّمهم ان يقولوا اذا دخلوا المقابر السّلام عليكم اهل الدّيار الحديث قال۔ وهذا يدلّ علىٰ ان الميّت يعرف سلام من يسلّم عليه و دعاء من يدعو له۔

(كتاب الرّوح ص ١٥ مطبوعه بيروت)

سلیمان بن نعیم فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کی خواب میں زیارت کی تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ﷺ یہ لوگ جو آپ کی بارگاہ میں آتے ہیں اور آپ کی بارگاہ میں سلام عرض کرتے ہیں کیا آپ ان کے سلام کو سمجھتے ہیں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں میں ان کا جواب بھی دیتا ہوں۔ ابو حافظ فرماتے ہیں نبی ﷺ لوگوں کو تعلیم دیتے تھے کہ جب وہ قبرستان میں داخل ہوں تو کہیں السّلام علیکم اهل الدّیار۔ الحدیث

فرماتے ہیں کہ یہ (تعلیم) اس بات کی دلیل ہے کہ میّت کو جو سلام کرے وہ اس کے سلام کو پہچانتا ہے اور جو میّت کے لئے دعا کرے وہ اس کی دعا کو پہچانتا ہے۔

علاّمہ ابن قیم ارواح کے بارے میں لکھتے ہیں۔

انّ للرّوح شان آخر تكون فی الرّفيق الاعلیٰ فی اعلیٰ علّيين

ولهااتصال بالبدن بحيث اذاسلّم المسلِّم على الميّت ردّالله عليه روحه فيردّعليه السّلام وهى فى الملأالاعلىٰ وانمايغلط اكثرالناس فى هذاالموضع حيث يعتقدون انّ الروح من جنس مايعهدمن الاجسام الّتى اذااشتغلت مكاناًلم يمكن ان تكون فى غيره وهذاغلط محض بل الروح تكون فوق السموات فى اعلىٰ علّيّين وتردّالى القبرفتردّالسّلام وتعلم بالمسلِّم وهى فى مكانها

(کتاب الرّوح لابن قیّم ص ۱۲۶ مطبوعه بیروت)

روح کی شان وحالت اجسام سے مختلف ہے وہ رفیق اعلیٰ ملاءِ اعلیٰ (گروہ مقربین یا حضرت حق جلّ وعلیٰ) میں ہوتی ہے اور اسے بدن کے ساتھ ایسا اتصال وتعلق حاصل ہوتا ہے کہ جب بھی سلام دینے والا قبر پر سلام دیتا ہے اللہ تعالیٰ اسکی روح کواسکی طرف متوجہ فرماتا ہے یہ روح سلام کا جواب دیتا ہے باوجود یہ کہ وہ ملاء اعلیٰ میں ہوتا ہے۔ اکثر لوگ اس مقام پر غلطی اسلئے کھاتے ہیں کہ روح کواجسام کے احوال پر قیاس کر لیتے ہیں جو کہ ایک مکان میں موجود ہے تو دوسرے مکان میں نہیں۔ یہ قیاس غلط محض ہے بلکہ روح ساتوں آسمانوں سے اوپر اعلیٰ علیین میں ہوتا ہے اور قبر کی طرف بھی متوجہ ہوتا ہے۔ سلام کا جواب دیتا ہے اور سلام دینے والے کو پہچانتا ہے باوجود یہ کہ وہ اپنے مقام میں بھی ہوتا ہے۔

علامہ ابن قیم کی اس عبارت سے آفتابِ ماہتاب سے بھی زیادہ واضح وروشن ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد جسم وروح کا تعلق واتصال باقی رہتا ہے۔

قبر والا اپنے زائرین کو پہچانتا اور ان کے سلام کا جواب دیتا ہے

متعدد احادیث سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کی انسان مرنے کے بعد بالکل ہی بے حس نہیں ہو جاتا بلکہ اللہ تعالیٰ اس کی روح کا تعلق اس کے جسم کے ساتھ باقی رکھتا ہے جس کی وجہ سے وہ کلام سنتا ہے۔ زائرین کو پہچانتا ہے، سلام کا جواب دیتا ہے، اپنے عزیز و اقارب کے آنے کی وجہ سے خوش ہوتا ہے۔

علامہ ابن قیم " کتاب الروح " میں متعدد احادیث نقل کرتے ہیں۔ مسئلہ کی وضاحت کے لئے چند احادیث نقل کر دیتے ہیں۔

(۱) قال ابن عبد البر۔ ثبت عن النبی ﷺ انّه قال ((ما من مسلم یمرّ علیٰ قبر اخیه کان یعرفه فی الدّنیا فیسلّم علیه الّا ردّ اللّٰه علیه روحه حتّٰی یردّ علیه السّلام)) فھذا نصّ فی انه یعرفه بعینه و یردّ علیه السّلام۔

(کتاب الروح ص۷ مطبوعه بیروت)

ابن عبد البر کہتے ہیں کہ نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ نہیں ہے کوئی مسلمان جو اپنے اس بھائی کی قبر کے پاس سے گزرے کہ وہ اس اسے دنیا میں پہچانتا تھا، سلام کرے مگر اللہ تعالیٰ اس کی روح کو اس پر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ وہ قبر والا اسے سلام کا جواب دیتا ہے۔

یہ حدیث اس بات پر نص ہے کی میت (صاحب قبر) خاص اسے پہچانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

(۲) عن عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها قالت قال رسول اللّٰه ﷺ

((ما من رجل یزور قبر اخیہ ویجلس عندہ الّا استانس بہ وردّ علیہ حتّٰی یقوم))۔

(کتاب الروح ص۷ مطبوعہ بیروت)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایانہیں ہے کوئی مرد کہ جواپنے بھائی کی قبر کی زیارت کرتا ہےاس کے پاس بیٹھتا ہے مگر قبر والا اس سے مانوس ہوتا ہے۔اسکی باتوں کا جواب دیتا ہے یہاں کہ وہ کھڑا ہوجائے۔

(۳) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال اذا مرّ الرجل بقبر اخیہ یعرفہ فیسلّم علیہ ردّ علیہ السّلام وعرفہ واذا مرّ بقبر لا یعرفہ فیسلّم علیہ ردّ علیہ السّلام۔

(کتاب الروح ص۸ مطبوعہ بیروت)۔

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں جب مرد اپنے اس بھائی کی قبر کے پاس سے گزرے جسے وہ جانتا ہے سلام کرے تو صاحبِ قبر سلام کا جواب دیتا ہے اوراسے پہچان لیتا ہےاور جب اسکا گزر ایسی قبر کے پاس سے ہو کہ صاحبِ قبر کووہ نہیں پہچانتا سلام کرے تو صاحبِ قبر (صرف) سلام کا جواب دیتا ہے۔

(۴) حدّثنی عثمان بن سودۃ الطّفاوی قال، وکانت امّہ من العابدات وکان یقال لھا راھبۃ قال احتضرت رفعت رأسھا الی السّماء۔ فقالت یا ذخری و ذخیرتی و من علیہ اعتمادی فی حیاتی و بعد موتی لا تخذلنی عند الموت ولا توحشنی فی قبری قال فماتت فکنت آتیھا فی

کل جمعة فاد عولها و استغفر لها ولا هل القبور فرأيتها ذات يوم في منامي فقلت لها يا اماه كيف انت؟ قالت اى بنيّ ان للموت لكربة شديدة و اني بحمد الله لفى برزخ محمود نفترش فيه الريحان ونتوسّد فيه السندس والا ستبرق الىٰ يوم النشور فقلت لها الك حاجة؟ قالت نعم قلت و ما هى؟ قالت لا تدع ما كنت تضع من زيارتنا والدعاء لنا۔ فانى لا بشر بمجيئك يوم الجمعة اذا أقبلت من اهلك يقال لى يا راهبة هذا ابناك قد اقبل فأسرّ و يسرّ و يسر بذالك من حولى من الاموات۔

(كتاب الروح لا بن قيم ص ۹ مطبوعه بيروت)

حضرت عثمان بن سودہ الطفاوی بیان کرتے ہیں کہ ان کی والدہ عبادت گزار خواتین میں سے تھیں۔ انہیں راہبہ کہا جاتا تھا۔ جب موت کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھا کر کہا۔ اے میرے ذخر اور ذخیرہ! اے وہ ذات جس پر میری زندگی اور موت کے بعد اعتماد ہے تو مجھے موت کے وقت رسوا نہ کر اور میری قبر میں وحشت پیدا نہ کر۔ فرماتے ہیں کہ ان کا وصال ہو گیا۔ میں ہر جمعہ کو ان کی قبر پر آتا تھا اور ان کے لئے دعا کرتا تھا۔ ان کے لئے اور تمام اھل قبور کے لئے استغفار کرتا تھا۔ میں نے انہیں خواب میں ایک دن دیکھا۔ تو میں نے کہا اے امی جان! آپ کیسی ہیں؟ تو انہوں نے کہا اے میرے بیٹے موت کی وجہ سے سخت مصیبت ہے۔ اور الحمد للہ میں برزخ محمود میں ہوں ہم اس میں پھول کا بچھونا بچھاتے ہیں اور یوم نشور (قبر سے اٹھنے کے دن) تک سندس والاستبرق کے تکیے رکھتے ہیں۔ میں نے کہا کیا آپ کی کوئی حاجت ہے؟ تو انہوں نے کہا ہاں۔ میں نے کہا وہ کیا؟ تو

انہوں نے کہا جو تم ہماری زیارت کو آتے ہو اور ہمارے لئے دعا کرتے ہو اسے نہ چھوڑنا۔ جب تم اپنے اھل سے جمعہ کے دن آتے ہو تو تمہارے آنے کی وجہ سے خوش ہوتی ہوں مجھے کہا جاتا ہے اے راہبہ! یہ تیرا بیٹا آ گیا تو میں خوش ہو جاتی ہوں اور اس کی وجہ سے میرے اردگرد اموات بھی خوش ہو جاتے ہیں۔

ان تمام احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ روح کا جسم سے تعلق وفات کے بعد بھی باقی رہتا ہے اور انسان وفات کے بعد بھی اپنے عزیز و اقارب اور دوست احباب کے اسکی قبر پر آنے کی وجہ سے خوش ہوتا ہے۔

علامہ ابن قیم مزید لکھتے ہیں

والسّلف مجتمعون على هذا و قد تواترت الآثار عنهم بان الميّت يعرف زيارة الحيّ له و يستبشر به۔

(كتاب الروح ص ۷ مطبوعه بيروت)

اسلاف کا اس بات پر اجماع ہے اور ان سے آثار تواتر سے وارد ہیں کہ میت زندہ انسان کی زیارت کو پہچانتی ہے اور اس کی وجہ سے خوش ہوتی ہے۔

قبر پر بیٹھنے کی ممانعت

(۱) عن ابى هريرة قال قال رسول الله ﷺ لان يجلس احدكم على جمرة فتحرق ثيابه فتخلص الىٰ جلده خيرله من ان يجلس علىٰ قبر۔

(صحيح مسلم ج ۱ ص ۳۱۰ مطبوعه قديمى كتب خانه كراچى)

(شرح معانى الآثار ج ۱ ص ۳۲۹ مكتبه حقانيه ملتان)

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔تم میں سے کسی شخص کا آگ کے ایسے انگارے پر بیٹھنا کہ وہ انگارہ تمہارے کپڑوں کو جلا کر کھال تک پہنچ جائے یہ قبر پر بیٹھنے سے بہتر ہے۔

حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے قبر پر بیٹھے ہوئے دیکھا تو فرمایا:

,,انزل عن القبر لاتؤذصاحب القبر فلایؤذیك،،

(شرح معانی الآثار ج۱ ص ۳۲۹ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ ملتان)

,,قبر سے اترو صاحبِ قبر کو ایذا نہ دو کہ وہ تمہیں ایذا نہ دے گا،،۔

یعنی اس قبر والے کو تکلیف نہ دو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں اسکی وجہ سے اذیت و تکلیف دی جائے۔دوسری روایت میں ہے۔

"رأنی النبی ﷺ متکئاًعلیٰ قبر فقال لاتؤذصاحب ھذاالقبر اول اتؤذہ"۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۴۹ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

مجھے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک قبر کیساتھ ٹیک لگائے دیکھا تو فرمایا اس قبر والے کو اذیت نہ دو۔

شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ شرح میں فرماتے ہیں۔

,,شاید کہ مراد آنست کہ روحِ وے ناخوش می دارد و راضی نیست بہ تکیہ کردن برقبر وے جہت تضمن وے اہانت واستخفاف را بوئے،،۔

(اشعۃ اللمعات ج اص ۶۹۹ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

شاید مراد یہ ہے کہ اس کی روح ناراض ہوتی ہے اپنی قبر پر تکیہ لگانے کی وجہ

سے اہانت محسوس کرتی ہے۔

مجدد دین وملت امام احمد رضا خان بریلوی فرماتے ہیں۔

اقول ,,اس توجیہ پر امام علّامہ محدّث عارف باللہ حکیم الامّۃ سیّدی محمد بن علی ترمذی قدّس سرّہ نے جزم فرمایا اور تصریح فرماتے ہیں کہ ارواح کو ان کی بے حرمتی و تنقیص شان معلوم ہوتی ہے لہذا ایذاء پاتی ہیں،،۔

قال سیّدی عبدالغنی فی الحدیقة عن نوادرالاصول معناه انّ الارواح تعلم بالترك اقامة الحرمة وبالاستهانة فتتأذی بذالك

(حدیقةندیه ج۲ ص ۵۰۵ مطبوعه مکتبه نوریه رضویه فیصل آباد)

سیّدی عبدالغنی نے حدیقہ میں نوادر سے نقل کرتے ہوئے فرمایا اس کے یہ معنیٰ ہیں کہ ارواح اپنی اہانت وذلت محسوس کرتی ہیں

(فتاویٰ رضویہ ج ص۴۴۶ مطبوعہ رضا فاونڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

شرح الصدور میں ہے۔

کسی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے قبر پر پاؤں رکھنے کا مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا۔

,,کما اکره اذی المومن فی حیاته فانی اکره اذاه بعد موته،،

(شرح الصدور ص ۱۲۶ مطبوعه خلافت اکیڈمی سوات)

مجھ کو جس طرح زندہ مسلمان کی ایذاء ناپسند ہے یوں ہی مردہ کی۔

علّامہ شرنبلالی ''مراقی الفلاح'' میں لکھتے ہیں۔

اخبر نی شیخی العلّامة محمد بن احمد الحموی الحنفی رحمه اللّٰه تعالیٰ با نهم یتأذون بخفق النعال

(مرقی لفلاح علی هامش لطحطاوی ص ۲٤۲ مطبوعه نور محمد کارخانه تجارت کتب کراچی)

مجھ کو میرے استاذ علامہ محمد بن احمد حموی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ جوتے کی آہٹ سے مردے کو تکلیف اور ایذا ہوتی ہے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

,,المیّت یؤ ذیه فی قبر ه ما یؤ ذیه فی بیت،،

(الفردوس بما ثور الخطاب - رقم الحدیث ۷٥٤ ج ۱ ص ۱۹۹ مطبوعه دار العلمیه بیروت)

میت کو جس بات سے گھر میں ایذا ہوتی ہے قبر میں بھی اس سے ایذا پاتا ہے۔

علامہ عبدالرؤف مناوی حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"افاد ان حرمة المؤ من بعد موته باقية"

(فیض لقدیر شرح لجامع لصغیر رقم لحدیث ٦۲۳۱ ج ٤ ص ٥٥۱ مطبوعه دار لمعرفة بیروت)

''معلوم ہوا مؤمن کی حرمت موت کے بعد باقی رہتی ہے''

سیّدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں

"اذی المؤمن فی موته کا ذائه فی حیاته"

(شرح الصدور ص ۱۲٦ مطبوعه خلافت اکیڈمی سوات)

مسلمان مردہ کو ایذا دینا ایسے ہے جیسے زندہ کا ایذا دینا۔



علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

''لأن المیت یتأذی بما یتأذی به الحیّ''

(ردالمحتار علی الدر المختار ج ۳ ص ۱۰۲ مطبوعه مکتبه حنفیه کوئٹه)

جس چیز سے زندے کو اذیت ہوتی ہے اس سے مردے کو بھی اذیت ہوتی ہے۔

(۳) عن ابی عثمان النهدی ان ابن ساس خرج فی جنازة فی یوم و علیه ثیاب خفاف فانتهیٰ الی قبر قال فصلیت رکعین ثم اتکأ ت علیه فوالله ان قلبی لیقظان اذ سمعت صوتاً من البقر ۔ الیك عنی لا تأذنّی فانکم قوم تعملون ولا تعلمون ونحن قوم نعلم ولا نعمل۔ ولأن یکون لی مثل رکعتیك احب الیّ من کذا و کذا ،من هذا قد علم باتکا ء الرجل علی القبر و بصلاته

(کتاب الروح لا بن قیّم ص ۱۱ مطبوعه بیروت)

حضرت ابوعثمان نہدی سے روایت ہے کہ ابن ساس ایک دن جنازہ میں شرکت کیلئے گئے ان پر ہلکا سا کپڑا تھا۔ وہ ایک قبر کے پاس پہنچے۔ کہتے ہیں کہ میں نے دو رکعت نماز ادا کی پر میں نے قبر کے ساتھ ٹیک لگائی اللہ کی قسم! میرا دل بیدار تھا۔ میں نے اچانک قبر سے آواز سنی۔ مجھ سے دور ہو جا مجھے اذیت نہ دے۔ تم ایسی قوم ہو جو عمل کرتی ہو لیکن جانتی نہیں ہو۔ ہم ایسی قوم ہیں جو جانتے ہیں عمل نہیں کرتے۔ اور میرے لئے تیری دو رکعتوں کی مثل عبادت اتنے اتنے بہتر ہے۔ اس روایت سے مرد کا قبر سے ٹیک لگانے اور نماز پڑھنے کا حکم معلوم ہو گیا۔

(٤) حدثنا ابو قلابة قال اقبلت من الشام الی البصرة فنزلت منزلاً فتطهرّت و صلیت رکعتین بلیل ثم وضعت رأسی علیٰ قبر فنمت ثم انتبهت فاذاصاحب القبر یشتکینی یقول قد آذیتنی منذاللیلة ثم قال انکم تعملون ولا تعلمون ونحن نعلم ولا نقدر علی العمل۔ ثم قال الرکعتان الّلتان رکعتهما خیر من الدنیا وما فیها۔ ثم قال جزی الله اهل الدّنیا خیراً اقرئهم مناالسلام فانه یدخل علینا من دعائهم نورا مثال الجبال۔

(کتاب الروح لا بن قیّم ص ۱۱ مطبوعه بیروت)

حضرت ابو قلابہ بیان کرتے ہیں کہ میں شام سے بصرہ آیا میں ایک جگہ پر اترا اور وضو کیا۔ اور رات کی دو رکعتیں ادا کی۔ پھر میں اپنا سر قبر پر رکھ کے سو گیا۔ پھر بیدار ہوا تو دیکھا کہ قبر والا مجھ سے شکایت کرتے ہوئے کہہ رہا ہے تو نے مجھے رات سے اذیت دی۔ پھر کہا تم نے جو دو رکعتیں ادا کیں وہ دنیا و مافیھا سے بہتر ہے۔ پھر کہا، اللہ دنیا والوں کو بہتر جزا دے وہ ہم سے زیادہ سلام کرتے ہیں۔ ان کی دعا کی وجہ سے ہم پر پہاڑوں جیسے نور داخل ہوتے ہیں۔

انسان کی وفات سے لیکر قبر تک کے جملہ معاملات اور احکام کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ فیصلہ کرنا بالکل آسان ہو جاتا ہے کہ وفات کے بعد انسان بے وقار و بے تعظیم نہیں ہوتا بلکہ بدقّتِ نظر دیکھا جائے تو پہلے کی نسبت زیادہ باوقار ہو جاتا ہے۔ زندہ انسانوں کی طرح اسکی تعظیم اسکے اعضاء کی تعظیم کرنا ضروری ہوتا ہے۔ تبھی تو اسے غسل دیا جاتا ہے۔ عمدہ کفن پہنایا جاتا ہے۔ شان و شوکت اور پورے احتیاط کیساتھ

اسکے جنازے کو کندھا دیا جاتا ہے۔پتھر دل لوگ بھی اسکے جنازے کیساتھ جارہے ہوتے ہیں۔مسلمانوں کا ایک اجتماع اسکی سفارش کیلئے نماز جنازہ میں شریک ہوتا ہے۔حتیٰ المقدور اسکی قبر کو بہتر بنانے کی سعی کی جاتی ہے۔ایک خاص طریقے سے اسے قبر میں رکھا جاتا ہے۔اسکی قبر پر خاک کو پھیرنا ایک عمل بقا سمجھا جاتا ہے۔مذکورہ احادیث کی روشنی میں وہ ان تمام معاملات کو دیکھ رہا ہوتا ہے اور تجہیز و تکفین کرنے والے جملہ حضرات کو پہچانتا ہے۔اسکے خویش و اقارب کو رونے سے منع کیا جاتا ہے کیونکہ اس آہ و بکا کی وجہ سے میت کو تکلیف ہوتی ہے اسکی قبر پر بیٹھے سے روک دیا جاتا ہے کیونکہ اس سے اذیت ہوتی ہے صرف معاملہ یہاں تک ہی نہیں بلکہ جب بھی کوئی شخص اسکی قبر کے پاس سے گذرے تو اسلام اسے صاحبِ قبر کو سلام کرنے کا پابند کرتا ہے اگر خدا توفیق بخشے تو دعا و استغفار بھی کر گذرتا ہے۔میت کے جملہ معاملات پر غور کرنے سے اس بات کا سمجھنا کلی طور پر آسان ہو جاتا ہے کہ موت کے بعد بھی روح کا اتصال و تعلق جسم سے باقی رہتا ہے۔انسان کو برزخی زندگی نصیب ہوتی ہے۔قبر پر بیٹھنے سے صاحب قبر کی توہین و تذلیل ہوتی ہے۔اور اسے اذیت ہوتی ہے۔یہ بات ہر ذی شعور جانتا ہے کہ قبر میت کے بدن کا جز نہیں بلکہ انسان کے ساتھ برزخی گھر ہونے کی وجہ سے ایک تعلق ہے اگر قبر پر بیٹھنے یا قبر کے ساتھ ٹیک لگانے سے میت کو تکلیف ہوتی ہے اور قبر پر بیٹھنے کی وجہ سے انسان وعید شدید کا مستحق ہو جاتا ہے تو اندازہ لگایئے میت کے اس حصہ و جز کا جو میت کے جسم سے متصل ہے اس کی قطع و برید، چیر پھاڑ کرنے والا شخص کس قدر سخت وعید کا مستحق ہوگا؟ لہذا ہر مسلمان پر یہ لازم ہے کہ وہ میت کا احترام ہر حال میں ملحوظ رکھے، ہر اس چیز سے

اجتناب کرے جو میت کیلئے ایذاء وتکلیف کا باعث ہو۔ چونکہ میت کے جسم واعضاء کی کاٹ چھاٹ، چیر پھاڑ سے میت کو ایذا ہوتا ہے اور ہر وہ چیز جس سے میت کو ایذاء ہو وہ ناجائز ہے لہذا میت کے جسم واعضاء کی قطع وبرید، چیر پھاڑ ناجائز ہے۔ انسانی اعضاء کی وصیت کی تکمیل جسم واعضاء کی قطع وبرید پر موقوف ہے لہذا انسانی اعضاء کی وصیت ناجائز ہے۔

میت سے حیاء ضروری ہے

زندہ انسان کی طرح میت سے بھی حیاء ضروری ہے۔

(۱) عن عائشة قالت كنت ادخل بيتي الذي فيه رسول الله ﷺ وانى واضع ثوبي واقول انماهوزوجي وابي فلمادفن عمرمعهم فوالله مادخلته الاوانامشدودة علىّ اثيابي حياءً من عمر۔

(مشكوة المصابيح ص ١٥٤ مطبوعه قديمي كتب خانه كراچى)

(ام المومنین) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتی ہیں میں اپنے اس حجرہ میں داخل ہوتی تھی (جہاں رسول اللہ ﷺ آرام فرماہیں) تو اس خیال سے پردہ کا خاص اہتمام نہ کرتی تھی کہ میرے شوہر (مدفون ہیں) اور دوسرے میرے والد (مدفون) ہیں جب انکے ساتھ عمر کو دفن کیا گیا تو میں عمر سے حیا کرتے ہوئے خوب پردے کا اہتمام کر کے حجرے میں داخل ہوتی تھی۔

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ "مرقاۃ" میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

قال الطیبی فیہ انّ احترام المیت کاحترامہ حیًّاواخرج ابن ابی الدنیافی کتاب القبورعن سلیم بن غفرانہ مرّعلی مقبرۃ وھو حاقن قدغلبہ البول فقیل لہ لونزلت فبلت قال سبحان اللہ واللہ انی لاستحی من الاموات کمااستحی من الاحیاء

(مرقاۃ المفاتیح ،شرح مشکوٰۃ المصابیح ج٤ ص ٢٢٢ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

طیبی نے کہااس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ میت کااحترام اسی طرح ضروری ہے جس طرح اسکی زندگی میں اسکااحترام ضروری تھا۔۔سلیم بن غفرانہ سے ابن ابی الدنیانے کتاب القبور میں نقل کیاہے کہ وہ ایک قبرستان سے گذررہے تھے اور پیشاب نے ان پرغلبہ کیاہواتھاان سے عرض کیاگیاکاش آپ (قبرستان میں)اترکرپیشاب کرلیتے انہوں نے کہاسبحان اللہ! اللہ کی قسم میں اموات سے ایسے ہی حیاءکرتاہوں جیسے زندہ لوگوں سے۔

(٢) عن یزید ابن ابی حبیب ان سلیم بن عمیر مرّ علیٰ مقبرۃ و ھوحاقن قد غلبہ البول فقال لہ بعض اصحابہ لو نزلت الیٰ ھذہ المقابر فبلت فی بعض حفرھا فبکیٰ ثم قال سبحان اللہ و اللہ انی لا ستحیی من الاموات کما استحیی من الاحیاء و لو لا ان المیت یشعر بذالک لما استحیا منہ۔وابلغ من ذالک انّ المیّت یعلم بعمل الحیّ من اقاربہ و اخوا نہ۔

(کتاب الرّوح لا بن قیّم ص ١٠ مطبوعہ بیروت)

حضرت یذید بن ابی حبیب سے روایت ہے کہ سلیم بن عمیر کا گزر ایک قبرستان کے پاس سے ہوا۔ پیشاب نے ان پرغلبہ کیاہوا تھاان کے بعض ساتھیوں

نے ان سے کہا کہ آپ اس قبرستان میں اترتے تو کسی گھڑے میں پیشاب کر لیتے تو وہ روئے پھر کہا سبحان اللہ۔ اللہ کی قسم میں مردوں سے ایسے ہی حیاء کرتا ہوں جیسا کہ میں زندوں سے حیاء کرتا ہوں۔ اگر ان کے نزدیک میت میں شعور وادارک نہ ہوتا تو وہ قبرستان میں پیشاب کرنے سے حیاء نہ کرتے۔

اس سے زیادہ بلیغ بات یہ ہے کہ میت اپنے عزیز واقارب میں سے جو زندہ انسان ہے اس کے عمل کو جانتا ہے۔

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دھلوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔

قولها حياءً من عمر اوضح دليل علىٰ حيٰوة الميت وعلىٰ انه ينبغى احترام الميت عندزيارته مهماامكن لاسيّماالصالحون بان يكون فى غاية الحياء والتأدب بظاهره وباطنه فان للصالحين مدداظاهرابالغاًلزوّارهم بحسب ادبهم ونيتهم وقبولهم۔

(جلاء الصدور ص۹۸ بحواله لمعات مطبوعه ضياء القرآن پبليكيشنز لاهور)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کا قول ''حياءً من عمر'' حیاتِ میت کی واضح ترین دلیل ہے اور اس امر کی بھی واضح ترین کہ میت کی زیارت کے وقت اسکا حتی الامکان احترام کرنا لازم ہے خصوصاً صالحین بزرگانِ دین کا بایں طور کہ ظاھر وباطن کے ساتھ انتہائی باشرم وحیاء اور بادب ہوکر کیونکہ علماء کرام کی طرف سے مدد ظاھر اور حدنہایت تک بالغ تعاون حاصل ہوتا ہے ان تمام لوگوں کیلئے جو ادب ونیازمندی اور خلوص کیساتھ انکی زیارت کرتے ہیں جس قدر ادب ونیاز، انکسار وعجز اور خلوص قلب زیادہ ہوگا اتنی ہی مدد واعانت اور خیر وبرکت انکی طرف سے زیادہ ہوگی۔

شرم وحیاء کا تقاضا

حدیثِ مذکور اور اس پر شارحینِ حدیث کی شروح کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ میت کا احترام ضروری ہے اور اسی طرح حیاء ضروری ہے جس طرح زندہ انسان سے حیاء ضروری ہے تو شرم وحیاء کا تقاضا یہ ہے کہ مردہ انسان کے جسم واعضاء کی قطع وبرید (کاٹ چھانٹ) اور چیر پھاڑ نہ کی جائے اور نہ ہی ایسی وصیت کی جائے جسکا نفاذ انسانی جسم واعضاء کی قطع وبرید (کاٹ چھانٹ) اور چیر پھاڑ کا سبب بنے اور نہ ہی ایسی وصیت کو پورا کرنے کی کوشش وسعی کی جائے

مردہ انسان کے جسم واعضاء سے علاج کا شرعی حکم

انسانی اعضاء کی وصیت کا مقصد دوسرے انسان کیلئے علاج کا سامان فراہم کرنا ہوتا ہے تو کیا مردہ انسان کے جسم واعضاء کے ساتھ علاج ومعالجہ جائز ہے؟ اسکے جواب میں گذارش یہ ہے کہ انسان چاہے زندہ ہو یا مردہ اسکے اعضاء واجزاء سے دوسرے انسان کا علاج ومعالجہ قطعاً جائز ودرست نہیں۔ دوسرے انسان کا علاج اسکے جسم واعضاء سے تبھی ممکن ہوگا جب مردہ یا زندہ انسان کے اعضاء واجزاء کو اسکے بدن سے جدا کیا جائے یہ بات پوری شرح وبسط کے ساتھ گزر چکی ہے کہ کسی غیر کیلئے انسانی جسم واعضاء کی قطع وبرید، چیر پھاڑ قطعاً جائز نہیں یہ انسانیت کی تذلیل وتوہین ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو معظّم ومکرّم بنایا ہے۔

اکرامِ انسانیت کی وجہ سے انسانی اعضاء واجزاء سے علاج معالجہ حرام ہے

انسان کے اکرام کی خاطر انسانی جسم واعضاء سے علاج معالجہ حرام ہے

"شرح سیر کبیر" میں ہے۔

والآدمی محترم بعدموته علیٰ ماکان علیه فی حیاته فکمایحرم التداوی بشیٔ من الآدمی الحیّ اکراماًله فکذالك لایجوزاالتداوی بعظم المیت۔

(شرح سیر کبیر ج ۱ ص ۹۲ مطبوعه بیروت)

آدمی اپنی موت کے بعد بھی اسی طرح قابلِ احترام ہے جیسے وہ اپنی زندگی میں قابلِ احترام تھا تو جس طرح زندہ انسان کے اکرام کی خاطر انسانی اعضاء واجزاء سے علاج معالجہ حرام ہے اسی طرح میت کی ہڈی کے ساتھ علاج ومعالجہ ناجائز ہے۔

ملک العلماء علامہ علاؤالدین ابوبکر بن مسعود کاسانی رحمۃ اللہ علیہ "بدائع الصنائع" میں لکھتے ہیں۔

ان استعمال جزءِ منفصل عن غیرہٖ من بنی آدم اهانة بذالك الغیر والآدمی بجمیع اجزائه مکرّم ولااهانة فی استعمال جزءِ نفسهٖ فی الاعادة الیٰ مکانهٖ۔

(بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۳۲ مطبوعه ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

بنی آدم میں سے کسی انسان کا عضو قطع وبرید کر کے استعمال کرنا صاحبِ عضو کی توہین ہے۔اور آدمی اپنے تمام اجزاء کے ساتھ مکرم ومحترم ہے۔ہاں اگر کوئی عضو الگ ہوگیا یا علاج کی بنا پر الگ کیا گیا تو اسکو اپنی جگہ پر دوبارہ پیوند کرنے میں کوئی توہین نہیں۔



مردہ انسان کی ہڈی توڑنے کی ممانعت

"عن عائشة ان رسول الله ﷺ قال کسر عظم المیّت ککسره حیاً"

(مشکل الآثار ج ۲ ص ۱۰۸ مطبوعه بیروت)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میت کی ہڈی توڑنا ایسے ہی ہے جیسے زندہ کی ہڈی کو توڑنا۔

یعنی مردہ انسان کی ہڈی کو توڑنے سے انسان ایسے ہی گنہگار ہوتا ہے جیسے زندہ انسان کی ہڈی کو توڑنے سے گنہگار ہوتا ہے یا اسکا مطلب یہ ہے کہ جس طرح زندہ انسان کی ہڈی کو توڑنے سے اسے اذیت ہوتی ہے اسی طرح مردہ انسان کی ہڈی توڑنے سے اسے اذیت ہوتی ہے۔

حضرت ملاّ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی فی الاثم قال الطیبی اشارة الیٰ انه لایهان میتاً کمالایهان حیاًقال ابن ملك الیٰ ان المیت یتألّم وقال ابن حجرومن لوازمه انه یستلذّ بمایستلذّبه الحیّ وقداخرج ابن ابی شیبة عن ابن مسعود قال أذی المؤمن فی موته کأذائه فی حیاته۔

(مرقاة المفاتیح شرح مشکوٰة المصابیح ج ٤ ص ۱۷۰ مطبوعه مکتبه رشیدیه کوئٹه)

یعنی یہ تشبیہ (مردہ کی ہڈی کو توڑنا زندہ کی ہڈی کو توڑنے کی طرح ہے) گناہ میں ہے۔طیبی نے کہا اس حدیث سے اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ جس طرح زندہ انسان کی توہین نہیں جاتی اسی طرح مردہ انسان کی توہین بھی نہ کی جائے۔

ابن ملک نے کہا اس سے اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے جس طرح زندہ

انسان کو ایذاء دینے سے اسے تکلیف ہوتی ہے اسی طرح مردہ انسان کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔ابنِ حجر فرماتے ہیں اسکے لوازم میں سے یہ بھی ہے کہ مردہ انسان اس چیز سے لذّت حاصل کرتا ہے جس سے زندہ انسان کو لذّت حاصل ہوتی ہے۔مصنف ابنِ ابی شیبہ میں ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کسی مومن کو اسکی وفات کے بعد ایذاء و تکلیف دینا ایسے ہی ہے جیسے اسے زندگی میں ایذ دینا۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں

عظم المیّت له حرمة مثل حرمة الحیّ ولکن لاحیاة فیه فکان کاسره فی انتهاك الحرمة ککاسر عظم الحیّ وعدم القصاص والارش لانعدام المعنیٰ الّذی یوجبه من الحیاة۔

(مشکل الآثار للطحاوی ج ۲ ص ۱۰۹ مطبوعه بیروت)

مردہ انسان کی ہڈی کی عزت وحرمت زندہ انسان کی ہڈی کی طرح ہے لہذا مردہ انسان کی ہڈی توڑنے والا شخص ایسے ہی گنہگار ہوگا جیسے زندہ انسان کی ہڈی توڑنے سے گنہگار ہوتا ہے۔(زندہ و مردہ انسان کی ہڈی میں فرق یہ ہے کہ زندہ کی ہڈی میں حیات ہوتی ہے اسکو توڑنے والے پر قصاص یا دیت لازم آئے گی)لیکن مردہ انسان کی ہڈی میں حیات نہیں اسکے توڑنے والے پر قصاص وچٹی واجب نہ ہوگی ۔کیونکہ قصاص وچٹی کا سبب حیات ہے۔مردہ انسان کے جسم واعضاء میں حیات نہیں ہوتی تو سبب کے معدوم ہونے سے مسبب معدوم ہوجاتا ہے۔جب حیاۃ نہیں تو قصاص وچٹی بھی نہیں۔

شیخِ محقق شاہ عبدالحق محدّث دھلوی ''اشعۃ اللّمعات'' میں لکھتے ہیں

''ابن عبدالبر گفتہ است ازیں جا مستفاد میگردد کہ میت متألم میگردد بجمیع آنچہ متألم میگردد بداں حی ولازم ایں است کہ متلذّ ذ گردو بتمام آنچہ متلذّ ذ میگردد باں زندہ''۔
(اشعۃ اللمعات ج ا ص ۶۹۶ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

ابنِ عبدالبر فرماتے ہیں کہ اس حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے میت کو ہراس چیز سے رنج ودرد پہنچتا ہے جس سے زندہ آدمی کو رنج ودرد پہنچتا ہے۔اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ میت کو ان تمام چیزوں سے لذّت حاصل ہوتی ہے جن سے زندہ انسان کو لذت حاصل ہوتی ہے۔

شارحینِ حدیث کے اقوال کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوا کہ انسان کے جسم واعضاء کا احترام موت وحیات ہردوصورتوں میں لازم ہے اور انسان کی توہین وتذلیل موت وحیات ہردوصورتوں میں ناجائز وحرام ہے۔انسان کی حسّی کیفیات موت وحیات میں تقریباً ایک جیسی ہوتی ہیں۔جس شے سے زندہ انسان لذت حاصل کرتا ہے مردہ انسان بھی اس سے لذت حاصل کرتا ہے۔جس شے سے زندہ انسان کو تکلیف ہوتی ہے مردہ انسان کو بھی اس سے تکلیف ہوتی ہے یہ بات ہرانسان تسلیم کرتا ہے اور محسوس کرتا ہے کہ زندہ انسان کے جسم واعضاء کو کاٹنے اور توڑنے سے اسے شدید تکلیف واذیت ہوتی ہے گویا زندہ انسان کیلئے وہ ایک دردناک عذاب ہے۔اسی طرح مردہ انسان کے جسم واعضاء کی چیر پھاڑ،کاٹ چھاٹ سے اسے شدید اذیت وتکلیف پہنچتی ہے اسکے جسم واعضاء کی قطع وبرید،چیر پھاڑ اسکے لئے دردناک عذاب ہے جو شخص بھی کسی مردہ انسان کے جسم واعضاء کی قطع وبرید کا ارتکاب کرے گا وہ میت کو دردناک عذاب دینے کا مرتکب ہوگا۔جو شخص دوسروں کو ناحق عذاب دے۔حدیث شریف میں اسے وعید شدید سنائی گئی ہے۔

ناحق اذیّت دینے والے کیلئے وعید

حضرت ھشام بن حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

"انّ اللّٰہ یعذّب الّذین یعذّبون النّاس فی الدّنیا"۔

(صحیح مسلم ج۲ ص ۳۲۷ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو (قیامت کے دن) عذاب دیگا جو دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں۔

شارحِ مسلم امام نووی رضی اللہ عنہ اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

ھذا محمول علی التعذیب بغیر حق فلایدخل فیہ التعذیب بحق کالقصاص والحدود والتعزیر ونحو ذالك۔

(شرح مسلم للنّووی ص ۳۲۷ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

یہ حدیث ناحق عذاب دینے پر محمول ہے اسلئے قصاص، حدود، تعزیر وغیرہ تعذیب (تکلیف وایذاء دینے) میں شامل نہیں۔

میت کے بال اور ناخن وغیرہ کاٹنے کی ممانعت

اسلامی شریعت میں میت کے احترام واکرام کا ایک خاص لحاظ رکھا گیا ہے انسان کے تمام اعضاء واجزاء مکرم ہیں جسطرح انسان کو وفات کے بعد دفن کرنا ضروری ہے اسی طرح اسکے تمام اجزاء کا دفن کرنا ضروری ہے وفات کے بعد انسان کے جسم سے بالوں تک کو کاٹنے کی اجازت نہیں حالانکہ بالوں کے کاٹنے سے اذیت وتکلیف بھی نہیں ہوتی اس کا معنیٰ یہ ہے کہ

انسان کے مرنے کے بعد اسکے جسم واعضاء کی چیر پھاڑ / کانٹ چھانٹ منع ہے خواہ اس سے میت کو تکلیف ہو یا نہ ہو۔ بالوں اور ناخنوں کے علاوہ تو دیگر اعضاء ایسے ہیں جن کو نکالنے سے اور میت کے جسم کی چیر پھاڑ سے انسان کو تکلیف ہوتی ہے جب بالوں اور ناخنوں کو میت کے جسم سے علیحدہ کرنے اور کاٹنے کی اجازت نہیں تو دل، گردہ اور دیگر اعضاءِ انسانی کو میت کے جسم سے نکال کر دوسرے انسان میں منتقل کرنے کی اجازت بدرجہ اولیٰ نہیں ہے۔

ملک العلماء علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

والسّنّة ان يدفن الميته بجميع اجزائه ولهذا لاتقص اظفاره وشاربه و لحيته ولا يختن ولا ينتف ابطه ولا تحلق عانته

(بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۰۱ مطبوعه ایچ ایم سعید کپمنی کراچی)

''سنت یہ ہے کہ میت کو اسکے تمام اجزاء سمیت دفن کیا جائے اسی لیے اسکے ناخنوں، مونچھوں اور اسکی داڑھی کے بالوں کو نہ کاٹا جائے اور نہ اسکے ختنے کئے جائیں اور نہ ہی اسکی بغلوں کے بالوں کو اکھیڑا جائے اور نہ ہی اسکے زیر ناف بالوں کو مونڈا جائے''۔

علامہ علاؤالدّین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

(ولا يقص ظفره) الا المكسور (ولا شعره) ولا يتختن

(الدّر المختار مع ردالمحتار ج ۳ ص ۱۰۳ مطبوعه مکتبه حنفيه کوئٹه)

(اور میت کے ناخنوں کو نہ کاٹا جائے) البتہ اگر ناخ ٹوٹا ہوا ہو تو اسے علیحدہ کرنے میں کوئی حرج نہیں اور نہ میت کے ختنے کئے جائیں۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ اس پر حاشیہ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں

"فلو قطع ظفره او شعره ادرج معه في الكفن"

(ردالمحتار علی الدّر المختار ج ۳ ص ۱۰٤ مطبوعه مکتبه حنفیه کوئٹه)

''اگر ناخنوں یا بالوں کو کاٹ دیا گیا تو میت کے ساتھ انہیں کفن میں ڈالا جائے''

شیخ الاسلام شمس الآئمہ علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

والسّنّة دفنه علی مامات علیه و لهذا لاتقص اظفاره ولا شاربه ولا ینتف ابطه ولا تحلق عانته

(المبسوط لسرخسی ج ۲ ص ۹۲ مطبوعه مکتبه رشیدیه کوئٹه)

میت جس حالت پر فوت ہوا اسی حالت پر اسے دفن کرنا سنت ہے لہذا اسکے ناخنوں کو نہ کاٹا نائے اور نہ ہی اسکی مونچھوں کو کاٹا جائے اور نہ اسکے بغل کے بالوں کو اکھیڑا جائے اور نہ زیر ناف بالوں کو مونڈا جائے۔

فتاوی تاتارخانیہ میں ہے

"ولا یحلق شعر ابطه ولا عانته و لکن یدفن علی مامات علیه"

(الفتاوی التاتارخانیه ج۲ ص ۱۳۵)

میت کے بغل اور زیر ناف بالوں کو نہ مونڈا جائے میت جس حالت میں فوت ہوا ہے اسی حالت میں اسے دفن کیا جائے

فتاویٰ ہندیہ میں ہے

ولا یسرح شعر المیت ولا لحیته ولا یقص ظفره ولا شعره کذافی الهدایة ولا یقص شاربه ولا ینتف ابطه ولا یحلق شعر عانته ویدفن بجمیع ماکان علیه کذافی محیط السرخسی وان کان ظفره منکسراً فلا بأس بان یأخذه کذافی المحیط۔

(فتاویٰ ہندیه ج۱ ص۱۵۸ مطبوعه مکتبه رشیدیه کوئٹه)

میت کے بالوں اور داڑھی کو کنگی نہ کی جائے اور نہ اس کے ناخنوں کو اور بالوں کو کاٹا جائے (ہدایہ میں اسی طرح ہے) اور نہ اس کی مونچھ کو کاٹا جائے اور نہ اس کے بغل کے بالوں کو اکھیڑا جائے اور نہ اس کے زیرِ ناف بالوں کو مونڈا جائے بلکہ میت جس حالت میں فوت ہوا ہے اسی حالت میں دفن کر دیا جائے محیطِ سرخسی میں اسی طرح ہے اور اگر اس کا ناخن ٹوٹا ہوا ہو تو اسے علیحدہ کرنے میں کوئی حرج نہیں محیط میں اسی طرح ہے۔

الجوهرة النیر ہ (شرح قدوری) میں ہے

(ولا یسرح شعر المیت ولا لحیته) لان ذالك زینة والمیت منتقل الی البلاء والمهل ولانه اذا سرح شعره انفصل منه شیء فاحتیج الیٰ دفنه معه فلا معنیٰ لفصله عنه ،وقدروی ان ذالك ذکر لعائشة رضی الله عنها فقالت اتنصون موتاکم بالتخفیف ای تسرحون شعرهم یقال نصاه اذا مدّ ناصته کانها کرهت (قوله ولا یقص ظفره ولا شعره) لان فیه قطع جزء منه فلم یسن بعد موته کالختان۔

(الجوهرة النیّرة ج۱ ص۱۲۷ مطبوعه قدیمی کتب خانه کراچی)

اور میت کے بالوں اور داڑھی کو کنگی نہ کی جائے کیونکہ یہ زینت ہے میت بلاء و آرام کی طرف منتقل ہونے والی ہے اور اس لئے کہ جب میت کے بالوں کو کنگی کی جائے تو اس کے بالوں میں سے کچھ بال جدا ہو جائیں گے انہیں دفن کرنے کی حاجت پیش آئے گی میت سے بالوں کو علیحدہ کرنے کا کوئی مقصد و معنیٰ نہیں اور تحقیق

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت بھی اس مسئلہ میں موجود ہے آپ نے فرمایا کیا تم اپنے موتی کے ماتھے کو پکڑتے ہو؟ یعنی تم ان ک بالوں کو کنگی کرتے ہو؟ نصاہ اس وقت کہا جاتا ہے جب پیشانی کو کھینچا جائے گویا ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس کو ناپسند فرمایا۔ اور میت کے بال اور ناخن نہ کاٹے جائیں کیونکہ اس صورت میں انسان کی جزء کو کاٹنا ہے انسان کے مرنے کے بعد یہ مسنون نہیں جیسے کہ ختنے کرنا۔

علامہ عبدالرحمٰن الجزیری " کتاب الفقہ " میں لکھتے ہیں

میت کے بال اور مونچھ کا تراشنا اور بغل اور زیر ناف بالوں کا دور کرنا مکروہ ہے مطلوبِ شرع یہ ہے کہ جس طرح وفات ہوئی ہے اسی حال میں دفن کیا جائے اگر میت کے وجود سے اشیاء مذکورہ میں سے کوئی شے گر جائے تو اسے بھی کفن میں رکھ کر ساتھ ہی دفن کر دیا جائے۔

(کتاب الفقہ مترجم ج ۱ ص ۸۲ مطبوعہ علماء اکیڈمی محکمہ اوقاف پنجاب لاہور)

شیخ الاسلام برھان الدین علامہ علی بن ابوبکر المرغینانی "ھدایہ" میں لکھتے ہیں

"ولا يسرح شعر الميت ولا لحيته ولا يقص ظفره ولا شعره لقول عائشة علام تنصون ميتكم ولان هذه الاشياء للزينة و قداستغنى الميت عنها"۔

(ھدایہ ج ۱ ص ۱۵۹ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

میت کے بالوں اور داڑھی کی کنگی نہ کی جائے اور نہ اسکے ناخن اور بال کاٹے جائیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول مبارک ہے تم اپنے میت کی پیشانی کیوں کھینچتے ہو؟ اور اس لیئے (بھی یہ جائز نہیں) کہ یہ چیزیں زینت کے لئے

ہیں میت ان سے بے نیاز ہے۔

عصرِ حاضر کے عظیم محقق ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں

قال الحنفية و المالكية لا يسرح و لا يحلق شعره و لا يقص ظفره المكسور و لا شعره من راسه و لحيته و لا يختن اذلا حاجة اليه لانه للزينة وقد استغنى عنها فهذا مكروه و الكراهة عندالحنفية تحريمية فلو قطع ظفره او شعره ادرج معه فى الكفن و هذا هوالرأى اولىٰ - لان الميت يحتاج للستر بكل ماله وما عليه۔

و قال الشافعية فى الجديد - يسرح شعر راسه و لحيته بمشط واسع الاسنان برفق و يرد المنتوف اليه۔ والاظهر كراهة اخذ شعرراسه و ظفره و شعرابطه و عانته و شاربه لان اجزاء الميت محترم۔

(الفقه الأسلامى و ادلّته ج۲ ص ۱۴۹۴ مطبوعه مكتبه رشيديه كوئٹه)

حنفی اور مالکی حضرات کہتے ہیں میت کے بالوں کی کنگی نہ کی جائے اور نہ اسکے بال مونڈے جائیں اور نہ اسکے ناخن کاٹے جائیں اور میت کے سر اور داڑھی کے بالوں کو نہ کاٹا جائے اور نہ میت کے ختنے کیئے جائیں کیونکہ میت کو اسکی حاجت نہیں اس لیئے کہ یہ زینت کے لئے ہے اور میت کو زینت کی ضرورت نہیں ۔لہذا یہ مکروہ ہے۔ حنفیوں کے نزدیک یہ مکروہ تحریمی ہے اگر میت کے بال اور ناخن کاٹ دیئے گئے تو انہیں میت کے ساتھ کفن میں رکھا جائے یہ ہی بہترین رائے ہے اس لیئے کہ میت اپنے جمیع اجزاء واعضاء کے ساتھ ستر کا محتاج ہے۔

شافعی حضرات کا قول جدید یہ ہے کہ میت کے سر اور داڑھی کے بالوں کو لمبے

دندانوں والی کنگی کیساتھ نرمی سے کنگھی کی جائے اور جو بال اکھڑ جائیں انہیں میت کی طرف لوٹا دیا جائے (یعنی میت کے ساتھ دفن کر دیا جائے) اور اظہر بات یہ ہے کہ میت کے سر اور داڑھی، مونچھ، بغل اور زیر ناف بالوں کا لینا مکروہ ہے۔ اس لیئے کہ میت کے اجزاء محترم ہیں۔

حنابلہ میت کے ان اجزاء کو لینے کی اجازت دیتے ہیں تاہم ان کا نظریہ بھی یہی ہے کہ جو مذکورہ اجزاء ہیں انکو میت کے ساتھ دفن کیا جائے۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی حنابلہ کے مذہب کو نقل کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

ویجعل ما اخذ من الشارب والاظفار وشعر الابطین مع المیت کعضو ساقط لماروی احمد من حدیث ام عطیة قالت (یغسل رأس المیتة فما سقط من شعرها فی ایدیهم غسّلوه ثم ردوه فی رأسها) ولان دفن الشعر والظفر مستحب فی حق الحی ففی حق المیت اولیٰ ویعاد غسل ما اخذ من المیت من شعر وظفر لقول ام عطیة (غسّلوه ثم ردوه) ولانه جزء من المیت کعضو من اعضائه۔

(الفقه الاسلامی و ادلّته ج ۲ ص ۱۴۹۵ مطبوعه مکتبه رشیدیه کوئٹه)

میت کی مونچھ، ناخنوں اور بغلوں کے بالوں سے جو کچھ لیا گیا اسے میت کے ساتھ دفن کیا جائے جسطرح کہ میت کے عضوِ ساقط کو اسکے ساتھ دفن کیا جاتا ہے۔ حضرت امام احمد نے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنھا کی حدیث روایت کی ہے آپ فرماتی ہیں مرنے والی عورت کے سر کو دھویا جائے جو بال گریں انہیں غسل دو اور پھر اسکے سر میں لوٹا دو۔ اور اس لیئے کے بال اور ناخنوں کا دفن کرنا زندہ کے حق میں مستحب ہے تو

میت کے حق میں بدرجہ اولیٰ مستحب ہوگا۔میت کے بالوں اور ناخنوں کو دوبارہ دھویا جائے کیونکہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ان کو دھو کر پھر اسکے سر میں لوٹا دو۔ اور اسلئے بھی کہ یہ میت کا جز ہیں باقی اعضاء کی طرح (جسطرح انہیں دوبارہ غسل دیا جاتا ہے انہیں بھی دھویا جائے)۔

فقہائے کرام کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کے بال تک اکھیڑنے کی اجازت نہیں اگر کوئی بال یا ناخن وغیرہ میت کے جسم سے جدا ہو جائے تو اسے میت کے ساتھ دفن کرنا ضروری ہے۔جب بال اور ناخن تک لینے کی اجازت نہیں تو میت کی آنکھ، دل، گردہ، جگر، ہاتھ، پاؤں وغیرہ نکالنے کی کیسے اجازت ہو سکتی ہے؟

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ "میزان الکبریٰ" میں لکھتے ہیں کہ میت کے ساتھ سہولت ونرمی والا معاملہ کیا جائے۔

ومن ذالك قول ابی حنیفة و مالك انه یکره نتف ابط المیت و حلق عانته و قص شاربه بل شدّد مالك فقال تعزّر من فعل

(المیزان الکبریٰ الشعرانیه ج۱ ص ۲۶۱ مطبوعه بیروت)

اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کا قول ہے کہ میت کی بغلوں کے بال کا اکھیڑنا اور زیرناف بالوں کا مونڈنا اور مونچھوں کا کاٹنا مکروہ ہے بلکہ امام مالک نے تو اس میں شدت اختیار کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جو ایسا کرے اسے تعزیر دی جائے۔

انسانی بالوں سے انتفاع کا شرعی حکم

انسان کے بالوں سے کسی بھی قسم کا نفع حاصل کرنا جائز نہیں یعنی نہ انکی خرید وفروخت کی اجازت ہے اور نہ ہی ہبہ وعطیہ اور وصیت جائز ہے۔

بال پیوند کرنے والیوں پر لعنت کی گئی

متعدد احادیث میں بال پیوند کرنے سے منع کیا گیا ہے صرف منع ہی نہیں بلکہ بال پیوند کرنے والی عورتوں پر لعنت کی گئی ہے۔

”عن عائشة ان امرأة من الانصار زوّجت ابنتها فتمعط شعر رأسها فجاءت الى النبیّ ﷺ فذکرت ذالك له فقالت ان زوجها امرنی ان اصل فی شعرها فقال لا انه قد لعن الواصلات“۔

(صحیح بخاری ج ٢ ص ٧٨٤ مطبوعه قدیمی کتب خانه کراچی)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انصار کی ایک عورت نے اپنی بیٹی کی شادی کرائی تو اسکے بال جھڑ گئے وہ عورت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئی یہ مسئلہ ذکر کیا کہ اسکے شوہر نے مجھے بالوں کے پیوند کے بارے میں کہا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نہیں (ایسا نہ کرو) بال پیوند کرنے والیوں پر لعنت کی گئی ہے۔

دلہن کو بھی بال پیوند کرنے کی اجازت نہیں

نبی اکرم ﷺ نے دلہن کیلئے بھی بال پیوند کرنے کی اجازت نہیں دی۔

”عن اسماء بنت ابی بکر قالت جاءت امرأة الی النبیّ ﷺ فقالت یارسول اللّٰه ﷺ ان لی ابنة عریّساً اصابتها حصبة فتمرّق شعرها أفأصله فقال لعن اللّٰه الواصلة والمستوصلة“

(صحیح مسلم ج ٢ ص ٢٠٤ مطبوعه قدیمی کتب خانه کراچی)

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک عورت نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں آئی اور عرض کیا یارسول اللہ ! ﷺ میری بیٹی دلہن بنی ہے اسکو چیچک نکل آئی ہے جسکی وجہ سے اسکے بال جھڑ گئے ہیں

کیا میں اسکے بالوں کیساتھ بال پیوند کردوں ؟ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا بال جوڑنے والی اور جوڑوانے والی پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے۔

اسکے علاوہ متعدد احادیث کتبِ احادیث میں موجود ہیں جن میں صراحۃً بالوں کی پیوندکاری سے روک دیا گیا ہے اور بال پیوند کرنے یا کروانے پر لعنت کی گئی ہے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ اس باب کی احادیث کی شرح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وقد فصّله اصحابنا فقالوا ان وصلت شعرها بشعر الآدمی فهو حرام بلا خلاف سواء کان شعر رجل او امرأة وسواء شعر المحرم والزوج وغیرهما بلا خلاف لعموم الاحادیث ولانه یحرم الانتفاع بشعر الآدمی وسائر اجزائه لکرامته بل یدفن شعره وظفره وسائر اجزائه وان وصلته بشعر غیر آدمی فان کان شعرا نجسا وهو شعر المیتة وشعر مالایؤکل اذا انفصل فی حیوته فهو حرام ایضا للحدیث ولانه حمل نجاسته فی صلوٰته وغیرها وسواء فی هذا النوعین المزوجة وغیرها من النساء والرجال واما الشعر الطاهر من غیر الآدمی فان لم یکن لها زوج ولا سیّد فهو حرام ایضاً۔ وان کان فثلاثة اوجه احدها لایجوز لظاهر الاحادیث والثانی لایحرم واصحها عندهم ان فعلته باذن الزوج او السیّد جاز والا فهو حرام۔

(شرح مسلم للنووی ج ۲ ص ۲۰۴ قدیمی کتب خانہ کراچی)

ہمارے آئمہ نے اس مسئلے کو تفصیلاً بیان کیا ہے کہ اگر کوئی عورت اپنے بالوں کو کسی آدمی کے بالوں سے پیوند کرے تو بلا اختلاف یہ حرام ہے چاہے مرد کے بال ہوں یا عورت کے، محرم وشوہر کے بال ہوں یا کسی اور کے کیونکہ احادیث میں عموم ہے اسلئے کہ انسانی بالوں اور دیگر اعضاء سے نفع حاصل کرنا کرامتِ انسانی کی وجہ سے حرام ہے ۔(لہذا انسان کے بالوں کو استعمال نہ کیا جائے گا) بلکہ انسان کے بال، ناخن اور دیگر اجزاء کو دفن کیا جائے گا۔

اور اگر عورت اپنے بالوں کو غیر انسان کے بالوں سے پیوند کرے اگر وہ بال نجس ہوں یعنی وہ مردار کے بال ہوں اور اس جانور کے بال ہوں جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا جب بال اس جانور کی حیاۃ میں اس سے جدا ہوئے ہوں تو یہ پیوند کرنا بھی ازروئے حدیث حرام ہے ۔نیز اس وجہ سے کہ وہ نماز کی حالت اور عام حالات میں عمداً حامل نجاست ہوگی ۔اس حکم میں مرد وعورت میں کوئی فرق نہیں اور اگر غیر انسان کے بال پاک ہوں تو اگر اس عورت کا خاوند یا آقا موجود نہیں تو پھر بھی بالوں کی یہ پیوند کاری حرام ہے اور اگر اسکا خاوند یا آقا موجود ہے تو پھر اسکی تین صورتیں ہیں۔

(۱) یہ ظاہر احادیث کی بناء پر ناجائز ہے۔ (۲) حرام نہیں۔

(۳) زیادہ صحیح یہ ہے کہ اگر اس نے اپنے آقا یا خاوند کی اجازت سے بالوں کو پیوند کیا تو جائز ہے ورنہ حرام۔

علامہ نووی اسی صفحہ کے آخر میں لکھتے ہیں۔

"وفی ھذاالحدیث ان الوصل حرام سواء کان لمعذورۃ اوزعروس اوغیرھما"۔

اس حدیث میں ہے کہ بالوں کی پیوندکاری حرام ہے یہ حکم معذورہ، دلہن اور انکے علاوہ دیگر تمام کو شامل ہے۔

بالوں کی پیوندکاری پرڈاکٹر وہبہ زحیلی کی تحقیق

عصرِ حاضر کے عظیم محقق۔ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

ویحرم وصل الشعربشعرآدمی آخرعلی الرجال والنساء الایامی والمتزوجین للتجمل وغیرہ بلاخلاف سواء کان شعررجل اوأمرأۃ وسواء شعرالمحرم والزوج وغیرھمابلاخلاف لعموم الادلۃ ولانہ یحرم الانتفاع بشعرالآدمی وسائراجزائہ لکرامتہ بل یدفن شعرہ وظفرہ سائراجزائہ۔

فان وصلتہ بشعرغیرآدمی فان کان شعرانجساًوھوشعرالمیتۃ وشعرمالایؤکل لحمہ اذاانفصل فی حیاتہ فھوحرام ایضاًللحدیث الآتی بلعن الواصلۃ والمستوصلۃ ولانہ حمل نجاسۃ فی صلاتھاوغیرھاعمداً۔

واماالشعرالطاھرمن غیرالآدمی والشعرالصناعی فان لم یکن لھا زوج ولاسیدفھوحرام ایضاً۔وان کان لھازوج فان فعلتہ باذنہ جاز،وان فعلتہ بغیراذنہ لم یجز،وعلی ھذایکون ارتداء(الباروکۃ)جائزللرجل وللمرأۃ باذن زوجھا۔

(الفقہ الاسلامی وادلّتہ ج ٤ ص ٢٦٨٠ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

تجمل وحسن کیلئے بالوں کی دوسرے آدمی کے بالوں کے ساتھ پیوندکاری بغیرکسی اختلاف کے مردوں اورعورتوں پرحرام ہے عورتیں شادی شدہ ہو یاغیرشادی

شدہ۔خواہ مرد کے بال ہوں یا عورت کے بال۔خواہ محرم اور شوہر کے بال ہوں یا کسی اور کے۔دلائل کے عموم کی وجہ سے اور اسلئے کہ آدمی کی بالوں اور دیگر اعضاء سے نفع حاصل کرنا اسکی کرامت کی وجہ سے حرام ہے۔بلکہ اس کے بالوں ،ناخنوں اور دیگر اعضاء کو دفن کیا جائے گا۔

اگر عورت غیر آدمی کے بالوں کے ساتھ پیوند کاری کرے (تو وہ بال دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ بال نجس ہونگے یا پاک) اگر وہ بال نجس ہوں اور وہ مردار اور ان جانوروں کے بال ہیں جن کا گوشت کھایا نہیں جاتا جبکہ وہ بال انکی حیات میں جدا ہوئے ہوں تو بھی ان بالوں کی پیوند کاری حرام ہے۔اس حدیث کی وجہ سے جس میں بال جوڑنے والی عورت اور بال جوڑوانے والی عورت پر لعنت کی گئی ہے۔اور اس وجہ سے بھی حرام ہے کہ نماز وغیرہ میں نجاست کو عمداً اٹھانا ہے (یعنی یہ بال نجس ہیں اور ہمہ وقت نجاست کو اٹھانا پڑتا ہے جسکی وجہ سے نماز وغیرہ سے محرومی لازم آتی ہے) رہا مسئلہ غیر آدمی کے پاک بالوں کا اور مصنوعی بالوں کا تو اگر اسے پیوند کرانے والی عورت کا شوہر اور آقا نہیں تو بھی حرام ہے اور اگر شوہر ہے اگر وہ اسکی اجازت کے ساتھ بالوں کی پیوند کاری کرے تو جائز ہے ورنہ ناجائز ہے۔اس تقریر کی روشنی میں بار وکہ (مصنوعی بال) مردوں کیلئے جائز ہیں اور عورتوں کیلئے بھی شوہر کی اجازت سے جائز ہیں۔

السید سابق "فقه السنة" میں لکھتے ہیں۔

اما وصل الشعر بغير شعر آدمیٍ كالحرير والصوف والكتاب او نحوها فقد اجازه سعيد بن جبير و احمد و الليث

قـال الـقـاضی عیاض :۔ فاما ربط خیوط الحریر الملونة ونحوها مـمـا لا یشبـه الشعـر فلیس بمنهی عنه لانه لیس بو صل ولا هو فی معنی مقصود الوصل۔ وانه هو للتجمل والتحسن۔

(فقہ السّنة ج ۳ ص ۳٦٦ مطبوعہ دارلکتب پشاور)

آدمی کے بالوں کے علاوہ مثلاً ریشم، اون، دھاگے وغیرہ ملانے کو سعید ابن جبیر، احمد اور لیث نے جائز قرار دیا ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں رنگین ریشم وغیرہ کے دھاگوں کی چٹیاں جو بالوں کے مشابہ نہ ہوں منع نہیں اسلئے کہ یہ وصل (پیوندکاری) نہیں اور نہ ہی مقصودِ وصل (پیوندکاری کے مقصود) کے معنی میں ہے۔ یہ تو تحسن وتجمل (خوبصورتی) کے لئے ہے۔

بالوں کی پیوندکاری پر علّامہ یوسف قرضاوی کی تحقیق

علّامہ یوسف القرضاوی اپنی کتاب ''اسلام میں حلال وحرام'' میں لکھتے ہیں۔

عورت کا دوسرے بالوں کو جوڑ کر زینت کرنا بھی حرام ہے خواہ بال اصلی ہوں یا نقلی (مصنوعی) یعنی جسے آج کل ''باروکہ'' کہا جاتا ہے اس جیسے بال۔

مام بخاری نے حضرت عائشہ، اسماء، ابن مسعود، ابن عمر، اور ابوھریرہ رضی اللہ عنھم سے روایت بیان کی ہے کہ

"ان رسول اللہ ﷺ لعن الواصلة والمتسوصلة"۔

رسول اللہ ﷺ نے بال جوڑنے والی اور بال جڑوانے والی عورت

پر لعنت فرمائی ہے (البخاری)

اس حرمت کا اطلاق ان مردوں پر بدرجہ اولیٰ ہوتا ہے جو یہ کام انجام دیں خواہ وہ دوسروں کے سر میں بال لگانے کی خدمت انجام دیں جنہیں آج کل ''کوافیر'' کہا جاتا ہے یا اپنے سر میں دوسرے بال لگوالیں جیسے نوجوان زنخے۔

(وہ مرد جو عورتوں کی بات چیت یا حرکات کریں۔ فیروز اللغات ص ۷۵۲۔ کاظمی غفرلہ ۱۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کی جعل سازی کی سخت مخالفت کی ہے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایسی عورت کو بھی بال لگوانے کی اجازت نہیں دی جس کے بال بیماری کی وجہ سے گر گئے ہوں خواہ وہ پہلی شب کی دلہن ہی کیوں نہ ہو۔ حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ انصار کی ایک لڑکی کی شادی اس حال میں ہوئی کہ بیماری کی وجہ سے اسکے بال گر چکے تھے لوگوں نے چاہا کہ دوسرے بال لگائیں لیکن جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"لعن اللہ الواصلة والمتسوصلة"۔

اللہ تعالیٰ نے بال جوڑنے والی اور جڑوانے والی عورت پر لعنت فرمائی۔ (البخاری)

علامہ یوسف القرضاوی آگے جا کر خلاصہ بحث لکھتے ہیں۔

''جو حدیثیں حرمت پر دلالت کرتی ہیں ان میں بالوں کو جوڑنے کا حکم بیان ہوا ہے خواہ وہ اصلی ہوں یا مصنوعی۔ اس میں جعل اور فریب دہی کا پہلو ہے لیکن اگر بال نہ جوڑے جائیں بلکہ کپڑے کی دھجی یا دھاگہ وغیرہ جوڑ دیا جائے تو یہ چیز ممانعت کے حکم میں شامل نہیں ہوگی۔ اس سلسلہ میں حضرت سعید بن جبیر سے روایت ہے فرماتے ہیں''

" لا بأس بالتوامل" (فتح الباری بحوالہ ابوداؤد)

"توامل لگانے میں کوئی حرج نہیں"۔

"توامل" سے مراد ریشم، اون وغیرہ کے دھاگے ہیں جن کو عورتیں بالوں میں جوڑ کر چوٹیاں بنالیتی ہیں۔ امام محمد اسکے جواز کے قائل ہیں۔

(اسلام میں حلال وحرام ص ۱۱۳ تا ص ۱۱۶ مطبوعہ اسلامک پبلیکیشنز لاہور)

انسان کے بالوں کی بیع ناجائز ہے

علامہ ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ "بحر الرائق" میں لکھتے ہیں

قولہ وشعر الانسان والانتفاع بہ ای لم یجز بیعہ والانتفاع بہ لان الآدمیّ مکرّم غیر متبذّل فلایجوزان یکون شئ من اجزائہ مہانامتبذّلا۔

(بحر الرائق ج ۱ ص ۸۱ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

انسان کے بال کی خرید وفروخت اور اس سے انتفاع جائز نہیں کیونکہ انسان قابلِ تکریم ہے قابلِ استعمال نہیں۔ لہذا اسکے اجزاء میں سے کسی جز کو ذلیل کرنا اور استعمال کرنا جائز نہیں۔

شیخ الاسلام علامہ علی بن ابی بکر مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق کتاب "ھدایۃ" میں لکھتے ہیں

"ولا یجوز بیع شعور الانسان ولا الانتفاع بہ لان الآدمیّ مکرّم لامتبذّل فلایجوزان یکون شئ من اجزائہ مہانامتبذّلا"۔

(ھدایہ ج ۳ ص ۵۵ مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

انسان کے بالوں کو بیچنا جائز نہیں اور نہ ہی ان سے نفع حاصل کرنا جائز ہے

اسلئے کہ انسان قابل تکریم ہے قابل استعمال نہیں لہذا انسان کے اعضاء واجزاء میں سے کسی بھی جز کی توہین کرنا اور اسکا بے دریغ استعمال کرنا جائز نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان اور اسکے جملہ اعضاء معزز اور غیر مستعمل ہیں ۔متبذَّل اور قابلِ انتفاع واستعمال ہونا یہ مال کی صفت ہے جبکہ انسان نفع حاصل کرنے والا ہے اور دیگر اشیاء کو خرچ کرنے والا ہے خود قابل استعمال وقابل انتفاع نہیں۔

"نور الانوار" میں ہے۔

"لامماثلة بین الآدمیّ المالك وبین المال المملوك المتبذّل"

(نور الانوار ص ٤١ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

(انسان مالک اور خرچ کرنے والا ہے مال مملوک اور خرچ ہونے والا ہے)

مالک آدمی اور خرچ کیئے جانے والے مالِ مملوک کے درمیان کوئی مماثلت نہیں۔جو چیز قابل استعمال نہ ہو اسکی بیع، ہبہ اور وصیت ناجائز ہے ورنہ خلاف مقصود لازم آئے گا۔انسانی اجزاء میں سے بال ایسے اجزاء ہیں جن کو کاٹا جاتا ہے حلق (مونڈا) کیا جاتا ہے ان اجزاء کے کاٹنے یا مونڈنے سے تکلیف واذیت بھی ہوتی جبکہ دیگر اعضاء واجزاء مثلاً دل، گردہ، ہڈی، ہاتھ پاؤں آنکھ، کان، ناک وغیرہ ایسے اعضاء ہیں کہ انکی کاٹ چھانٹ سے شدید اذیت وتکلیف ہوتی ہے بسا اوقات انسان کی جان خطرے میں پڑ جاتی ہے۔جن اعضاء واجزاء کو کاٹنے سے اذیت نہیں ہوتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی پیوندکاری سے منع فرمادیا اور ایسے پیوندکار پر لعنت فرمائی تو اندازہ کیجئے انسان کے ان اعضاء کا جنکی پیوندکاری سے انسان کو شدید تکلیف ہوتی ہے اور کبھی کبھار انسانی جان خطرے میں پڑ جاتی ہے انکی قطع وبرید اور پیوندکاری

پر انسان کس قدر لعنت کا مستحق ہوگا؟ انسانی بالوں کی پیوندکاری اگر حرام ہے تو دیگر اعضاء واجزاء کی پیوندکاری بدرجہ اولیٰ حرام ہوگی۔ ناجائز وحرام کام کی وصیت کرنا بھی ناجائز وحرام ہوتی ہے لہذا انسانی اعضاء کی وصیت ناجائز وحرام ہے۔

انسانی جلد سے انتفاع کا شرعی حکم

انسان کے دیگر اعضاء واجزاء کی طرح جلد سے نفع حاصل کرنا بھی ناجائز و حرام ہے۔ اسکی بیع، ہبہ وعطیہ اور وصیت ناجائز ہے کیونکہ انسان اپنے تمام اجزاء کے ساتھ قابل احترام ہے اور اسکے اجزاء کا استعمال انسانیت کی توہین وتذلیل ہے۔

قاضی شرعی سعدی ابو حبیب لکھتے ہیں۔

"ان جلد الانسان لایحل سلخه ولا دباغه ولا استعماله باجماع المسلمین"۔

(موسوعة فی الفقه الاسلامی ج ۱ ص ۱۵۱)

مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ انسان کی جلد کو اتارنا، دباغت دینا اور استعمال کرنا جائز نہیں۔

ملک العلماء علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی رحمۃ اللہ علیہ جلد انسانی پر بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں

وامّا جلد الانسان فان کان یحتمل الدباغ وتندفع رطوبته بالدبغ ینبغی ان یطهر لانه لیس بنجس العین لکن لایجوز الانتفاع به احتراما له۔

(بدائع الصنائع ج ۱ ص ۸۶ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

انسانی جلد کی دباغت ممکن ہے اور اسکی رطوبت دباغت کی وجہ سے ..

ہوسکتی ہے مناسب بات یہ ہے کہ جلد انسانی دباغت کی وجہ سے پاک ہوجائے کیونکہ انسان نجس العین نہیں لیکن احترام انسانیت کی وجہ سے انسانی جلد سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں ۔یعنی دباغت کی وجہ سے انسان کی جلد پاک تو ہوجائے گی لیکن طہارت کے باوجود اسکا استعمال جائز نہ ہوگا کیونکہ جلد انسان کا استعمال تکریم انسانیت کے منافی ومعارض ہے۔

علامہ زین الدین ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ "بحرالرائق "میں لکھتے ہیں۔

"واما جلد الآدمی فقد ذکر فی الغایۃ انہ اذادبغ طھرولکن لایجوزالانتفاع بہ کسائراجزائہ"۔

(بحرالرائق ج ۱ ص ۱۰۰ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

غایہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ انسان کی جلد کو جب دباغت دی جائے تو وہ پاک ہوجاتی ہے لیکن دیگر اعضاء انسانی کی طرح انسان کی جلد سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں۔

علامہ محمد بن محمود بابرتی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"وجلد الآدمی لکرامتہ لئلا یتجاسرالناس علی من کرمہ اللہ بابتزال اجزائہ"۔

(عنایہ شرح ھدایہ ج ۱ ص ۸۲ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

انسان کی جلد خداداد کرامت کی وجہ سے دباغت سے پاک نہیں ہوتی (عدمِ طہارت کا حکم اسلئے ہے) تاکہ لوگ انسان (جسے اللہ تعالیٰ نے مکرم بنایا ہے) کے اجزاء کو استعمال کرنے کی جرأت نہ کرسکیں۔

کچھ علماء نے دباغت کی وجہ سے انسانی جلد کی طہارت کا فیصلہ کیا ہے لیکن کچھ علماء

انسان کی جلد کے دباغت کی وجہ سے جلد انسانی کے پاک نہ ہونے کے قائل ہیں۔ علامہ بابرتی بھی انہیں علماء میں سے ہیں جو دباغت کی وجہ سے جلد انسانی کے پاک نہ ہونے کے قائل ہیں۔ علامہ بابرتی فرماتے ہیں کہ دباغت کی وجہ سے انسان کی جلد پاک نہیں ہوتی لہذا انسان کی جلد کا استعمال جائز نہیں۔ اگر دباغت کی وجہ سے انسان کی جلد کی طہارت کا فیصلہ دے دیا جائے تو لوگ جلد انسانی کے استعمال وابتذال پر جرأت کر بیٹھیں گے اور انسان کی جلد یا دیگر اعضاء واجزاء کا استعمال تکریمِ انسانیت کے سراسر مخالف ومعارض ہے لہذا انسانی جلد کی بیع، ہبہ وعطیہ اور وصیت اور دیگر کسی قسم کا انتفاع ناجائز وحرام قرار دیا ہے۔ گویا بعض علماء انسانی جلد کے حرام ہونے کی وجہ یہ قرار دیتے ہیں کہ یہ تکریمِ انسانیت کی بناپر دباغت کی وجہ سے پاک نہیں ہوتی بعض فرماتے ہیں پاک تو ہوجاتی ہے لیکن تکریم انسانیت کی وجہ سے قابل استعمال نہیں۔ دونوں حضرات کا مقصود نظریہ ہے کہ انسانی جلد اور دیگر اعضاء کو استعمال کرنا ناجائز وحرام ہے۔

علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد الحصکفی قدس اللہ سرہ العزیز لکھتے ہیں۔

وکل اھاب دبغ ولو بشمس وھو یحتملھا طھر فیصلی بہ ویتوضأ منہ خلا جلد خنزیر فلا یطھر وقدم لان المقام للاھانۃ وآدمی فلا یدبغ لکرامتہ ولو دبغ طھر وان حرم استعمالہ حتی لو طحن عظمہ فی دقیق لم یؤکل فی الاصح احتراما (ملتقطاً)

(الدر المختار مع ردالمحتار ج ۱ ص ۲۹۳ مطبوعہ مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

ہر جلد دباغت سے پاک ہوجاتی ہے اگرچہ سورج سے ہی کیوں نہ ہو۔ اس جلد (کھال) پر نماز پڑھنا جائز ہے اور اسکی مدد سے وضو کرنا جائز ہے سوائے خنزیر کی

جلد کے کیونکہ وہ اھانت کی وجہ پاک نہیں ہوتی اور آدمی کی جلد کے، اسے دباغت نہ دی جائے اسکی کرامت کی وجہ سے اگر بالفرض دباغت دیدی جائے تو پاک ہوجائے گی لیکن اسکا استعمال حرام ہوگا۔ حتی کہ اگر انسان کی ہڈی پیس کر آٹے میں مل جائے تو اصح قول کے مطابق احترام انسانیت کی وجہ سے اس آٹے کو نہ کھایا جائے۔

فقہاء کرام کی جملہ عبارات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے دیگر اعضاء کی طرح احترام انسانیت کی وجہ جلد انسانی استعمال بھی ناجائز وحرام ہے۔

انسانی دانتوں سے انتفاع ووصیت کا حکم

کسی بھی شخص کیلئے کسی دوسرے انسان کے اعضاء کا استعمال جائز نہیں دیگر اعضاء انسانی کی طرح انسان کے دانت بھی قابل تکریم ہیں اگر کسی انسان کا دانت گر جائے وہ اسے دوبارہ پیوند کرنا چاہے تو اس میں اختلاف ہے۔

علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی قدس اللہ سرہ العزیز ''بدائع الصنائع'' میں لکھتے ہیں۔

ولو سقط سنّه يكره ان يأخذ سنّ ميت فيشدّها مكان الاولىٰ بالاجماع وكذا يكره ان يعيد تلك السنّ الساقطة مكانها عند ابى حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالىٰ ولكن يأخذ من شاة زكيّة فيشدّها مكانها وقال ابو يوسف لا بأس بسنّه ويكره من غيره۔

(بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۳۲ مطبوعه ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

اس بات پر اجماع ہے کہ اگر کسی انسان کا دانت گر جائے اسکی جگہ مردہ انسان کا دانت لگانا ناجائز ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ اور امام محمد رحمھما اللہ تعالیٰ کے

نزدیک اگر کسی شخص کا دانت گر جائے تو اسے دوبارہ اپنی جگہ پر لگانا جائز نہیں ہاں کسی ذبح کی ہوئی بکری کے دانت کے استعمال میں کوئی حرج نہیں اسے استعمال کرنے کی اجازت ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر کسی شخص کا دانت گر جائے اسے دوبارہ اپنی جگہ پر پیوند کرنا جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں دوسرے کے دانت کو پیوند کرنا جائز نہیں مکروہ ہے۔

علامہ کاسانی کی عبارت سے معلوم ہوا کہ انسان کا دانت غیر کیلئے استعمال کرنا جائز نہیں۔لہذا دانتوں کے بارے میں غیر کیلئے وصیت ناجائز ہے۔امام اعظم ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک دانت ایک مرتبہ جدا ہو جائے تو اسے دوبارہ پیوند کرنا جائز نہیں۔اسلئے کہ جسم سے جو حصہ کٹ کر الگ ہو جائے اسکو دفن کرنا واجب ہے۔اسکو دوبارہ استعمال کرنے میں اس سے انحراف پایا جاتا ہے۔

"انّ السنّ من الآدمی جزء منه فاذاانفصل استحق الدّفن ككلّه والاعادة صرف له عن جهة الاستحقاق فلا تجوز"۔

(بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۳۳ مطبوعه ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

دانت انسان کا جز ہے جب بدن سے جدا ہو گیا تو وہ دفن کا مستحق ہو گیا جیسے کل بدن اور اس دانت کو دوبارہ استعمال کرنا اسکو اسکے استحقاق سے روکنا ہے۔ لہذا جائز نہیں۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے کیونکہ انسان کو خود اپنے جزء سے نفع حاصل کرنا از قبیل اہانت نہیں۔

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

"و لااهانة فی استعمال جزء منه"۔

(بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۳۳ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

''اپنے جز کے استعمال میں اسکی توہین نہیں ہے''۔

صاحبِ درمختار علامہ علاؤالدین محمد بن علی بن محمد الحصکفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

"المنفصل من الحی کمیتة الافی حق صاحبه"

(الدر المختار مع ردالمحتار ج ۹ ص ۵۱۶ مطبوعہ مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

زندہ سے الگ ہونے والا جسم کا حصہ مردار ہے مگراس عضو والے کیلئے مردار نہیں۔

شیخ طاہر بن عبدالشید بخاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

واذا اسقط السنّ لا یعیدها الیٰ مکانها و یشدّها ولکن یأخذ من شاة ذکیة و یضعها مکانها وقال ابو یوسف یأخذ سنّ نفسه ولا یأخذ سنّ غیره و یجوز الصّلوة مع سنّ غیره اذا کانت مشدودة بالذهب والفضة۔

(خلاصة الفتاوی ج ٤ ص ۳۷۱ مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ)

اور جب کسی شخص کا دانت گر جائے تو اسے دوبارہ اپنی جگہ پر پیوند نہ کرے البتہ مذبوحہ بکری کا دانت اس کی جگہ پر پیوند کرے۔ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اپنے دانت کو دوبارہ پیوند کرے دوسرے کے دانت کو پیوند نہ کرے۔ اپنے دانت کے ساتھ نماز جائز ہے غیر کے دانت کے ساتھ نماز جائز نہیں۔ (صاحب خلاصۃ الفتاوی فرماتے ہیں) ان دونوں کے درمیان فرق ہے جو (ابھی) مستحضر نہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں غیر کے دانت (کو پیوند کرنے سے) نماز

جائز ہے جب کہ وہ سونے اور چاندی (کے تاروں سے) باندھا ہوا ہو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے دانت کو دوبارہ پیوند کرنا جائز ہے اس باب میں فتویٰ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی رائے پر ہے اور عام طور پر فقہاء کرام نے اسکو جائز ہی کہا ہے۔

انسانی آنکھ یا قرنیہ کے استعمال ووصیت کا حکم

آنکھ اور قرنیہ کا وہی حکم ہے جو دیگر اعضاء انسانی کا ہے انسان کے دیگر اعضاء کی طرح یہ بھی قابل احترام عضو ہے۔ جسطرح دیگر انسانی اعضاء کا استعمال تکریم انسانیت کے منافی ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے اسی طرح آنکھ اور قرنیہ کا استعمال، بیع، ہبہ وعطیہ اور وصیت ناجائز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو مظاہر فطرت کو دیکھنے کیلئے دو آنکھیں عطا کی ہیں۔ جو انسان کے پاس اللہ کی امانت ہیں انکے بارے میں سوال ہوگا۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"الم نجعل له عينين ولساناو شفتين"۔ (البلد ۹۸)

"کیا ہم نے نہیں دی اسے دو آنکھیں، زبان اور دو ہونٹ۔

اب اگر کوئی شخص اپنی ایک آنکھ اپنی زندگی میں کسی ایسے شخص کو دینا چاہے جسکی دونوں آنکھیں چلی ہوگئی ہوں یا اپنی وفات کے بعد ایسے ہی کسی شخص کیلئے اپنی دونوں آنکھوں کی وصیت کر جائے تو باوجود اسکے کہ وہ ایثار سے کام لے رہا ہے اسکا یہ فعل قابل مذمت ہوگا کیونکہ شریعت نے اسے اس تصرف کی ہرگز اجازت نہیں دی

ہے اور نہ دوسری آنکھ اس کیلئے بیکار عضو کی حیثیت رکھتی ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کا کوئی عضو بیکار پیدا نہیں کیا بلکہ ہر عضو کی تخلیق میں عظیم مصلحت کارفرما ہے۔

انسان کی اگر ایک آنکھ کو نکال دیا جائے تو انسان کے چہرے کی ساخت مین فساد و بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ چہرہ کریہ المنظر ہو جاتا ہے انسانی ساخت کے بگاڑ کا نام مثلہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے مثلہ سے منع فرمایا ہے سنن ابی داوٗد میں حدیث پاک ہے۔

عن الهيجان بن عمران ان عمران ابق له غلام فجعل لله عليه لئن قدر عليه ليقطعن يده فارسلني لأسأل له فاتيت سمرة بن جندب فسألته فقال كان رسول الله ﷺ يحثنا على الصدقة وينهانا عن المثلة۔

(سنن ابی داؤد ج ۲ ص ٦ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

حضرت ہیجان بن عمران سے مروی ہے کہ حضرت عمران کا غلام بھاگ گیا تو انہوں نے یہ نذر مانی اگر میں اس غلام پر قادر ہو گیا (یعنی وہ میرے ہاتھ لگ گیا) تو میں ضرور بضرور اسکے ہاتھ کاٹ دونگا حضرت ہیجان کہتے ہیں کہ اس مسئلہ کے استفسار کیلئے حضرت عمران سے مجھے سمرہ بن جندب کے پاس بھیجا میں نے ان سے مسئلہ پوچھا تو انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ ہمیں صدقہ کی ترغیب دیتے تھے اور مثلہ سے منع کیا کرتے تھے، میں آیا حضرت عمران بن حصین کے پاس میں نے یہ مسئلہ ان سے پوچھا۔ تو انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ ہمیں صدقہ کی ترغیب دیتے تھے اور مثلہ سے منع فرماتے تھے۔

جسم انسانی سے آنکھ کا نکالنا مثلہ ہے حدیث مذکور کی روشنی میں مثلہ کی ممانعت ہے لہذا انسان کی آنکھ کا غیر کیلئے استعمال کرنا، غیر کو ہبہ وعطیہ کرنا اور غیر کیلئے

وصیت کرنا ناجائز ہے۔

مغالطہ

یہاں پر مغالطہ یہ پیدا ہو رہا ہے کہ ضرورت کے وقت ممنوع اور حرام اشیاء بھی مباح ہو جاتی ہیں کیونکہ یہ فقہی ضابطہ ہے۔ الضرورات تبیح المحظورات ۔(ضرورتیں ممنوع چیزوں کو مباح کر دیتی ہیں) مانا کہ انسانی اعضاء کا احترام لازم وضروری ہے اور ان کا استعمال ناجائز و حرام ہے لیکن جہاں ضرورت ہو وہاں انسانی اعضاء و اجزاء کا استعمال ''الضرورات تبیح المحظورات" کے قانون کے مطابق مباح ہونا چاہیے لہذا نابینے کو بینائی کی ضرورت ہے جس شخص کے گردے ناکارہ ہو جائیں اسے گردے کی ضرورت ہے، لنگڑے کو ٹانگ کی ضرورت ہے، گنجے کو بالوں کی ضرورت ہے ۔ان تمام ضرورتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے قانون مذکور کی روشنی میں انسانی اعضاء کا استعمال جائز ہونا چاہیے۔ انسانی ضرورت کے پیش نظر اعضاء انسانی کی وصیت کی اجازت ہونی چاہیے۔

جواب

مغالطہ کے جواب سے قبل تمہیداً ضرورت کی اقسام خمسہ مع تعریفات وامثلہ تحریر کی جاتی ہیں تاکہ جواب کے سمجھنے میں آسانی ہو۔

علاّمہ سیّد احمد بن محمد حموی مصری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

ضرورت کی تعریف

فالضرورۃ بلوغہ حدًّا ان لم یتناول الممنوع ھلك اوقارب

وهذا يبيح تناول الحرام۔

(حاشیہ حموی علی الاشباہ والنظائر ج ۱ ص ۱۱۹ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم السلامیہ کراچی)

ضرورت کی تعریف یہ ہے کہ انسان اس حد تک مجبور ہو جائے کہ اگر وہ کسی حرام و ممنوع شے کو نہ کھائے تو ہلاک یا قریب الہلاک ہو جائے۔ (حالت اضطراری اسی کو کہتے ہیں) یہ حالت حرام کے کھانے حلال کر دیتی ہے۔

اس حالت میں ممنوع اشیاء کا استعمال تین شرطوں کے ساتھ مباح ہو جاتا ہے۔

(۱) حالت اضطرار ہو کہ حرام اشیاء کے استعمال نہ کرنے میں جان کا خطرہ ہے۔

(۲) یہ خطرہ محض موہوم نہ ہو بلکہ کسی معتمد حکیم یا ڈاکٹر کے کہنے کی بنا پر عادۃً (تجربہ) یقینی جیسا ہو۔

(۳) اس حرام شے کے استعمال سے جان بچ جانا بھی کسی معتمد حکیم یا ڈاکٹر کی تجویز سے عادۃ یقینی ہو۔

ان تینوں شرائط کے ساتھ حرام اشیاء مباح ہو جاتی ہیں۔

حاجت کی تعریف:۔

والحاجة كالجائع الّذى لم يجد ما يأكله لم يهلك غير انه يكون فى جهد ومشقة وهذا لا يبيح الحرام ويبيح الفطر فى الصوم۔

(حاشیہ حموی علی الاشباہ والنظائر ج ۱ ص ۱۱۹ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)

حاجت کی تعریف یہ ہے کہ انسان ایسی حالت میں ہو کہ وہ ممنوع و حرام چیز کو نہ کھائے تو وہ ہلاک یا قریب الہلاک نہ ہو مثلاً شدید بھوکا آدمی اگر ایسی شے نہ پائے جسکو وہ کھائے تو وہ ہلاک نہ ہو لیکن اسے تکلیف و مشقت ہو۔ تو اس صورت میں

ممنوع اور حرام اشیاء کا استعمال جائز نہیں البتہ روزہ افطار کرنے کی اجازت ہے۔

منفعت کی تعریف

"والمنفعة کالّذی یشتھی خبزالبر ولحم الغنم و الطعام الدسم"

(حاشیہ حموی علی الاشباہ والنظائر ج ۱ ص ۱۱۹ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)

منفعت یہ ہے مثلاً ایسا شخص ہو جو گندم کی روٹی، بکری کا گوشت اور چربی دار کھانے کی خواہش کرے۔

اس صورت میں ممنوع و حرام اشیاء کا استعمال ناجائز ہے۔

زینت کی تعریف:۔

"والزّینة کالمشتھی بحلویٰ والسکر"

(حاشیہ حموی علی الاشباہ والنظائر ج ۱ ص ۱۱۹ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)

زینت یہ ہے مثلا کوئی شخص حلویٰ اور مٹھائی کا خواہشمند ہو۔

اس صورت میں بھی ممنوع و ناجائز اشیاء کا استعمال کرنا جائز نہیں۔

فضول کی تعریف

"والفضول التوسّع باکل الحرام والشبھة"

(حاشیہ حموی علی الاشباہ والنظائر ج ۱ ص ۱۱۹ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)

وسعت کیلئے حرام اور مشتبہ چیزوں کے کھانے کا نام فضول ہے۔

اس صورت میں بھی حرام اور ممنوع اشیاء کا استعمال ناجائز ہے۔

اس تمہید کے بعد جواب یہ ہے کہ حرام اور ممنوع اشیاء کا استعمال اس وقت مباح

ہوتا ہے جب اضطراری حالت ہو حاجت، منفعت، زینت اور فضول کی حالت میں ممنوع اشیاء مباح نہیں ہوتیں۔ اور قانون "الضرورات تبیح المحظورات" ضرورت بمعنی حالت اضطرار کیلئے ہے دیگر مراتب اربعہ یعنی حاجت، منفعت، زینت اور فضول کیلئے نہیں۔

نابینے کو مضطرّ قرار دینا واضح غلطی ہے

نابینے کو آنکھ کی ضرورت ہے وہ بمعنی حالت اضطرار کے نہیں بلکہ حاجت یا منفعت کے مرتبے میں ہے کیونکہ جو شخص مفقود البصر (نابینا) ہو وہ مضطر نہیں ہوتا۔ نابینے کا گذر اوقات بغیر آنکھوں کے بھی ہوسکتا ہے۔ زمانہ شاہد ہے کہ ہزاروں مفقود البصر (نابینے) انسان اس جہاں میں آنکھوں کا علاج کروائے بغیر شاندار زندگی بسر کر رہے ہیں، بے شمار حفاظ قرآن، علمائے دین نابینے ہیں۔ وہ آنکھون کی بینائی کے نہ ہونے کے باوجود قال اللہ اور قال الرّسول کا درس دے رہے ہیں اگر آنکھ کی بینائی کا نہ ہونا انسان کیلئے ہلاکت یا قریب الہلاک کا باعث ہوتا تو انسان اسطرح قابل رشک زندگی نہ گزارتا۔

نابینے کو جنت کی بشارت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نابینے کو جنت کی بشارت دی ہے۔ صحیح بخاری میں ہے۔

عن انس بن مالك قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول انّ اللہ قال اذاابتلیت عبدی بحبیبتیه فصبر عوّضته منهاالجنة یرید عینیه ،

(صحیح بخاری ج ۲ ص ٨٤٤ مطبوعه قدیمی کتب خانه کراچی)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کوفرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ جب میں اپنے بندے کا امتحان اسکی دو محبوب چیزوں یعنی آنکھوں کے ساتھ لیتا ہوں تو وہ اس پرصبر کرے تو میں ان دو آنکھوں کے بدلے میں جنت دیتا ہوں۔

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ نابینا انسان مضطرنہیں اورنا بینے کیلئے آنکھوں کا علاج کوئی ضروری نہیں کہ آنکھوں کا علاج کروائے بغیر وہ ہلاک یا قریب الہلاک ہوجائے۔

فتاویٰ ھندیہ میں ہے

والرجل اذااستطلق بطنه اورمدت عيناه فلم يعالج حتّى اضعفه ذالك واضنّاه ومات منه لااثم عليه۔

(فتاویٰ ھندیہ ج ۵ ص ۲۵۵ مطبوعہ پشاور)

جب کسی انسان کا پیٹ چل پڑے (یعنی اسے پچس لگ جائیں) یا اسکی دونوں آنکھیں دکھ جائیں تو وہ اسکا علاج نہ کروائے حتی کہ وہ کمزور ہوجائے یا مرجائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

فتاوی ھندیہ میں مزید یہ ہے:

"مرض او رمد فلم يعالج حتّى مات لايكون اثما"۔

(فتاویٰ ھندیہ ج ۵ ص ۲۵۵ مطبوعہ پشاور)

کوئی شخص اگر سخت بیمار ہوا یا اسکی آنکھوں میں شدید درد ہوا پھر اس نے علاج نہ کروایا حتٰی کہ وہ مر گیا تو وہ گنہگار نہ ہوگا۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے

ولو ان رجلا ظهر به داء فقال له الطبيب غلب عليك الدم فاخرجه فلم يفعل حتّى مات لايكون اثماً لانه لم يتيقّن ان شفائه فيه۔

(فتاوى قاضى خان)

اگر کسی شخص میں بیماری ظاہر ہوئی طبیب نے کہا تمہارے اندر خون کا غلبہ ہے خون نکالنے سے صحیح ہو جائے گا تم خون نکالو مریض نے ایسا نہ کیا حتی کہ وہ مر گیا تو وہ گنہگار نہ ہوگا۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی ''الفقه الاسلامی وادلّته'' میں لکھتے ہیں:

من امتنع عن التّداوى حتّى مات لايجب عليه ولا يعصى بالترك اذلا يتيقن ان الدواء يشفيه۔

(الفقه الاسلامى وادلّته ج ٤ ص ٢٦٠٢ مطبوعه مكتبه رشيديه كوئٹه)

جو شخص علاج کروانے سے رکا حتی کہ وہ مر گیا۔ تو علاج اس پر واجب نہیں اور نہ ہی ترکِ علاج کی وجہ سے وہ گنہگار ہوگا کیونکہ یہ بات یقینی نہیں کہ دوا اسے شفا دے گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ آنکھوں کا علاج کروانا کوئی فرض یا واجب نہیں اگر آنکھوں کا علاج فرض یا واجب ہوتا تو علاج نہ کروانے کی صورت میں مبتلائے مرض گنہگار ہوتا جبکہ کتبِ فتاویٰ کی عبارات سے واضح ہے کہ ترک علاج سے انسان گنہگار نہیں۔ یہ قانون ہے جس کا ترک عصیان ہو اسکا اتیان واجب ہوتا ہے چونکہ آنکھوں کے علاج کو ترک کرنا عبارت مذکورہ کی روشنی میں عصیان نہیں لہذا آنکھوں کا علاج کروانا

واجب وضروری نہیں۔ الختصر نابینے کیلئے آنکھ کی وصیت کرنا اور اسے ضرورت بمعنی حالت اضطرار میں شمار کرنا درست نہیں۔ زندہ آدمی کیلئے اندھے پن کا علاج کروانا ایک مستحب امر ہے مستحب کیلئے مکروہ کا ارتکاب بھی جائز نہیں تو فعل حرام، اعضاء انسانی کی پیوند کاری اور دوسرے کی آنکھیں نکالنا کیسے جائز اور حلال ہوگا؟ جبکہ انسانی اعضاء کا استعمال تو حالت اضطرار میں بھی جائز نہیں۔

بیماری میں صبر و تحمل پر جزا

مرض کی حالت میں اگر مریض صبر و تحمّل کا مظاہرہ کرے تو یہ اس کے لئے بہتر ہے حدیث میں تو ایسے شخص کو جنت کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔

(۱) حدّثنی عطاء بن ابی رباح قال قال لی ابن عباس الا أریك امرأة من اهل الجنة قلت بلی قال هذه المرأة السّوداء اتت النبی ﷺ قالت انّی اصرع وانی اتکشف فادع الله لی قال ان شئت صبرت و لك الجنة وان شئت دعوت الله ان یعافیك قالت اصبر قالت فانّی اتکشف فادع الله ان لا اتکشف فدعالها

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۱۹ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت عطاء بن ابی رباح سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے (ایک دن) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کیا میں تم کو ایک جنتی عورت نہ دکھادوں؟ میں نے کہا کیوں نہیں۔ فرمایا یہ سیاہ فام عورت۔ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی۔ یارسول اللہ ﷺ مجھ پر مرگی کا

دورہ پڑھتا ہے۔ جس سے میرا استر کھل جاتا ہے آپ میرے لئے دعا کیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم چاہو تو اس پر صبر کرو تم کو جنت مل جائے گی اور اگر تم چاہو تو میں اللہ سے دعا کرتا ہوں وہ تم کو صحت عطا فرمائیگا۔ اس عورت نے کہا میں صبر کرتی ہوں۔ اس نے کہا میرا استر کھل جاتا ہے آپ یہ دعا فرمادیں کہ میرا استر نہ کھلے پھر آپ ﷺ نے اسکے لئے دعا کردی۔

نبی پاک ﷺ مختار ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے حدّ وعد اختیارات عطا فرمائے ہیں، آپ نے متعدد بیماروں کا علاج فرمایا۔ اور یک دم فرمایا ہے لیکن اس عورت کی مرگی کا علاج نہ کیا۔ دونوں راستے اس کے سامنے رکھ دیئے جنت چاہتی ہو تو صبر کرو، علاج چاہتی ہو تو اللہ کی بارگاہ میں دعا کردیتا ہوں وہ تمہیں شفا عطا فرمائے گا۔ اس حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ علاج فرض یا واجب کے زمرے میں نہیں آتا۔

(۲) عن صهيب بن سنان ان النّبی ﷺ قال عجباً لا مرالمؤمن ان امره كله خير وليس ذالك لاحد الاللمؤمن ان اصابته سرّاء شكر فكان خيراً له وان اصابته ضرّاء صبر فكان خيراً له ۔

(فقه السّنة ج ۱ ص ۴۳۰ مطبوعة دارالكتب قصه خوانی بازار پشاور)

حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بے شک نبی ﷺ نے فرمایا۔ مومن کے معاملے پر تعجب ہے بے شک اسکا تمام کا تمام معاملہ خیر ہے۔ اور یہ مومن کے علاوہ کسی کے لئے بھی نہیں۔ اگر اسے کوئی خوشی پہنچے تو وہ شکر کرے تو اسکے

لئے خیر ہے اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچے وہ صبر کرے تو اسکے لئے خیر ہے۔

بیماری بھی ایک قسم کی تکلیف ہے جو شخص بیماری کی حالت میں صبر کرے حدیث مذکورہ کی روشنی میں ایسے شخص کے لئے خیر اور بہتری ہے۔

گردہ کی پیوند کاری پر ڈاکٹر مختار حامد (ماہر امراضِ گردہ) کی رائے:

حال ہی میں کرنل (ر) ڈاکٹر مختار حامد شاہ (ماہر امراض گردہ) کا مضمون ''گردہ کی پیوند کاری'' نظروں سے گذرا۔ جو معلومات کے حوالے سے انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ چند اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں۔

پاکستان میں ہر سال پندرہ ہزار مریضون کے گردے فیل ہوتے ہیں ان مریضون کے علاج کے دو طریقے ہیں۔ (۱) ڈائیلسس (۲) گردہ کی پیوند کاری

ڈائیلسس

یہ طریقہ مہنگا بھی ہے اور مشکل بھی۔ مریض کو ہر تیسرے روز ڈائیلسس کیلئے ہسپتال آنا پڑتا ہے۔ مریض اپنے روزمرہ کے کام نہیں کرسکتا۔ تمام دنیا میں اس علاج کو عارضی علاج سمجھا جاتا ہے۔ ہمارے ستر (70) فیصد عوام گاؤں میں رہتے ہیں۔ ان کیلئے دور دراز علاقوں میں شہر کی طرف آنے کیلئے اضافی اخراجات برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ اس وقت تمام ملک میں سرکاری ہسپتالوں میں صرف 150 مشینیں ہیں۔ اور پرائیویٹ اداروں میں 300 مشینیں ہیں۔ یہ مشینیں سال بھر صرف 1350 مریضوں کیلئے کافی ہیں۔ باقی 13650 مریضون کا کیا حشر ہوتا ہے اللہ بہتر جانتا ہے انکی موت کا کون ذمہ دار ہے؟ معاشرہ، ڈاکٹر یا حکومت؟

گردہ کی پیوند کاری

گردہ کی پیوند کاری کے لئے گردہ یا تو بعد از مرگ یا زندہ آدمی کے عطیہ کردہ گردہ سے کیا جا سکتا ہے دنیا میں عطیہ کرنے والے رشتہ دار ہو سکتے ہیں یا غیر رشتہ دار۔ بعد از مرگ گردہ کی پیوند کاری کیلئے مندرجہ ذیل انتظامات فوری طور پر کرنے ہونگے۔ گردہ کے پندرہ ہزار مریضوں کیلئے پیوند کاری کیلئے گردہ اور دیگر اعضاء کے حصوں کیلئے 525 طبی مراکز بنانا پڑیں گے۔ان سینٹرز کا بنیادی مقصد حادثہ کے شکار ہونے والے مریضوں کا علاج ہوتا ہے۔ چنانچہ ہمیں ان سینٹرز میں ہر قسم کے سپیشلسٹ کی خدمات حاصل کرنی پڑیں گی۔فرض کریں جائے حادثہ سے دس لائے گئے مریضوں میں سے 8 مریض بروقت طبی امداد مہیا ہونے کی وجہ سے صحت یاب ہو جاتے ہیں اور دو مریض صحت یاب نہیں ہو سکتے اور انکی دماغی طور پر موت واقع ہو گئی ہے ان مریضون کو مصنوعی سانس کے ذریعے زندہ رکھا جا سکتا ہے۔ان مریضوں کے باقی اعضاء کی پیوند کاری کیلئے صحت مند ہوتے ہیں۔ان مریضوں کا خون ٹیسٹ کیا جاتا ہے تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ ان کے اعضاء کس شہر میں منتظر مریض کے لئے لے جانے ہونگے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ وہاں ان مریضوں کے علاج اور پیوند کاری کے انتظامات ہوں۔ان کے اعضاء کو کم سے کم وقت میں ہیلی کاپٹرز اور ہوائی جہازوں کے ذریعے جلد از جلد مقرر مقامات پر پہنچانا ضروری ہوتا ہے۔ان سارے انتظامات کے اخراجات 120 ارب روپے شروع میں 120 ارب روپیہ سالانہ خرچ ہوگا۔ یہ یاد رہے کہ اس وقت ہم بات کر رہے گردہ کی پیوند کاری کی۔ اگر ہم جگر، دل، انتریوں

وغیرہ کی بات کرتے ہیں تو ہر قسم کے مریضوں کے علاج کیلئے اور اس وقت تک زندہ رکھنے کیلئے جب تک پیوند کاری کا آپریشن نہیں ہو جاتا اربوں روپے درکار ہونگے۔ہم تو اس وقت گردہ فیل ہونے والے مریضوں کو زندہ رکھنے کیلئے سوچ بھی نہیں سکتے۔ سب سے ضروری بات یہ ہے کہ موت سے پہلے عطیہ کرنے والے کیلئے وصیت نامہ ہونا چاہیے۔جب گردہ کے مریضوں کو پیوند کاری کیلئے زندہ رکھیں گے تو پیوند کاری کے باقی انتظامات درکار ہونگے۔

(ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ اس طرح گردے کے مریضوں کا علاج اور اسکے اخراجات ہر سال بڑھتے چلے جائیں گے۔اور بڑے بڑے ملک بھی ان اخراجات کو برداشت نہیں کر سکتے ۱۲ کاظمی)۔

اسی لئے اب تمام ترقی یافتہ ممالک میں بھی عطیہ کرنے والوں کی مقدار کو زیادہ کرنے کیلئے زندگی کے دوران عطیہ کرنے کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے اور اب امریکہ جیسے ملک میں دوران زندگی عطیہ کرنے والوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔

اگر ہم کسی طور اتنی خطیر رقم کا انتظام کر ہی لیں اعضاء کی پیوند کاری کیلئے اعضاء نہیں مل سکیں گے۔اس بات کا اندازہ اس بات سے ہوگا کہ قرنیہ کی پیوند کاری کیلئے ایک بھی قرنیہ کا آپریشن پاکستانی عطیہ سے نہیں ہو سکا۔اس کیلئے نہ تو بہت بڑے خرچ کی ضرورت ہے اور نہ ہی اتنے بڑے انتظامات کی ضرورت ہے۔قرنیہ موت کے 8 گھنٹے کے اندر اندر لیا جا سکتا ہے۔اب تک جتنے بھی قرنیہ کی پیوند کاری کیلئے آپریشن ہوئے ہیں ان کیلئے قرنیہ سری لنکا سے آئے آئی ڈونر ایسوسی ایشن پچھلے کئی سالوں سے ناکام کوشش کر رہے ہیں مطالبہ کیا جاتا ہے کہ بعد از مرگ گردہ یا اعضاء

کیلئے قانون بننا چاہیے مگر یہ کیونکر ہوگا قانون آیا اور لوگ مردوں کے اعضاء دینا شروع کردیں گے۔

ڈاکٹر صاحب کا مضمون بہت طویل ہے جسکا ماحاصل یہ ہے کہ انسانی اعضاء کے ہبہ وعطیہ کا رواج عام ہونا چاہیے۔اس سے کچھ رقم مریض سے حاصل کی جاتی ہے اور کچھ رقم عطیہ کرنے والے کو مل جاتی ہے عطیہ کرنے والا اپنی مرضی سے اپنا عضو عطیہ کرتا ہے۔

اعضاء کی پیوندکاری کے مجوّزہ قانون میں گردہ کی پیوندکاری کے لئے کسی قسم کی پابندی کا قانون، قصاص اور دیت کے قانون سے متصادم ہوگا کیونکہ گردہ کا عطیہ کرنے والا اپنی مرضی سے گردہ کا عطیہ کرتا ہے۔اور معوضہ (ارش) کا مستحق ہوتا ہے اور عطیہ کردہ گردہ ایک انسان کی زندگی بچانے کے کام آتا ہے جبکہ مضروب کی چوٹ کی وجہ سے کسی عضو کے ضائع ہونے میں مرضی شامل نہیں ہوتی۔ضرب لگانے والا مجرم ہوتا ہے اور اسکا جرم ارش کی رقم ادا کرنے سے معاف ہوجاتا ہے حالانکہ عضو بھی ضائع ہوجاتا ہے جسکی اجازت ہمارا قانون اور شریعت دیتی ہے۔

(نوائے وقت رنگین ص (صحت، زراعت وصنعت، ۳ جولائی 2007)

ڈاکٹر مختار حامد شاہ صاحب سے گذارش

ڈاکٹر مختار حامد شاہ صاحب سے گذارش یہ ہے کہ حضرت آپ دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کی مثال پیش کرکے اور ڈائیلسس کے اخراجات کے زیادہ اور طاقت سے باہر ہونے کا جھانسہ دیکر اللہ تعالیٰ کی امانت میں خیانت کا ارتکاب کررہے ہیں۔مردہ

انسان کے جسم واعضاء کی چیر پھاڑ تکریم انسانیت کے سراسر خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو قابل استعمال نہیں بنایا بلکہ کائنات کو اسکے استعمال کیلئے تخلیق فرمایا ہے انسان مکرم ہے متبذل نہیں۔ اگر وہ دنیا سے رخصت ہو گیا ہے تو آپ مزید اسکے جسم واعضاء کی قطع وبرید کر کے اس پر ظلم نہ فرمائیں ان کے حوادثات یا طبعی موت سے مرنے کے بعد انکے گردے اور دیگر اعضاء کو جسم کی چیر پھاڑ کر کے دوسرے شہروں میں مریض حضرات کیلئے جلد از جلد ہیلی کاپٹرز اور ہوائی جہازوں کے ذریعے منتقل کرنے کا خیال شریف نہ کریں۔ یہ مردے کیساتھ زیادتی ہے اور اسکو اسکے حقوق سے محروم کرنا ہے۔ میت کا جنازہ اور تجہیز وتکفین ایک خوبصورت انداز میں قبر وغیرہ میں اتارنا میت کا حق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ڈاکٹرز اور طبیب حضرات کو علاج معالجہ کی اجازت تو دے رکھی ہے لیکن کسی دوسرے انسان کے جسم واعضاء کی چیر پھاڑ غیر کیلئے اور اعضاء کے انتقال و پیوندکاری کی اجازت نہیں دی ہے۔ شریعت اسلامیہ نے جن حدود وقیود تک علاج معالجہ کی اجازت دے رکھی ہے آپ ان حدود کے اندر رہ کر حتی المقدور مریض کی صحت وزندگی کا ضرور بندوبست فرمائیں۔ لیکن ان حدود کو پامال کرنے کی کوشش نہ فرمائیں۔ آپ حد میں رہ کر حتی المقدور علاج کریں اسکے باوجود اگر کوئی شخص فوت ہو جاتا ہے تو وہ اللہ کی امانت تھی اللہ اپنی امانت کو لے گیا۔ اسکی موت کی ذمہ داری معاشرے، حکومت اور ڈاکٹر میں سے کسی پر عائد نہیں ہوتی۔

اسی طرح اپنی زندگی میں کسی شخص کو بھی اپنے اعضاء کسی دوسرے انسان کو ہبہ وعطیہ دینے کی اجازت نہیں۔ کیونکہ ہبہ وعطیہ تو انسان اسی شے کا کر سکتا ہے۔ جس کا وہ مالک ومتصرف ہو جبکہ انسان گردوں اور دیگر اعضاء کا مالک ومتصرف نہیں فقط محافظ ونگراں ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے مضمون کالبِّ لباب یہ بھی ہے کہ انسانی اعضاء کے ہبہ وعطیہ کا رواج ہونا چاہیے اس مریض کا علاج ہو جاتا ہے اور ہبہ وعطیہ کرنے والے کو کچھ رقم مل جاتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب سے یہ گذارش ہے کہ عطیہ تو بغیر عوض کے ہوتا ہے عوض لے کر کسی شے کو دینا تو بیع ہے انسانی جسم واعضاء کی خرید وفروخت ناجائز وحرام ہے۔ آخر میں ڈاکٹر صاحب نے یہ فتویٰ صادر فرمایا:۔

کہ اگر مجوزہ قانون میں گردہ کی پیوند کاری کیلئے کسی قسم کی پابندی عائد کردی تو یہ قانون قصاص اور دیت کے قانون سے متصادم ہوگا۔

ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں مودبانہ گذارش ہے کہ گردہ کی پیوند کاری کا مسئلہ اور ہے اور دیت وقصاس کا مسئلہ اور ہے۔ قصاص ودیت کے مسئلہ پر قیاس کر کے گردے اور دیگر اعضاء کو عطیہ کر کے ان کے عوض رقم حاصل کرنا انتہائی ناانصافی ہے یہ دونوں الگ الگ مسئلے ہیں۔ ان کا آپس میں کوئی جوڑ نہیں۔

یہ بات ہم پوری تفصیل کے ساتھ لکھ چکے ہیں کہ انسان اپنے جسم واعضاء کا مالک نہیں کہ وہ اپنے گردوں اور دیگر اعضاء کو اپنی زندگی میں کسی کو ہبہ وعطیہ کر سکے یا وہ بعد از زندگی اپنے اعضاء کی وصیت کر سکے انسان کے پاس اسکا جسم اور جملہ اعضاء اللہ کی امانت ہیں انسان اپنے جسم واعضاء کا نگران ومحافظ ہے۔ باقی رہا دیت وقصاص کا مسئلہ کہ کسی انسان کو عمداً قتل کر دیا جائے یا خطاً قتل کر دیا جائے یا کسی عضو کو ضائع کر دیا جائے تو قاتل اور عضو کو ضائع کرنے والے کو یا تو قصاصاً قتل کیا جاتا ہے یا ارش یعنی چٹی لی جاتی ہے جسے دیت کہا جاتا ہے۔ تو اسکے بارے میں گذارش یہ ہے کہ یہ دیت وارش انسانی جسم واعضاء کی قیمت یا ثمن نہیں کہ جس سے یہ لازم آئے کہ انسان اپنے

جسم واعضاء کا مالک ہے اور اپنے اعضاء کے عوض قیمت یا ثمن وصول کرسکتا ہے۔ بلکہ دیت وارش یہ انسان اور انسانی اعضاء کو نقصان پہنچانے کا تاوان وضمان ہے اگر دیت انسان کی قیمت یا ثمن ہوتی تو شریعت کی طرف سے اسکا تعین نہ ہوتا۔ جیسے دوسرے اموال کی قیمت اور ثمن انسان خود متعین کرتا ہے اسکی قیمت بھی انسان خود متعین کرسکتا تھا لیکن ایسا کرنا جائز نہیں کہ دیت کی مقدار میں انسان اپنی مرضی سے تبدیل کرے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اگر دیت انسان کی قیمت ہوتی تو تمام آزاد انسانوں کی ایک ہی دیت نہ ہوتی بلکہ دیگر اموال کی طرح فرقِ مراتب کے اعتبار سے قیمت کا تعین ہوتا۔ تیسری وجہ یہ ہے اگر دیت انسان کی قیمت ہوتی تو غلام وآزاد میں فرق نہ ہوتا بحیثیت انسان سب کی قیمت قابلیت اور اوصاف کی زیادتی کی بنا پر ہوتی۔ چوتھی بات یہ ہے دیت کبھی خود قاتل ادا کرتا ہے اور کبھی عاقلہ یعنی کنبہ وخاندان کبھی اہل دیوان اور کبھی کمپنی ادا کرتی ہے کیا انسان کی کی املاک کی قیمت کنبہ اور برادری پر واجب ہے؟ ہرگز نہیں تو پھر دیت کو انسان یا اعضاءِ انسان کی قیمت قرار دینا کیسے درست ہے۔ پانچویں وجہ یہ ہے کہ دیت وراثت میں تقسیم ہوتی ہے کیونکہ ''ضمان'' املاک میں شامل ہوجاتا ہے کیا مردہ انسان کو بھی بحیثیت املاک وراثت میں تقسیم کیا جائے گا۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو دیت اور انسان میں فرق ماننا ضروری ہوگا۔ انسان املاک میں داخل نہیں جبکہ دیت املاک میں شامل ہوجاتی ہے۔ چھٹی وجہ یہ ہے کہ انسان اپنے جسم واعضاء کا مالک نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے جسم واعضاء کو کسی قیمت پر اپنی زندگی میں فروخت نہیں کر سکتا اور نہ ہی قیمت اپنی طرف سے متعین کرسکتا۔ ثابت ہوا کہ دیت وارش (چٹی) انسانی جسم واعضاء کا عوض، قیمت اور ثمن نہیں بلکہ انسانی جنایات کا ضمان وتاوان ہے۔

ملک العلماء علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی رحمۃ اللہ علیہ دیت'' کی وجوہ لکھتے ہیں:

واما المعقول فمن وجهين احدهما ان الآدميّة فيه اصل والماليّة عارض وتبع والعارض لايعارض الاصل والتبع لايعارض المتبوع ودليل اصالة الآدميّة من وجوه احدها انه حينما خلق خلقه آدمياً ثم ثبت فيه وصف المالية بعارض الرق والثانى ان قيام الماليّة فيه بالآدميّة وجوداً وبقاءً لاعلى القلب والثالث ان المال خلق وقايةً للنفس والنفس ماخلقت وقاية للمال فكانت الآدمية فيه اصلاًو وجوداً وبقاءً وعرضاً والثانى ان حرمة الآدمى فوق حرمة المال لان حرمة المال لغيره وحرمة الآدمى لعينه۔ فكان اعتبار النفسيّة واهدار المالية اولىٰ من القب۔

(بدائع الصنائع ج۷ ص ۲۵۷ مطبوعه ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

معقول سے استدلال دو وجہ سے ہے ایک وجہ یہ ہے کہ انسان کے اندر آدمیت ہے (مالیت نہیں) مالیت اس میں (غلامی اور رقیت کی وجہ سے) عارضی اور طبعی ہے (یہ قانون ہے کہ) عارض، اصل کے معارض نہیں ہوتا اور تابع متبوع کے معارض نہیں ہوتا۔ انسان میں آدمیت کے اصل ہونے کی کئی وجوہ سے دلیل ہے۔(۱) انسان کو جب پیدا کیا گیا تو اسے آدمی پیدا کیا گیا۔ پھر اس میں صفت مالیت غلامی کی وجہ سے پیدا ہوگئی۔(۲) انسان میں مالیت کا قیام وجوداً اور بقاء دونوں اعتبار سے آدمیت کی وجہ سے ہے نہ کہ اس کے برعکس (یعنی آدمیت کا قیام وجوداً او بقاء مالیت کی وجہ سے نہیں بلکہ مالیت کا قیام آدمیت کی وجہ سے ہے گویا آدمیت انسان میں اصل ہے اور مالیت غلامی اور رقیت کی وجہ سے عارضی ہے)۔(۳) مال کو جان کی حفاظت اور بچاؤ

کیلئے پیدا کیا گیا ہے جان کو مال کی حفاظت کیلئے نہیں پیدا کیا گیا۔ لہذا آدمیت انسان میں وجود، بقا اور عرض ہر اعتبار سے اصل ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان کی حرمت مال کی حرمت سے فائق ہے کیونکہ مال کی حرمت کسی اور (یعنی صاحبِ مال) کے واسطے ہے جبکہ آدمی کی حرمت اسکی ذات کی وجہ سے ہے۔ لہذا نفس ہونے کا اعتبار کرنا اور مالیت کو نظر انداز کرنا اولیٰ ہے بہ نسبت اسکے بر عکس کے۔

محقق علی الاطلاق علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ ''فتح القدیر'' میں لکھتے ہیں۔

فالاظهر فی تفسیر الدیّة ماذکره صاحب العنایة آخراً فانه بعد أن ذکر مثل ماذکر فی المغرب وعامة الشروح قال والدیة اسم لضمان یجب بمقابلة الآدمی او طرف منه۔

(فتح القدیر ج۸ ص ۲۰۱ مطبوعه مکتبه رشیدیه کوئٹه)

صاحبِ عنایہ نے دیت کے بارے میں جو کچھ آخر میں ذکر کیا اور اس طرح جو کچھ مغرب اور عام شروح میں مذکور ہے اسکا ظاہر یہ ہے کہ دیت انسان یا اطراف انسان کے مقابلے میں ضمان ہے (انسان یا انسانی اعضاء کی قیمت نہیں)۔

علامہ کاسانی اور علامہ ابن ہمام کی عبارت سے یہ واضح ہو گیا کہ انسان اپنے جسم و اعضاء کا مالک نہیں انسانی جسم و اعضاء مال نہیں۔ دیت انسان کے جسم و اعضاء کو ضائع کرنے کی وجہ سے ضمان ہے انسان کے جسم و اعضاء کی قیمت نہیں۔ لہذا انسانی اعضاء کے ہبہ و عطیہ کا جواز دیت وقصاص کے قانون پر قیاس کر کے پیش کرنا درست نہیں۔

مضطر کے علاج کیلئے اعضاء کے عطیہ و وصیت کا حکم

مضطر کے علاج کیلئے انسانی اعضاء کے استعمال یعنی ہبہ و عطیہ، وصیت اور پیوندکاری کے حکم شرعی کو واضح کرنے کیلئے حالت اضطرار پر قدرے تفصیل سے بحث کو ضروری سمجھتا ہوں۔ تاکہ یہ مسئلہ قدرے بے غبار ہو جائے۔ انسانی آنکھ یا قرنیہ کے استعمال کے عنوان کے ذیل میں قانون (الضرورت تبیح المحظورات) پر بحث کرتے ہوئے ضرورت کی اقسام خمسہ (پانچ) کی تعریفات و امثلہ اور احکام کو تحریر کر دیا گیا ہے۔

علامہ سید احمد بن محمد حموی مصری ''شرح الاشباہ والنظائر'' میں ضرورت بمعنی حالت اضطرار کی تعریف لکھتے ہیں۔

"فالضرورة بلوغه حداً ان لم يتناول الممنوع هلك اوقارب وهذا يبيح تناول الحرام"

(حاشیه حموی علی الاشباه والنظائر ج ۱ ص ۱۱۹ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)

ضرورت (بمعنی حالتِ اضطرار) کی تعریف یہ ہے کہ انسان اس حد تک مجبور ہو جائے کہ اگر وہ کسی حرام و ممنوع شے کو نہ کھائے تو ہلاک یا قریب الہلاک ہو جائے۔ ضرورت کی اس قسم کو اضطراری حالت کہا جاتا ہے۔ اس حالت میں ممنوع اشیاء کا استعمال چند شرائط کے ساتھ مباح ہو جاتا ہے۔

(۱) حالتِ اضطرار محقق ہو یعنی جان یا عضو کے ضائع ہونے کا یقین یا غالب گمان ہو۔

(۲) جان یا عضو کے ضائع ہونے کا محض وہم وخیال نہ ہو بلکہ معتمد علیہ، ماہر اور حاذق

ڈاکٹر یا طبیب کو یقین ہو یا خود مریض کو یقین ہو۔

(۳) حرام یا ممنوع اشیاء کے استعمال سے جان یا عضو کا بچ جانا تجربہ یا دلیل کی بنیاد پر یقینی ہو۔

(۴) حرام اشیاء کے استعمال کے بغیر جان کا بچنا اور بچانا ممکن نہ ہو۔

(التشریع الجنائی الاسلامی ج اص ۵۷۷ مطبوعہ بیروت)

ضرورت بمعنی حالتِ اضطرار مذکورہ شرائط کے ساتھ ثابت ہو جائے تو ممنوع اور حرام اشیاء کا استعمال جائز و مباح ہو جاتا ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

انما حرّم علیکم المیتة والدّم ولحم الخنزیر وما اهلّ به لغیر الله فمن اضطرّ غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیه انّ الله غفور رحیم۔(البقرہ۔ ۱۷۳)

اللہ تعالیٰ نے تم پر یہی حرام کئے ہیں۔ مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جو غیر خدا کا نام لیکر ذبح کیا گیا۔ پس جو شخص مضطر (مجبور) ہو نہ یوں کہ خواہش سے کھائے اور نہ یوں کہ ضرورت سے آگے بڑھے تو اس پر کوئی گناہ نہیں بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اسی مضمون کی آیت سورۃ الانعام میں ہے۔

قل لا اجد فی ما اوحی الیّ محرّماً علیٰ طاعم یطعمه الا ان یکون میتةً او دماً مسفوحاً اولحم خنزیر فانّه رجس اوفسقاً اهلّ لغیر الله به فمن اضطرّ غیر باغ ولا عاد فانّ الله غفور رّحیم۔ (الانعام۔ ۱۴۵)

اے حبیب! آپ فرما دیجئے۔ میں نہیں پاتا اس میں جو میری طرف وحی

ہوئی۔ کسی کھانے والے پر کوئی کھانا حرام مگر یہ کہ مردار ہو یا رگوں کا بہتا ہوا خون یا خنزیر کا گوشت، بے شک وہ نجس ہے۔ جس کے ذبح میں غیر خدا کا نام پکارا گیا ہو۔ تو جو شخص مضطر (مجبور) ہو نہ یوں کہ خواہش سے کھائے اور نہ یوں کہ ضرورت سے آگے بڑھے تو اس پر کوئی گناہ نہیں بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مضطر کو حرام اشیاء کے استعمال کی اجازت دی ہے ان ہی سے ضرورت بمعنی حالتِ اضطرار کا قانون الضرورات تبیح المحظورات (ضرورتیں ممنوع اشیاء کو مباح کردیتی ہیں) ماخوذ ہے۔ یہ قانون ضرورت کی پانچ قسموں (۱) ضرورت (بمعنی حالت اضطرار) (۲) حاجت، (۳) منفعت، (۴) زینت، (۵) فضول، کو شامل نہیں بلکہ صرف اور صرف پہلی قسم یعنی ضرورت بمعنیٰ حالت اضطرار کو شامل ہے۔ حرام اور ممنوع اشیاء صرف اور صرف اضطرار کی حالت میں مباح ہوتی ہیں۔ باقی چار قسموں یعنی حاجت، منفعت، زینت اور فضول کی حالت میں حرام اور ممنوع اشیاء مباح نہیں ہوتیں۔ قانون مذکور کو ضرورت کی تمام اقسام پر منطبق کرنا ضرورت کی اقسام کے احکام سے صرف نظر ہوگا جو کسی بھی حال میں درست نہیں۔

ضرورت بمعنی حالت اضطرار میں بھی مطلقاً حرام اور ممنوع اشیاء کا استعمال مباح نہیں بلکہ ممنوع اور حرام اشیاء کے استعمال میں رخصت کے تین درجے ہیں دو درجوں میں حرام اور ممنوع اشیاء کا استعمال جائز ہے اور ایک درجہ میں ناجائز ہے۔



رخصت کی اقسام اور انکی تفصیل

محقق عصر، مفتی حمس علامہ خالد اتاسی ''شرح المجلہ'' میں لکھتے ہیں:

ثم انّ هذه الرخصة ثلثلة انواع نوع هو مباح كأ كل الميتة والدم ولحم الخنزير وشرب الخمر عند المجاعة اوالغصة اوالعطش او عند الاكراه التّام بقتل اوقطع عضو فهذه الاشياء تباح عند الاضطرار لقوله تعالىٰ الّا ما اضطررتم اليه اى دعتكم شدّة المجاعة الىٰ اكلها والا ستثناء مَن التحريم اباحة۔

(شرح المجلة ج١ ص ٥٥ ماده ٢١ مطبوعه المكتبة العربيه كوئٹه)

رخصت کی تین قسمیں ہیں ایک قسم مباح ہے جیسا کہ شدید بھوک کے وقت مردہ جانور اور خنزیر کا گوشت کھانا۔ یا شدید پیاس اور غصہ کے وقت شراب یا خون پینا، یا قتل یا عضو کے کاٹنے پر اکراہِ تام کے وقت۔ مذکورہ اشیاء کا استعمال کرنا۔ اضطرار کی حالت میں مباح ہو جاتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔ الّا ما اضطررتم الیہ۔ یعنی جس کھانے پر تم مجبور ہو۔ قرآن کریم میں حرام سے جو استثناء کیا گیا ہے یہ اباحت کے فائدے کیلئے ہے۔ یعنی حرام اشیاء کی حرمت تو ختم نہیں ہوتی البتہ حرام اشیاء مباح ہو جاتی ہیں۔

رخصت کی پہلی قسم

یہ رخصت کی پہلی قسم ہے جس میں شدید بھوک کی حالت میں جبکہ جان کا خطرہ ہو مردہ جانور اور خنزیر کا گوشت کھانے کی اجازت ہے اسی طرح شدید پیاس کی

حالت میں جب جان کا خطرہ ہو خون اور شراب وغیرہ پینے کی اجازت ہے۔اور اکراہِ تام یعنی جان سے مار ڈالنے یا کسی عضو کو ضائع کرنے کی دھمکی دیکر مذکورہ حرام اشیاء کھانے پر مجبور کرے تو ایسی حالت حرام وممنوع اشیاء کا استعمال جائز ہو جاتا ہے۔اس صورت میں حرام شے کی حرمت تو ختم نہیں ہوتی لیکن مضطر کیلئے بوجہ اضطرار و اکراہِ تام حرام شے مباح ہو جاتی ہے۔

عصرِ حاضر کے عظیم محقق ڈاکٹر وہبہ زحیلی ضرورت کی تعریف اور اسکا حکم مذاہب اربعہ کی روشنی میں لکھتے ہیں۔

کسی انسان کا اپنی جان کے ہلاک ہونے پر قطعی یا ظنی طور پر خوف ہو تو یہ ضرورت (اضطرار) ہے موت کو دیکھنے تک صبر کرنا کیلئے شرط نہیں۔مذاہب اربعہ میں اس کا حکم یہ ہے کہ مضطر پر اتنی مقدار میں حرام کا کھانا واجب ہے جس سے اسکی زندگی کی رمق باقی رہ سکے اور وہ موت سے بچ جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"فمن اضطرّ غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیه"۔ (البقرہ۔۱۷۳)

جو شخص مضطر (مجبور) ہو اپنے خواہش سے کھانے والا نہ ہو اور نہ ہی ضرورت سے آگے بڑھے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"ولا تلقوا بایدیکم الی التهلكة" (البقرة۔۱۹۵)

اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔اور پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

ولا تقتلوا انفسکم (النساء۔۲۹) اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔

ان تینوں آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ مضطر پر حرام کا بقدر ضرورت کھانا

واجب ہے۔ اسلئے کہ اگر مضطر نے کھانے اور پینے کو ترک کر دیا یہاں تک کہ وہ ہلاک ہو گیا تو اس نے گناہ کیا۔ اسلئے کہ کھانے پینے کو ترک کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے اور قرآن مجید کے حکم کے مطابق یہ منع ہے اور اس وجہ سے بھی وہ گنہگار ہوگا کہ وہ اس کھانے اور پینے کے ساتھ اپنے آپ کو زندہ رکھنے پر قادر تھا۔ جو اللہ تعالیٰ نے اس کیلئے حلال کیا ہے لہذا اس مضطر کیلئے حرام چیزوں کا کھانا اور پینا بقدرِ ضرورت اسی طرح لازم ہے جیسا کہ اس حالت میں اس کے سامنے حلال طعام ہو۔ بخلاف اس شخص کے جو علاج سے رک جائے یہاں تک کہ وہ مر جائے اس پر علاج واجب نہیں اور نہ ہی اسکے ترک سے وہ گنہگار ہوگا۔ اسلئے کہ یہ کوئی یقینی بات نہیں کہ دواء اس کیلئے شافی ہو۔

اس قول کے مطابق حضرت امام ابو یوسف حضرت ابو اسحاق صاحب المہذّب اور حنابلہ کے نزدیک مضطر پر مردار یا خنزیر وغیرہ کا گوشت کھانا واجب نہیں بلکہ مباح ہے اسلئے کہ مردار یا خنزیر کے گوشت کو ترک کرنے میں مضطر کی ایک غرض ہے اور وہ یہ ہے کہ مضطر حرام شے سے بچنا چاہتا ہے بسا اوقات مردار کھانے کو مضطر کا جی ہی نہیں چاہتا۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی ان حضرات کے قول پر بطور دلیل حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کا ایمان افروز واقعہ نقل کرتے ہیں۔

روی عن عبداللہ بن حزافة السهمی صاحب رسول الله ﷺ "ان طاغیة الروم حبسه فی بیت و جعل معه خمرا ممزوجاً بماءٍ ولحم خنزیر مشوی ثلاثة ایام فلم یأکل ولم یشرب حتی مال رأسه من الجوع والعطش وخشوا موته فاخرجوه فقال قد کان الله احلّه لی لانی مضطر ولکن لم اکن لاشمتك بدین الاسلام"

رسول اللہ ﷺ کے صحابی حضرت عبداللہ بن حزافہ سہمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہیں روم کے بادشاہ نے تین دن ایک گھر میں قید کردیا اوران کے پاس پانی میں ملی ہوئی شراب اور خنزیر کا بھنا ہوا گوشت رکھا تو انہوں نے نہ کھایا اور نہ ہی پیا یہاں تک کہ ان کا سر بھوک اور پیاس سے جھک گیا۔ رومیوں کو انکی موت کا خوف ہوا تو انہیں آزاد کر دیا۔ تو حضرت عبداللہ بن حزافہ سہمی نے رومی بادشاہ سے کہا اس کھانے کو اللہ تعالیٰ نے میرے لئے حلال کردیا تھا کیونکہ مضطر (حالت اضطرار میں) تھا۔ لیکن میں (اس کھانے کو کھا کر) تمہیں دین اسلام کی وجہ سے خوش نہیں کرنا چاہتا تھا۔ (اسلئے نہیں کھایا)۔

سبحان اللہ! کیا غیرت ایمانی ہے۔ اس واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مضطر پر حرام کھانا واجب نہیں بلکہ مباح ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ حرام کھانے کی اباحت ایک رخصت ہے باقی رخصتوں کی طرح مضطر پر حرام کھانا واجب نہیں۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۴ ص ۲۶۰۲ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اگر اکراہِ تام نہ ہو مثلاً قید یا ذلیل کرنے کی دھمکی دی جائے یا ایسی ضرب کی دھمکی دی جائے جس سے جان یا کسی عضو کے ہلاک ہونے کا خوف نہیں یعنی ایک قسم کا ضرر تو ہے مگر جان یا عضو کے ضائع ہونے کا خطرہ نہیں تو اس صورت میں جو ضرورت ہے اس کے پیش نظر حرام اور ممنوع اشیاء کا استعمال جائز نہیں۔

"شرح المجلہ" میں ہے:

وان كان الاكره ناقصا كحبس او ضرب لايخاف منه التلف لايحل له ان يفعل ذالك۔

(شرح المجلہ ج ۱ ص ۵۵ مطبوعہ المكتبة العربيه كوئٹہ)

اور اگر اکراہ ناقص ہو جیسا کہ قید کرنے کی دھمکی یا ایسی ضرب کی دھمکی جو موجب ہلاکت نہ ہو تو ایسے اکراہ کی وجہ سے حرام اشیاء کا استعمال حلال نہیں۔

رخصت کی دوسری کی دوسری قسم

رخصت کی دوسری قسم یہ ہے کہ ضرورت واضطرار کی وجہ سے حرام اشیاء کی حرمت کسی حال میں ساقط نہیں ہوتی بلکہ حرمت باقی رہتے ہوئے ضرورت مند کو بوجہ اضطرار فعل حرام وممنوع کے کرنے کی رخصت ہوتی ہے مثلاً کسی مسلمان کے مال کو ضائع کرنا۔ کسی کی ذات پر تہمت لگانا، اور دل جب مطمئن ہو ایمان پر، تو اکراہِ تام میں زبان پر کلمہ کفر جاری کرنا۔ یہ افعال فی نفسہ حرام ہیں لیکن مضطر اور مکرہ کیلئے اضطرار کی وجہ سے ان افعال کے ارتکاب کی رخصت ہے لیکن اس پر اگر مضطر ومکرہ سے عمل نہ کیا تو وہ گنہگار بھی نہ ہوگا بلکہ ثواب ملے گا۔

مفتی حمس "شرح المجلہ" میں لکھتے ہیں:۔

ونوع لاتسقط حرمته بحال ولكن يرخص فيه كاتلاف مالِ المسلم والقذف فى عرضه واجراء كلمة الكفر علىٰ لسانه مع اطمينان القلب بالايمان اذا كان الاكراه تاماً فهو فى نفسه محرم مع ثبوت الرخصة فاثر الرخصة فى تغير حكم الفعل وهوا لمواخذة لا فى تغيّر وصفه وهوا الحرمة والامتناع عنه افضل حتّٰى لوامتنع فقتل كان ماجوراً۔

(شرح المجله ج۱ ص ۵۲ مطبوعه المكتبة العربيه كوئٹه)

رخصت کی ایک قسم وہ ہے جس میں اشیاء محرمہ کی حرمت حال میں ساقط نہیں

ہو لیکن حرمت باقی رہتے ہوئے شرعاً ممنوعہ ومحرمہ اشیاء کی رخصت دی جاتی ہے مثلاً کسی مسلمان کے مال کو ضائع کرنا۔ کسی کی ذات پر تہمت لگانا اور اطمینان قلب کی حالت میں بوجہ اکراہ تام زبان پر کلمہ کفر جاری کرنا۔ مذکورہ ممنوعہ ومحرمہ اشیاء کی حرمت اپنی جگہ باقی ہے لیکن اسکے باوجود مضطر ومکرہ کیلئے انکے ارتکاب کی رخصت ہے نتیجہ یہ نکلا کہ اضطرار واکراہ کی حالت رخصت کا اثر فعل کے حکم کی تبدیلی میں ظاہر ہوا ہے اور وہ مواخذہ ہے۔ (یعنی اس ممنوع فعل کے ارتکاب کی وجہ سے اضطراری حالت میں مواخذانہ ہوگا) نہ صفتِ شے میں رخصت کا اثر ظاہر ہوا ہے اور وہ حرمت ہے۔ (یعنی شے پہلے کی طرح حرام ہی رہتی ہے اضطرار کی وجہ سے استعمال کی رخصت ہے) لہذا مضطر ومکرہ نے امر ممنوع سے اگر پرہیز کیا تو اچھا کیا اس کو اس پر اجر ملے گا۔

رخصت کی تیسری قسم

رخصت کی تیسری قسم یہ ہے شریعتِ اسلامیہ نے اضطرار کی حالت میں بعض حرام اشیاء کے ارتکاب ورخصت کی اجازت دی ہے سب کی اجازت نہیں دی بعض اشیاء کو مستثنیٰ قرار دیا ہے جو کسی حال میں مباح نہیں ہوتیں۔ خواہ اکراہِ تام ہو یا ناقص، اضطراری حالت ہو یا نہ ہو جیسے ناحق کسی مسلمان کو قتل کرنا، یا اسکے کسی عضو کو ناحق کاٹنا، زنا کرنا، والدین کو مارنا۔
مفتی حمس علامہ خالد اتاسی لکھتے ہیں۔

نوع لا یباح ولا یرخّص اصلاً بالا کراہِ التّام ولا بخلافه كقتل المسلم اوقطع عضو منه بغير حق والزنا وضرب الوالدين۔

(شرح المجله ج۱ ص ۵٦ مطبوعه المكتبة العربيه كوئٹه)

اضطرار کی ایک قسم وہ ہے کہ اس میں حرام شے مباح نہیں ہوتی اور نہ اسکو کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ خواہ اکراہ تام ہو یا نہ ہو مثلاً ناحق کسی مسلمان کا قتل کرنا یا اسکے کسی عضو کو کاٹنا، زنا کرنا اور والدین کو مارنا۔

مفتی حمس آگے لکھتے ہیں کہ

آپ کو جب رخصت کی تینوں قسمیں معلوم ہوگئیں تو اس سے واضح ہوا کہ شریعت کا قانون (الضرورات تبیح المظورات) (ضرورتیں ممنوعات کو مباح کر دیت ہیں) رخصت کی تیسری قسم کو شامل نہیں بلکہ اس قانون کے تحت صرف پہلی قسم اباحت کے ساتھ اور دوسری قسم رخصت مع بقاء الحرمۃ آتی ہے۔

ضرورت اور رخصت کی اس بحث سے یہ خوب واضح ہو جاتا ہے کہ کسی غیر کیلئے انسان کے جسم واعضاء کی چیر پھاڑ اور قطع و برید کی کسی حال میں بھی اجازت نہیں انسانی جسم واعضاء کی چیر پھاڑ حالتِ اضطرار میں (الضرورات تبیح المحظورات) کے زمرے میں نہیں آتی۔ لہذا قاعدہ مذکورہ کو بنیاد بنا کر اضطراری حالت میں انسانی اعضاء کی پیوند کاری، انسانی جسم واعضاء کی چیر پھاڑ اور قطع و برید کی اجازت دینا قطعاً درست نہیں۔ اب ہم اپنے مؤقف پر چند فقہی جزئیات پیش کریں گے تاکہ ہمارا مؤقف مکمل طور پر بے غبار اور واضح ہو جائے۔

حالتِ اضطرار میں کسی دوسرے انسان کے جسم واعضاء کی قطع و برید

جب کوئی شخص شدید بیمار ہو اور اسکی جان کا بچانا دوسرے انسان کے کسی عضو پر موقوف ہو۔ مثلاً کسی شخص کے گردے فیل ہو چکے ہیں اسکا یہ مرض اس قدر شدید ہے

کہ جب تک اسے کوئی گردہ پیوند نہیں کیا جائے گا تو وہ مرجائے گا کیا ایسی صورت میں کسی دوسرے انسان کے جسم واعضاء کی چیر پھاڑ اور قطع وبرید کر کے اسکے کسی عضو کو مضطر مریض کے جسم سے پیوند کیا جاسکتا ہے یا ایسے شخص کیلئے اعضاء مثلاً دل، گردوں کی وصیت کی جاسکتی ہے؟ فقہاءِ کرام کی عبارات کا مطالعہ کرنے سے خوب واضح ہو جاتا ہے کہ حالت اضطرار میں بھی کسی دوسرے انسان کے جسم واعضاء کی قطع وبرید اور چیر پھاڑ قطعاً جائز نہیں۔

ملک العلماء علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اما النوع الّذی لایباح ولا یرخّص بالاکراہِ اصلاً فھو قتل المسلم بغیر حق سواء کان الاکراہ ناقصاً اوتاماً لأن قتل المسلم بغیر حق لایحتمل الاباحة بحال

قال اللّٰہ تبارك وتعالیٰ ولا تقتلوا النفس الّتی حرّم اللّٰہ الا بالحق وکذا قطع عضو من اعضائہٖ والضرب المھلك قال اللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ یؤذون المؤمنین والمومنات بغیر مااکتسبوا فقدا حتملوا بھتاناً واثماً مبیناً۔ وکذالك ضرب الوالدین قل اوکثر قال اللّٰہ تعالیٰ ولا تقل لّھما أف والنھی عن التافیف فھی عن الضرب الیٰ قولہٖ وکذا الزنا لایباح لہ بحال۔

(بدائع الصنائع ج۷ ص ۱۷۷ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

وہ نوع جس میں بالکل اکراہ کے ساتھ حرام وممنوع اشیاء نہ مباح ہوتی ہیں اور نہ ہی انکے استعمال کی اجازت ورخصت ہوتی ہے وہ مسلمان کو ناحق قتل کرنا ہے چاہے اکراہ تام ہو یا ناقص، کیونکہ ناحق کسی مسلمان کا قتل کسی حال میں بھی جائز نہیں ہوتا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا۔ اور نہ قتل کرو ناحق اس جان کو جسکے قتل کو اللہ

تعالیٰ نے حرام قرار دیا۔ اسی طرح انسان کے عضو کا کاٹنا یا کسی کو ایسی ضرب لگانا جو موجب ہلاکت ہو جائز نہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا۔ جو لوگ ناحق مومنین ومومنات کو ایذاء دیتے ہیں اور بہت بڑے وہ واضح گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔

اسی طرح والدین کو مارنا تھوڑا ہو یا زیادہ کسی حال میں جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ولا تقل لّھما أف الخ۔ ان کو اف تک نہ کہو اف سے منع کرنا انکو زدوکوب کرنے سے منع کرنا ہے اسی طرح زنا کرنا کسی حال میں بھی جائز نہیں (چاہے اضطرار واکراہ ہو یا نہ ہو)

علامہ قاضی خان ''فتاویٰ قاضی'' میں لکھتے ہیں۔

مضطر لم یجد میتة وخاف الهلاك فقال له رجل اقطع یدی وکلها اوقال اقطع منی قطعة فکلها لایسعه ان یفعل ذالك ولا یصح امره به کما لا یسع للمضطران یقطع قطعة من لحم نفسه فیاکل۔

(فتاوٰی قاضی خان علی هامش الهندیه ج۳ ص ٤٠٤ مطبوعه پشاور)

کسی شخص کو حالت اضطرار میں کھانے کیلئے مردار بھی نہیں ملا اور اسے اپنی جان کے ہلاک ہونے کا خطرہ ہو اسکو کوئی شخص کہے میرا ہاتھ کاٹ کر کھالو یا میرے جسم کا کوئی حصہ کاٹ کر کھالو۔ تو مضطر کیلئے دوسرے شخص کا ہاتھ یا جسم کا کوئی حصہ کاٹ کر کھانا جائز نہیں اور نہ ہی دوسرے شخص کیلئے مضطر کو ایسا امر کرنا جائز ہے جیسا کہ مضطر کیلئے اپنے جسم سے گوشت کاٹ کر کھانا جائز نہیں۔

مطلب یہ ہے کہ مضطر کو اپنی موت کا یقین ہو اور اسے حرام اور ممنوع اشیاء میں سے کوئی بھی دستیاب نہ ہو سکے تو کوئی دوسرا شخص بطور ایثار وانسانی ہمدردی مضطر سے کہتا ہے کہ میرا ہاتھ یا میرے جسم کا کوئی حصہ کاٹ کر کھالو اور اپنی جان بچالو تو مضطر

کیلئے ایسا کرنا اور غیر مضطر کا اپنے ہاتھ یا بدن کے کسی حصے کے کاٹنے کا حکم دینا قطعاً جائز نہیں۔ کیونکہ یہ دونوں صورتیں تکریمِ انسانیت کے خلاف ہیں۔

علامہ قاضی خان کی عبارت سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ اضطرار کی حالت میں دوسرے انسان کے جسم اور اعضاء کی قطع و برید کسی بھی طرح جائز نہیں خواہ اس نے اجازت ہی کیوں نہ دی ہو، انسانی ہمدردی کر کے عطیہ کیوں نہ دیا ہو۔

علامہ ابن بزاز کردری حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

خاف الهلاك جوعاًفقال له اخر اقطع يدى و كله ليس له ذالك لأن لحم الانسان لا يباح حال الاضطرار لكرامته۔

(فتاویٰ بزازیه علی هامش الهندیه ج ٦ ص ٣٦٦ مطبوعه مصر)

کسی شخص کو بھوک کی وجہ سے موت کا خوف ہو اس سے دوسرا شخص کہے میرا ہاتھ کاٹ کر کھا لو تو اس کیلئے یہ جائز نہیں کیونکہ انسان کا گوشت اسکی کرامت کی وجہ سے حالت اضطرار میں بھی جائز نہیں۔

علامہ حموی مصری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

"ولا ياكل المضطر طعام مضطر آخر ولا شيئاً من بدنه"۔

(حاشیه حموی علی الاشباہ والنظائر ج١ ص ١٢١ مطبوعه ادارة القرآن والعلوم الاسلامیه کراچی)

کوئی مضطر دوسرے مضطر کا کھانا نہیں کھا سکتا اور نہ ہی دوسرے مضطر کے بدن سے کچھ کھا سکتا ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ "شرح المهذب" میں لکھتے ہیں۔

لو اراد المضطر ان يقطع قطعة من نفسه من فخذه او غيره ليأكلها

فان كان الخوف منه كالخوف فی ترك الاكل او اشدّ حرم القطع بلا خلاف وصرح به امام الحرمين وغيره۔

(شرح المهذب ج ۹ ص ٤٥ مطبوعه مصر)

اگر مضطر اپنی یا کسی اور کی ران سے گوشت کاٹ کر کھانے کا ارادہ کرے تو اگر نہ کھانے کی صورت میں جان کا خطرہ ہو پھر بھی بالاتفاق گوشت کا کاٹنا حرام ہے امام الحرمین وغیرہ نے اسکی تصریح کی ہے۔

تشریع الجنائی الاسلامی میں ہے:

ویحرم مالك اكل لحم الانسان فی حالة الضرورة ولو كان مهدراً فمن جاع حتی اوشك ان يهلك ولم يجد الا مهدراً فليس له ان يأكل من لحمه ما يرد جوعه سواء كان المهدر حيّاً اوميتاً وهذا هوالرّأی الراجح فی مذهب ابی حنيفة۔

(تشريع الجنائی الاسلامی ج ۱ ص ۵۷۸ مطبوعه بيروت)

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اضطرار کی حالت میں انسان کا گوشت کھانا حرام قرار دیا ہے اگر چہ وہ مهدر الدم انسان ہو۔ تو جو شخص بھوکا ہو حتّٰی کہ وہ ہلاکت کے قریب ہو اور وہ مهدر الدم انسان کے علاوہ اور ایسی کوئی شے نہ پائے کہ جسے کھا کر وہ اپنی بھوک کو دور کر سکے تو اس کیلئے مهدر الدم انسان کا گوشت کھانا جائز نہیں چاہے وہ زندہ ہو یا مردہ۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں یہی راجح رائے ہے۔

شیخ الاسلام شمس الآئمہ علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

(الاترئ) أنّ المضطر كما لا يباح له قتل الانسان ليأكل من

لحمه، لایباح له قطع عضو من اعضائه۔

(المبسوط لسرخسی جز ٢٤ ص ٥٨ مطبوعه مکتبه رشیدیه کوئٹه)

کیا آپکو پتہ نہیں کہ کہ واقعی مضطر کیلئے جس طرح جان بچانے کیلئے دوسرے انسان کا قتل کرنا تاکہ اسکو کھا کر جان بچائے جائز نہیں۔ اسی طرح جان بچانے کی غرض سے اسکے اعضاء میں سے کسی عضو کو کاٹنا بھی جائز نہیں۔

علامہ سرخسی ایک اور مقام پر لکھتے ہیں

(الاترىٰ) انّ المضطر لایحلّ له ان یقطع طرف الغیر لیأکله کما لایحل له ان یقتلهٗ وکذالك لو امرهٗ بقطع اصبع اونحوه فأنّ حرمة هذا الجزء بمنزلة حرمة النفس۔

(المبسوط لسرخسی جز ٢٤ ص ٨٩ مطبوعه مکتبه رشیدیه کوئٹه)

کیا آپکو پتہ نہیں کہ واقعی مضطر کیلئے جس طرح جان بچانے کی خاطر دوسرے انسان کے جسم کے کسی حصہ کو کاٹ کر کھانا حلال نہیں اسی طرح دوسرے انسان کو قتل کرنا بھی حلال نہیں۔ اسی طرح مضطر کو اگر کوئی دوسرا شخص اسکی جان بچانے کیلئے انگلی وغیرہ کاٹنے کا حکم دے تو یہ بھی حلال نہیں اسلئے کہ اس جزء (انگلی) کی حرمت نفس (جان) کی حرمت کی طرح ہے۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں

واتفق آئمة المذاهب علی انه لایباح قتل انسان مسلم او کافر معصوم او اتلاف عضو منه لضرورة الاکل لانه مثلة فلا یجوز ان یبقی نفسه باتلافه فلا یباح اذن الانسان الحی۔ کما لایباح الاکل من الانسان

المیت عند الجمھور غیر الشافعیه لقوله صلی الله علیه وسلم (کسر عظم المیت ککسره حیاً) وان قال شخص لآخر مثلاً اقطع یدی و کلھا لایحل لان لحم الانسان لایباح فی الاضطرار لکرامته۔

(الفقه الاسلامی وادلته ج ٤ ص ٢٦٠٦ مطبوعه مکتبه رشیدیه کوئٹه)

تمام مذاہب آئمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کسی انسان کا قتل مسلم ہو یا کافر معصوم الدم، یا اسکے عضو کا اتلاف کھانے کی ضرورت کیلئے مباح نہیں ہے کیونکہ یہ مثلہ ہے لہذا اسکی جان کو عضو کے تلف کرنے کے ساتھ باقی رکھنا جائز نہیں لہذا زندہ انسان کی اجازت مباح نہیں ہے۔ جسطرح کہ شافعیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک مردہ انسان کا کھانا مباح نہیں ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے:

''مردہ کی ہڈی کو توڑنا اسی طرح ہے جیسے زندگی میں اسکی ہڈی کو توڑنا''

اگر کوئی شخص دوسرے سے یہ کہے کہ میرا ہاتھ کاٹ کر کھالو تو یہ حلال نہیں کیونکہ انسان کا گوشت اسکی کرامت کی وجہ سے حالت اضطرار میں بھی مباح نہیں۔

کتب فقہ وفتاویٰ کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد یہ فیصلہ کرنا انتہائی آسان ہو جاتا ہے کہ انسان کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مکرم، معظم، محترم بنایا ہے اسکے جسم واعضاء کو کسی غیر کیلئے استعمال کرنا۔ نفع حاصل کرنا، انسانی اعضاء کو بیچنا، انسانی اعضاء کو ہبہ وعطیہ کے طور پر دوسرے کو دینا، انسانی اعضاء کی وصیت کرنا کسی حال میں جائز نہیں حتی کہ اضطراری حالت یعنی انسان کی جان کو خطرہ ہو تو اس حال میں بھی جائز نہیں۔

انسانی اعضاء واجزاء کی حرمت میں مسلمان وکافر دونوں کا حکم یکساں ہے

یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ اعضاء کی حرمت وتکریم میں مسلمان اور کافر

دونوں کا حکم ایک ہے یعنی جس طرح مسلمان کے اعضاء واجزاء مکرّم ومحترم ہیں ایسی ہی کافر کے اعضاء واجزاء بھی بحثیت انسان مکرّم ہیں۔ انسانی اعضاء واجزاء کی تکریم پر جو عبارات پیش کی گئی ہیں ان میں اکثر عبارات میں انسان یا آدمی کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جو مسلم وکافر ہر دو کو شامل ہے۔ جس طرح مسلمان کے اعضاء واجزاء کی پیوند کاری دوسرے انسان کے جسم کیساتھ جائز نہیں اسی طرح کافر کے اجزاء واعضاء کی پیوند کاری جائز نہیں۔ کتب فقہ وفتاویٰ کے حوالہ جات ذکر کئے جا چکے ہیں۔ تاہم مزید تشفی کیلئے چند اور حوالہ جات بھی ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ زین الدین ابن نجیم مصری ''بحرالرائق'' میں لکھتے ہیں:

وفی الواقعات عظام الیھود لھا حرمة اذا وجدت فی قبورھم کحرمة عظام المسلمین حتی لاتکسر لأن الذمی لما حرم اذائه فی حیاته لذمته فتجب صیانة نفسه عن الکسر بعد موته۔

(بحرالرائق ج ۲ ص ۱۹۵ مطبوعه ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

اور کتاب ''الواقعات'' میں ہے کہ جب یہودیوں کی قبور سے ہڈیاں ملیں تو انہیں نہ توڑا جائے۔ یہودیوں کی ہڈیوں کی حرمت ایسے ہی ہے جیسے مسلمان کی ہڈیوں کی حرمت۔ اسلئے کہ کسی یہودی کو جس طرح عہدِ ذمیت کی بناء پر اسکی زندگی میں ناحق ایذاء اور تکلیف دینا ناجائز وحرام ہے (تو اس کے مرنے کے بعد بھی اسے ایذاء اور تکلیف دینا ناجائز وحرام ہے) لہذا اسکی موت کے بعد اسکی ہڈیوں کو توڑنے سے پرہیز کرنا واجب وضروری ہے۔

فتاوٰی قاضی خان میں ہے

ولایکسر عظام الیھو داذا وجدت فی قبورھم لان حرمة عظامھم کحرمة

عظام المسلم لانه لماحرم ایذائه فی حیٰوۃ تجب صیانته عن الکسر بعد موته۔

(فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۹٤ مطبوعه مکتبه حبیبیه کوئٹه)

اور یہودیوں کی قبور سے جب ہڈیاں ملیں تو انہیں نہ توڑا جائے کیونکہ یہدیوں کی ہڈیوں کی حرمت مسلمان کی ہڈیوں کی حرمت کی طرح ہے، اسلئے کہ یھود کو جب انکی زندگی میں ایذاء وتکلیف دینا حرام ہے (تو انکی موت کے بعد بھی ایذاء وتکلیف دینا حرام ہے) لھذا انکی موت کے بعد انکی ھڈیوں کو توڑنے سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔

صاحبِ درمختار علاّمہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

(وشعر الانسان) لکرامة الآدمی ولو کافراً ذکره المصنّف وغیره فی بحث شعر الخنزیر۔

(الدّر المختار مع رد المحتار ج ۷ ص ۲٤٥ مطبوعه مکتبه حنفیه کوئٹه)

اور انسان کے بالوں کو اسکی کرامت کی وجہ سے بیچنا جائز نہیں۔ اگرچہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ مصنف وغیرہ نے اس کو شعر الخنزیر کے بحث میں ذکر کیا ہے۔

علاّمہ السّید ابن عابدین شامی نے تو ردالمحتار میں مطلب:۔ الآدمی مکرّم شرعاً ولو کافراً ۔ کا عنوان قائم کیا ہے۔

علاّمہ شامی لکھتے ہیں۔

والآدمی مکرّم شرعاً وان کان کافراً فایراد العقد علیه وابتذاله به والحاقه بالجمادات اذلال له ای وهو غیر جائز وبعضه فی حکمه وصرح فی فتح القدیر ببطلانه

(ردّالمحتار علی الدّر المختار ج۷ ص ۲٤٥ مطبوعه مکتبه حنفیه کوئٹه)

اور آدمی مکرّم ہے شرعاًاگر چہ کافر ہو۔اس پر عقد وارد کرنا اور اسکا ابتذال اور اسکو جمادات کے ساتھ الحاق کرنا۔اسکو ذلیل کرنا ہے اور یہ جائز نہیں۔اور انسان کا بعض (یعنی اسکے اعضاء) کل انسان کے حکم میں ہے۔فتح القدیر میں اسکی بیع کے بطلان کی تصریح کی گئی ہے۔یعنی انسان کو بیچنا یہ جائز نہیں۔یہی حکم انسانی اعضاء کا ہے۔

علامہ شامی مزید لکھتے ہیں۔

"ولذالم یجز کسر عظام میّت کافر"۔

(رد المحتار علی الدر المختار ج ۷ ص ۲۴۵ مطبوعہ مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

"اسی وجہ سے کافر میّت کی ھڈی کو توڑنا جائز نہیں"۔

معلوم ہوا کہ زندہ انسان کی طرح مردہ انسان کا احترام ضروری ہے جس طرح زندہ انسان کو تکلیف وایذاء دینا ناجائز ہے ایسے ہی مردہ انسان کو تکلیف دینا ناجائز ہے۔انسانیت کے ناطے اس حکم میں مسلم و کافر دونوں برابر ہیں۔البتہ یہ بات ضروری ہے مسلمان کی حرمت و کرامت غیر مسلم کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔ زندہ انسان کے جسم کو چیر پھاڑ سے جیسے تکلیف ہوتی ہے مردہ انسان کو بھی ہوتی ہے۔ انسان کو کسی بھی حال میں تکلیف دینا جائز نہیں لہذا انسانی جسم واعضاء کی پیوند کاری جائز نہیں۔انسانی اعضاء واجزاء کو فروخت کرنا اور انکو ہبہ وعطیہ کرنا اور انکے بارے میں وصیت کرنا قطعاً ناجائز وحرام ہے اور یہ کرامت انسانیت کے سراسر خلاف ہے۔

کٹے ہوئے عضو کو پیوند کرنے میں تاجدار کائنات ﷺ کی رہنمائی

رسول اللہ ﷺ نے جہاں صحابہ کرام کی روحانی بیماری کا علاج فرمایا۔

وہاں انکی جسمانی بیماریوں کا بھی علاج فرمایا ہے۔انسان کے جسم سے جو حصہ الگ ہو جائے اسے دوبارہ پیوند کرنا جائز ہے اسکا جواز رسول اللہ ﷺ کے اپنے عمل سے ثابت ہے۔

(۱) غزوۂ بدر میں حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ کا بازو جسم سے جدا ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے دوبارہ پیوند فرمایا تو وہ پہلے کی طرح جڑ گیا۔وہ خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ابو جہل تک کوئی نہیں پہنچ سکتا میں نے دل میں ٹھان لی کہ میں اس دشمنِ خدا اور رسول کو جہنم رسید کر کے رہونگا۔ جب مجھے موقع ملا تو میں اپنی تلوار لہراتا ہوا اس پر ٹوٹ پڑا میرے پہلے وار سے اسکی ٹانگ پنڈلی سے کٹ کر دور جا گری۔اس کے بیٹے عکرمہ نے جو بعد میں مسلمان ہوئے میری گردن پر تلوار سے وار کیا۔جس سے میرا بازو کٹ گیا صرف جلد کے ایک تسمہ سے وہ میرے کندھے سے پیوست رہا اور لٹکنے لگا۔سارا دن لٹکتے ہوئے بازو سے مصروف پیکار رہا۔میرا کٹا ہوا ہاتھ میری پشت کے پیچھے لٹک رہا تھا اسکے پیہم لٹکنے سے مجھے شدید تکلیف ہو رہی تھی۔میں نے اسے پاؤں کے نیچے دبا کر کھینچ لیا وہ جلد کا تسمہ ٹوٹ گیا اور اس سے آزاد ہو کر میں پھر کفار سے لڑنے میں مشغول ہو گیا۔

قاضی زادہ ابن وہب نے روایت کیا ہے۔جب جنگ ختم ہوئی تو حضرت معاذ اپنا کٹا ہوا بازو لیکر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔رحمت عالم ﷺ نے اپنا لعابِ دہن اس پر لگایا تو وہ کٹا ہوا بازو کندھے کے ساتھ پھر جڑ گیا۔قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے شفا شریف میں لکھا ہے کہ ابو جہل کے وار سے دوسرے نوجوان معوذ کا ہاتھ کٹ گیا۔وہ اسے لیکر سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضور نے

اپنا لعاب دہن ڈالا اور اسے کلائی کے ساتھ جوڑا تو وہ جڑ گیا۔ معوّذ دوبارہ نئے عزم کیساتھ کفار کے ساتھ جہاد کرنے میں مشغول ہو گئے اور دادِ شجاعت دیتے رہے یہاں تک کہ خلعتِ شہادت سے سرفراز کئے گئے۔

(ضیاء النبی ج ۳ ص ۳۵۵ بحوالہ سبل الھدیٰ ج ۴ ص ۷۷۔۷۸ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

(۲) علامہ علی بن برھان الدین حلبی ''سیرت حلبیہ'' میں لکھتے ہیں غزوۂ بدر میں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا پہلو کٹ گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کٹے ہوئے حصے کو جوڑ کر لعاب دہن لگایا تو وہ جڑ گیا۔

اسی طرح حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں تیر لگنے سے ڈھیلا باہر نکل آیا تو رسول اللہ ﷺ نے انکی آنکھ کے ڈھیلے کو مرکز میں رکھ کر لعاب دہن لگایا اور دعا فرمائی تو اسی وقت تکلیف ختم ہو گئی اور آنکھ درست ہو گئی۔

(سیرت حلبیہ ج ۲ ص ۱۷۸ مطبوعہ بیروت)

(۳) غزوۂ احد میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی آنکھ زخمی ہو گئی اور ڈھیلا باہر نکل آیا تو وہ اپنی آنکھ کے ڈھیلے کو اپنی ہتھیلی پر اٹھائے ہوئے بارگاہِ رسالتمآب ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔

یارسول الله! اِنّ عندی امرأة احبّها وان هی رأت عینی کذالك حسبت ان تقذرنی فاخذها رسول الله ﷺ بیده فردها الیٰ موضعها فاستوت و کانت احسن عینیه واصحهما

(حاشیه ۲ صحیح بخاری ج۲ ص ۵۷۰ مطبوعه قدیمی کتب خانه کراچی)

یارسول اللہ! ﷺ میری ایک بیوی ہے جس سے میں محبت کرتا ہوں اگر

اس نے میری آنکھ کو اس حالت میں دیکھ لیا تو وہ مجھے ناپسند کرے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے آنکھ کے ڈھیلے کو اپنے دست مبارک میں لیا اور اس کے مرکز میں رکھ دیا تو وہ آنکھ درست ہوگئی اور دوسری آنکھ سے زیادہ حسین وجمیل لگنے لگی۔

سیرت کی کتب کا مطالعہ کرنے سے متعدد ایسے واقعات کا ثبوت ملتا ہے جن میں طبیبِ کائنات ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کا علاج فرمایا۔ خصوصاً یہ واقعات ایسے ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے جسم سے الگ شدہ اعضاء کو دوبارہ اپنی جگہ پر پیوند کر کے اپنے اعضاء کو دوبارہ پیوند کرنے کا جواز فراہم کیا اور علاج ومعالجہ میں اطباء اور ڈاکٹر حضرات کی رہنمائی کیلئے ایک باب قائم فرمایا۔

کٹے ہوئے عضو کو پیوند کرانے میں فقہاء کرام کا نظریہ:

میڈیکل سائنس کے جدید ترقی یافتہ دور میں یہ ممکن ہوگیا ہے کہ انسان کے جسم سے اگر کوئی عضو کاٹ دیا جائے تو اس کٹے ہوئے عضو کو دوبارہ پیوند کر دیا جائے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ایک انسان کا اپنا منفصل عضو (جو عضو جسم سے الگ ہو جائے) کو دوبارہ پیوند کرنا جائز ہے یا نہیں؟

امام مالک، امام احمد بن حنبل اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز ہے۔ گویا حضرت احناف میں حضرت امام ابو یوسف جواز کے قائل ہیں اور امام اعظم ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ عدمِ جواز کے قائل ہیں۔ فقہاء شافعیہ عدم جواز کے قائل ہیں۔ فقہاء مالکیہ اور حنبلیہ جواز کے قائل ہیں۔

فقہاء شافعیہ کا نظریہ

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ''کتاب الام'' میں لکھتے ہیں:

"ان سقطت سنّه صارمیتة فلایجوز له ان یعید ھا بعد مابانت"۔

(کتاب الامّ ج۱ ص ٥٤ مطبوعه بیروت)

اگر کسی شخص کا دانت گر جائے تو وہ دانت مردہ ہو جائے گا اور الگ ہونے کے بعد دوبارہ اس دانت کو اس جگہ لگانا جائز نہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے معلوم ہوا کہ انسان کا جو عضو جسم سے الگ ہو جائے وہ مردہ ہے اسے دوبارہ پیوند کرنا جائز نہیں۔ لہذا کٹے ہوئے عضو کو امام شافعی کے نزدیک پیوند کرنا جائز نہیں۔

فقہاءِ مالکیہ کا نظریہ

علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی مالکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

فاذا اسقطت السّن جاز ردّھا وربطھا بشریط من ذھب او من فضة وانما جاز ردّھا لان میتة لآدمی طاھرة۔

(حاشیة الدّسوقی علی الشرح الکبیر ج ۱ ص ٦٣ مطبوعه بیروت)

جب دانت گر جائے تو اسکو دوبارہ لگانا جائز ہے اور اسکو سونے چاندی کی تار سے باندھنا بھی جائز ہے۔ اور گرتے ہوئے دانت کو دوبارہ لگانا اسلئے جائز ہے کہ آدمی کا مردہ جسم پاک ہے۔

علامہ دسوقی کی عبارت سے معلوم ہوا کہ انسان کے جسم سے جو عضو الگ ہو جائے وہ پاک ہے اسے دوبارہ پیوند کرنا جائز ہے۔ لہذا انکے نزدیک کٹے ہوئے عضو کو دوبارہ پیوند کرنا جائز ہے۔



فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمۃ اللہ علیہ ''المغنی'' میں لکھتے ہیں:

الآدمی الصحیح فی المذاهب انه طاهر حیّاً ومیّتاً لقول النبی ﷺ المؤمن لاینجس (الی قوله) وحکم اجزاء الآدمی وابعاضه حکم جملته سواء

(المغنی ج١ ص ٤٣ مطبوعه بیروت)

صحیح مذہب یہ ہے کہ آدمی زندہ ہو یا مردہ، پاک ہے۔ کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا مومن نجس نہیں ہوتا اور آدمی کے اجزاء وابعاض کا حکم وہی ہے جو کل آدمی کا حکم ہے۔

علامہ ابن قدامہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی موت وحیات ہر دوصورتوں میں پاک ہوتا ہے اسکے جملہ اعضاء پاک ہیں لہذا انکے نزدیک کٹے ہوئے عضو کو دوبارہ پیوند کرنا جائز ہے۔

فقہاء احناف کا نظریہ:

فقہاء احناف کا اس میں اختلاف ہے کہ انسان کے جسم سے الگ ہونے کے بعد اسکے اعضاء واجزاء طاہر ہیں یا نجس۔ امام اعظم ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک گرے ہوئے دانت کو دوبارہ لگانا جائز نہیں۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز ہے۔

ملک العلماء علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی رحمۃ اللہ علیہ ''بدائع الصنائع'' میں لکھتے ہیں۔

ولو سقط سنّه یکره ان یأخذه من میّت فیشدّها مکان الاوّل

بالاجماع وكذا يكره ان يعيد تلك السّن السّاقطة مكانها عند ابى حنيفة ومحمد ولكن يأخذ سنّ شاة ذكيّة فيشدّها مكانها وقال ابو يوسف لابأس بسنّه ويكره من غيره۔

(بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۳۲ مطبوعه ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

اگر کسی شخص کا دانت گر جائے تو اس دانت کی جگہ مردہ کا دانت لگانا بالاجماع مکروہ ہے اسی طرح امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسی دانت کو دوبارہ لگانا بھی مکروہ ہے لیکن کسی ذبح شدہ بکری کا دانت لے کر اسکی جگہ لگانا جائز ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اپنے دانت کو دوبارہ لگانے میں کوئی حرج نہیں اور دوسرے کا دانت لگانا مکروہ ہے۔

علامہ کاسانی طرفین (امام اعظم ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ) اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے مؤقف کی وجہ بیان فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

ووجه الفصل له من وجهين احدهما ان سنّ نفسه جزء منفصل للحال عنه لكنه يحتمل ان يصير متصلاً فى الثّانى بان يلتئم فيشتد بنفسه فيعود الى حالته الاولىٰ واعادة جزء منفصل الىٰ مكانه ليلتئم جائز كما اذا قطع شئى من عضو فاعاده الىٰ مكانه واما سنّ غيره فلا يحتمل ذالك والثانى ان استعمال جزء منفصل عن غيره من بنى آدم اهانة بذالك الغير والآدمى بجميع اجزائه مكرّم ولا اهانة فى استعمال جزء نفسه فى الاعادة الىٰ مكانه۔

(بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۳۲ مطبوعه ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اور غیر کے دانت میں فرق دو وجہ سے

کیا ہے۔ایک وجہ تو یہ ہے کہ انسان کا اپنا دانت ایسا جزء ہے جو فی الحال انسان سے جدا ہوا ہے۔ لیکن وہ دوسرے دانت کیساتھ بھرنے کی صورت میں متصل ہونے کا احتمال رکھتا ہے۔(جب اسے دوسرے دانت کیساتھ بھر دیا جائے) تو خود بخود مضبوط ہو جائے گا۔تو وہ پہلی حالت کی طرف لوٹ آئے گا۔اور جزء منفصل (جدا عضو) کو اپنی جگہ پر دوبارہ لگانا تاکہ وہ جگہ پر ہو جائے جائز ہے۔جیسا کہ جب کوئی عضو کاٹ دیا جائے تو اسکو دوبارہ اپنی جگہ پر لگانا جائز ہے۔رہا معاملہ دوسرے انسان کے دانت کا تو وہ یہ احتمال نہیں رکھتا۔دوسری وجہ یہ ہے دوسرے انسان کے جزء منفصل (جدا عضو) کو استعمال کرنا دوسرے انسان کی اہانت ہے انسان اپنے تمام اعضاء کی ساتھ مکرم ہے اور اپنے جز کو اسکی جگہ پر دوبارہ استعمال کرنے میں کوئی اہانت نہیں ہے۔

امام ابو یوسف نے اپنے اور غیر کے جزء اور دانت کے استعمال میں دو وجہ سے فرق بیان کیا ہے۔جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اپنے عضو کو دوبارہ پیوند کرنے میں کوئی حرج نہیں البتہ غیر کے عضو کو استعمال کرنا جائز نہیں۔

علامہ کاسانی امام اعظم ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول کی توجیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

(وجه قولها) ان السنّ من الآدمی جزء منه فاذا انفصل استحق الدفن ككله والاعادة صرف له عن جهة الاستحقاق فلا تجوز وهذا لا یوجب الفصل بین سنه وسن غیره۔

(بدائع الصنائع ج۵ ص ۱۳۳ مطبوعه ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

طرفین (امام ابوحنیفہ، امام محمد) کے قول کی وجہ یہ ہے کہ دانت انسان کا جزء

ہے۔ جب اس سے جدا ہو گیا تو وہ کل جسم کی طرح دفن کا مستحق ہو گیا۔ دوبارہ پیوند کرنا اسکو اسکے استحقاق سے پھیرنا ہے۔ لہذا دوبارہ پیوند کرنا جائز نہیں۔ اس میں اپنے اور غیر کے دانت میں کوئی فرق نہیں۔

اس اختلاف پر یہ اختلاف متفرع ہوتا ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک کٹے ہوئے عضو کو دوبارہ پیوند لگانا جائز نہیں اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ کے نزدیک جائز ہے۔

فتویٰ امام ابو یوسف کے قول پر ہے۔ یعنی اگر کوئی عضو جسم سے علیحدہ ہو جائے تو اسے دوبارہ اپنی جگہ پر پیوند کرنا جائز ہے۔

چور کے کٹے ہوئے ہاتھ کو دوبارہ پیوند کرانے کا حکم

میڈیکل سائنس کے ترقی یافتہ دور میں یہ ممکن ہو گیا ہے کہ جیسے ہی چور کا ہاتھ کاٹا جائے اس کٹے ہوئے ہاتھ کو اس کلائی کے ساتھ فوراً پیوند کر دیا جائے اور چونکہ کسی دوسرے انسان سے اعضاء لینے یا دینے کا سوال نہیں ہے وہ شخص اپنا ہی ہاتھ جڑوا رہا ہے۔ اعضاء کی پیوندکاری کا عدم جواز دوسرے انسان کی وجہ سے تھا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آئمہ کرام کے مذکورہ اختلاف کے تناظر میں اور امام ابو یوسف کے قول کے مفتیٰ بہ ہونے کی بنا پر چور کے کٹے ہوئے ہاتھ کی پیوندکاری جائز ہے یا نہیں؟

علامہ غلام رسول سعیدی ''شرح صحیح مسلم'' میں لکھتے ہیں:

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے صرف ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے جب چور کا ہاتھ کاٹ دیا گیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول نے

دوبارہ ہاتھ جوڑنے سے منع نہیں کیا اسلئے اس ہاتھ کو اگر دوبارہ جوڑ دیا گیا تو یہ شرعاً ممنوع نہیں ہے۔ اور حدّیں صرف زجر کیلئے ہوتی ہیں اعضاء کو تلف کرنے کیلئے نہیں ہوتیں اور ہاتھ کاٹ دینے سے زجر کا تقاضا پورا ہو جاتا ہے کیونکہ جب مجمع عام میں چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا تو اسے دیکھنے والوں کو عبرت ہوگی اور نکال (عبرت) کا تقاضا پورا ہو جائے گا۔ اور سنن ابوداؤد (ج ۲ ص ۲۵۰۔ ۲۴۹ مطبوعہ مطبع مجتبائی لاہور) میں جو حضرت فضالہ بن عبید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چور کے گلے میں ہاتھ لٹکانے کا حکم دیا تو اس روایت کا ایک راوی حجاج بن ارطارۃ ہے اور وہ بالاتفاق ضعیف ہے۔ علاوہ ازیں فقہاء کے نزدیک چور کے گلے میں ہاتھ لٹکانا فقط مستحب ہے۔ فرض یا واجب نہیں ہے۔ نیز ہاتھ جوڑنے کے بعد بھی اس پر کٹنے کا نشان باقی رہے گا۔ اور یہ بعد کی عبرت کیلئے کافی ہے۔

ہم نے اس مسئلے پر غور کیا تو ہم پر یہ بات منکشف ہوئی کہ شریعت نے چور کا ہاتھ کاٹنے کا جو حکم دیا ہے اس سے شریعت کا منشاء چور کو سزا دینا اور عبرت دلانا نہیں ہے بلکہ اس سے چوری کرنے کے آلہ کو منقطع کرنا اور چوری کرنے کی صلاحیت کو کم کرنا بھی مقصود ہے۔ اگر چور کو صرف سزا دینا مقصود ہوتا تو یوں بھی ہوسکتا تھا کہ چور کی ناک یا کان کو کاٹ دیا جاتا اس سے بھی اسکو سزا مل جاتی۔ اور لوگوں کو عبرت بھی ہوتی اور یہ ضروری نہیں ہے کہ جس عضو سے جرم سرزد ہوا ہو اسی کو سزا دی جائے۔ انسان زبان سے تہمت لگاتا ہے اور اسکے پورے جسم کو اسی (۸۰) کوڑے لگتے ہیں۔ شراب منہ سے پیتا ہے اور کوڑے پورے جسم کو لگتے ہیں۔ اسی طرح زنا میں پورے جسم کو کوڑے لگتے ہیں۔ یا رجم کیا جاتا ہے سو اگر صرف سزا دینا اور عبرت دلانا مقصود

ہوتا تو چوری پر کوڑوں کی سزا مقرر کی جاسکتی تھی۔ یا ناک یا کان کاٹنے کا حکم دیا جاسکتا تھا۔ بالخصوص پہلی بار ہاتھ اور دوسری بار پیر کاٹنے کا جو حکم دیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کا منشاء یہ ہے کہ چوری کرنے کے آلہ کو کاٹ دیا جائے تاکہ وہ دوبارہ چوری نہ کر سکے۔ یا چوری کی صلاحیت میں بڑی حد تک کمی ہو جائے اور جب چور کا ہاتھ کاٹنے کے بعد دوبارہ جوڑا جائے گا تو اس سے شریعت کی واضح خلاف ورزی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیکر اس کی چوری کرنے کی صلاحیت کم کر رہا ہے اور ہم اسکا ہاتھ جوڑ کر اسکی صلاحیت کو دوبارہ بحال کر رہے ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

والسارق والسارقة فاقطعوا ایدیهما جزاءً بما کسبا نکالاً من الله والله عزیز حکیم۔ (المائدہ۔ ۳۸)

"چوری کرنے والے مرد اور عورت کے ہاتھ کاٹ دو ان کے کرتوت کا بدلہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبرتناک سزا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت غالب اور نہایت حکمت والا ہے"۔

اس آیت میں نکال کا لفظ قابل غور ہے ہمیں اردو میں کوئی ایسا لفظ نہیں ملا جو اسکا صحیح بدل ہو سکے۔ نکال کے معنیٰ کسی کام سے باز رکھنا اور دوسروں کو عبرت دلانا ہے۔

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں

نکله عن الشئ صرف عنه ویقال نکل الرجل عن الامر اذا جبن عنه۔ الجوهری نکلت بفلان اذا عاقبته فی جرم اجرمه عقوبة تنکل غیره عن ارتکاب مثله وانکلت الرجل عن حاجته انکالًا اذا دفعته عنها۔

(لسان العرب ج ۱۱ ص ۶۷۷ مطبوعه ایران)

نکلہ عن الشئ اس وقت کہتے ہیں جب کسی شخص کوکسی کام سے باز رکھا جائے اور نکل الرجل عن الامر اس وقت کہتے ہیں جب کوئی شخص کوئی کام نہ کر سکے۔ جوھری نے کہا نکل کا معنیٰ ہے کسی شخص کو جرم کی ایسی سزا دینا جسکی وجہ سے دوسرا اس کام سے باز رہے اور انکل کا معنیٰ ہے کسی شخص کو اس کے کام سے دور کردیا جائے۔ پس نکال کے معنیٰ ہیں باز رکھنا اور عبرت دلانا دونوں ملحوظ ہیں یعنی چور کو ہاتھ کاٹنے کی سزا اسلیئے دی گئی ہے کہ وہ چوری سے باز رہے اور دوسروں کو عبرت ہو۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

قال الحلبی وبعض المحققین انه انما ترك العطف اشعاراً بان القطع للجزاء والجزاء للنكال والمنع عن المعاودة۔

(روح المعانی ج٥ ص ١٣٤ مطبوعه بيروت)

حلبی اور بعض محققین نے کہا ہے کہ جزاء بما کسبا اور نکالاً کے درمیان واؤ کو اس لئے نہیں ذکر کیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ ہاتھ کاٹنا سزا دینے کیلیئے ہے اور سزا دینا عبرت دلانے اور دوبارہ چوری کرنے سے باز رکھنے کیلیئے ہے۔

پس واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم اس لئے دیا ہے تا کہ وہ چوری کرنے سے باز رہے اور ممکن حد تک اسکی چوری کرنے کی صلاحیت ختم ہو جائے اور دوبارہ اس کا ہاتھ جوڑنے میں اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی مخالفت ہے۔ ہاتھ کاٹنے کے بعد دفن کر دینا چاہیے اس کا اب چور مالک ہے نہ کوئی اور شخص۔

(شرح صحیح مسلم ج۴ص ۷۵۸ تا ۷۶۰ مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور)

علامہ سعیدی کی بحث کا ماحاصل یہ ہے کہ چور کے ہاتھ کو دوبارہ پیوند کرنا

قطعاً جائز نہیں اجازت کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی واضح خلاف ورزی لازم آتی ہے۔حق بات بھی یہی ہے۔اگر دیگر اعضاء پر قیاس کرتے ہوئے چور کو ہاتھ پیوند کرنے کی اجازت دیدی جائے تو اسکے وارے نیارے ہو جائیں گے۔ایک بینک لوٹنے کی دیر ہے پیسے بھی آجائیں گے۔ہاتھ کٹنے کے بعد دوبارہ جوڑ بھی دیا جائیگا۔پھر تو ہر دوسرا شخص چوری کرنے جرأت کریگا۔تو اس طرح ایک بڑے فساد کا دروازہ کھل جائے گا۔اور شریعت نے چور کے ہاتھ کو کاٹنے کا جو حکم صادر کیا تھا اسکا مقصد ہی فوت ہو جائیگا۔

حرام اشیاء سے علاج کا شرعی حکم

حرام اور نجس اشیاء کو بطورِ علاج استعمال کرنا اضطراری حالت میں جائز ہے

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

انّما حرّم علیکم المیتة والدّم و لحم الخنزیر و ما اھلّ به لغیر اللّٰه فمن اضطرّ غیر باغ و لا عاد فلا اثم علیه انّ اللّٰه غفور رّحیم (البقرة ـ ۱۷۳)

ترجمہ۔اللہ تعالیٰ نے صرف مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور اس جانور کو حرام کیا ہے جس پر (بوقت ذبح) غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو۔پس جو شخص مضطر (مجبور) ہو، نہ یوں کہ خواہش سے کھائے اور نہ یوں کہ ضرورت سے آگے بڑھے تو اس پر کوئی گناہ نہیں بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔(۱)

(۱) اس آیۃ کریمہ میں چار چیزوں کو حرام کیا گیا ہے ذیل میں انکا مختصر تعارف اور احکام بیان کیئے جاتے ہیں۔میتة۔اردو زبان میں اسے مردار بھی کہتے ہیں میتة سے مراد وہ جانور ہے جس کے حلال ہونے کے لئے از روئے شرع ذبح کرنا ضروری ہے مگر وہ بغیر ذبح کے خود بخود مر جائے

قرآن کریم کی مذکورہ آیۃ کریمہ میں چار چیزوں کو حرام قرار دینے کے بعد ایک حکم استثنائی مذکور ہے۔

"فمن اضطرّ غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیه ان الله غفور رّحیم"

ترجمہ۔ پس جو مضطر (مجبور) ہو اپنی خواہش سے کھانے والا نہ ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا ہو تو اس پر ان حرام اشیاء کے کھانے میں کوئی گناہ نہیں بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

اس استثنائی حکم میں اتنی آسانی کر دی گئی ہے کہ جو شخص بھی مجبور ہو جائے اسکی حالت اضطرار کی حد کو پہنچ جائے تو اسے حرام اشیاء کے استعمال کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔ اس استثنائی حکم سے معلوم ہوتا ہے کہ حرام اشیاء سے علاج حالت اضطرار میں جائز ہے۔ ضرورت واضطرار کی مکمل بحث بڑی تفصیل سے گذر چکی ہے۔

یا گلا گھونٹ کر یا کسی دوسری طرح سے چوٹ مار کر مار دیا جائے تو وہ مردار اور حرام ہے۔

حجۃ الاسلام علامہ ابوبکر بن احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی رحمۃ اللہ علیہ "میتة" کی تعریف لکھتے ہیں۔

المیتة فی الشرع اسم للحیوان المیت غیر المذکی و قدیکون میتة بان یموت حتف انفه من غیر سبب لآدمی و قد یکون میتة لسبب فعل آدمی اذالم یکن فعله فیه علی وجه الذکاة المبیحة له

(احکام القرآن للجصاص ج ۱ ص ۱۰۷ مطبوعه سهیل اکیڈمی لاهور)

میتة اصطلاح شریعت میں اس مردہ حیوان کا نام ہے جسے ذبح نہ کیا گیا ہو۔ کبھی جانور خود بخود مر کر مردار ہو جاتا ہے اس میں آدمی سبب نہیں بنتا کبھی جانور آدمی کے فعل کے سبب مردار ہو جاتا ہے جب کہ آدمی اسے ایسے طریقے سے ذبح نہ کرے جو جانور کو مباح کر دے۔ مچھلی اور ٹڈی اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

غیر اضطراری حالت میں حرام اشیاء سے علاج کا شرعی حکم

غیر اضطراری حالت اور عام بیماریوں میں ناپاک یا حرام اشیاء سے تداوی وعلاج میں علمائے امت کے مابین شدید اختلاف ہے جواز وعدم جواز ہر دونظریوں پر احادیث موجود ہیں ہم دونوں طرح کی احادیث کونقل کرنے کے بعد علمائے امت کے اقوال کی روشنی میں فیصلہ کن قول آپ کے سامنے رکھیں گے۔

علامہ ابوبکر جصاص لکھتے ہیں

فلا یجوز الانتفاع منها الا ان یخصّ شی منها بدلیل یجب التسلیم له وقدروی عن النبیّ علیه السلام تخصیص میتة السمك و الجراد۔

(احکام القرآن للجصاص ج۱ ص ۱۰۷ مطبوعه سهیل اکیڈمی لاهور)۔

مردار سے نفع حاصل کرنا جائزنہیں مگر وہ جوایسی دلیل سے مخصوص ہو جسکا تسلیم کرنا ضروری ہے بلاشبہ نبی علیہ السلام سے مچھلی اورٹڈی کے میتہ کی تخصیص مروی ہے۔

البتہ طافی مچھلی جوکہ پانی میں مرکرالٹی ہوجائے وہ میتہ کے حکم میں داخل ہےاورحرام ہے

علامہ ابوبکر جصاص لکھتے ہیں۔

واتفق المسلمون علی تخصیص غیر الطافی من الجملة فخصصناه

(احکام القرآن للجصاص)

تمام مسلمانوں کا جملہ میتہ سے غیر طافی کی تخصیص پر اتفاق ہےتو ہم نے (مچھلی سے طافی کے حکم) کومخصوص کرلیا۔

طافی مچھلی کی حرمت پرواضح احادیث ہیں بطور وضاحت ایک حدیث نقل کی جاتی ہے۔

عن جابر بن عبدالله قال قال رسول الله ﷺ ماصدتموه وهو حی فمات فکلوه و ما القی البحر میتاً طافیاً فلا تاکلوه

(احکام القرآن لجصاص ج۱ ص ۱۰۸ مطبوعه سهیل اکیڈمی لاهور)

حرام اشیاء سے علاج کا احادیث سے ثبوت

(۱)عن انس قال قدم انـاس من عكل اوعرينة فاجتووا المدينة فامرهم النبی ﷺ بلقاح وان يشربوا من ابوالها والبانها فانطلقوا فلما صحوا قتلوا راعی النبی ﷺ و استاقو النعم فجاء الخبر فی اول النهار فبعث فی اثارهم فلما ارتفع النهار جئی بهم فامربهم فقطع ايديهم و ارجلهم و سمرت اعينهم والقوافی الحرة يستسقون فلا يسقون قال ابوقلابة فهٰولاء سرقوا وقتلوا وكفروا بعدايمانهم و حاربو الله ورسوله

(صحیح بخاری ج۱ ص ۳۶ مطبوعه قدیمی کتب خانه کراچی)۔

حضرت انس سے روایت ہے فرماتے ہیں عکل یا عرینہ سے کچھ لوگ آئے اور انہیں مدینہ منورہ کی آب و ہوا ناموافق ہوئی (یعنی وہ لوگ بیمار ہو گئے) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں حکم دیا کہ وہ اونٹوں کا پیشاب اور دودھ پیئیں ۔وہ چلے گئے جب تندرست ہو گئے تو انہوں نے نبی کریم ﷺ کے چرواہے کو قتل کر دیا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس مچھلی کو تم زندہ ہونے کی حالت میں شکار کرو تو وہ مر جائے اسے کھالو اور جس مچھلی کو دریا مردہ حالت میں پھینک دے کہ وہ الٹی ہو کر پانی کے اوپر آجائے تو اسے نہ کھاؤ۔

مذکورہ آیۃ کریمہ میں میتہ کے حرام ہونیکا حکم عام معلوم ہوتا ہے جس میں میتہ کے تمام اجزاء شامل ہیں لیکن قرآن مجید کی دوسری آیت میں اسکی تشریح "علی طاعم یطعمه" کے الفاظ سے کر دی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے مردار جانور کے وہ اجزاء حرام ہیں جو کھانے کے قابل ہیں اس لئے مردار جانور کی ہڈی، بال اور جو کھانے کی چیز نہیں وہ پاک ہیں ان کا استعمال جائز ہے

اور اونٹوں کو ہانک کر لے گئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صبح کے وقت مدینہ منورہ میں ان کی خبر پہنچی تو آپ نے ان کا تعاقب کرنے کے لیے لوگ بھیجے۔ جب سورج بلند ہوا تو انہیں گرفتار کر کے حاضر کیا گیا۔ آپ نے انکے ہاتھ اور پاؤں کاٹ ڈالنے کا حکم دیا، اور گرم سلاخوں سے ان کی آنکیں نکالی گئیں اور انہیں پتھریلی زمین میں پھینک دیا وہ پانی مانگتے تھے ان کو پانی نہ دیا گیا ابو قلابہ نے کہا ان لوگوں نے چوری کی، قتل کیا اور ایمان لانے کے بعد کفر کیا (مرتد ہو گئے) اور اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی۔

قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

"ومن اصوافها واوبارها و اشعارها اثاثاً و متاعاً الیٰ حین۔الآیة"

اس آیۃ کریمہ میں ان جانورں کی اون اور بالوں کو مطلقاً جائز الانتفاع قرار دیا ہے ذبیحہ شرط نہیں ہے۔
علامہ ابو بکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

(ومن اصوافها و اوبارها و اشعارها اثاثاً و متاعاً الیٰ حین)فعم الجميع من غير فصل بين المذكى منه و بين الميت

(احکام القرآن للجصاص ج۱ ص ۱۲۱ مطبوعه سهيل اكيڈمی لاهور)

ومن اصوافها الخ یہ آیت جانوروں کے بالوں اور اون کی اباحت کو شامل ہے۔ مذکی اور غیر مذکی کے فرق وامتیاز کے بغیر مردار جانوروں کی چربی اور اس سے بنائی ہوئی چیزیں بھی حرام ہیں ان کا استعمال کسی طرح سے بھی جائز نہیں اور خرید و فروخت بھی حرام ہے

خون۔

اس آیت کریمہ میں دوسری چیز جو حرام قرار دی گئی ہے وہ خون ہے لفظ دم بمعنی خون اس آیت میں اگرچہ مطلق ہے مگر اس سے دم مسفوح یعنی بہنے والا خون مراد ہے جیسا کہ سورۃ الانعام میں دم کے ساتھ مسفوح کی قید موجود ہے او دماً مسفوحاً اس لئے باتفاقِ فقہاء خون

علامہ بدرالدین عینی حنفی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

والاستشفاء بالحرام جائز عند التیقن بحصول الشفاء کتناول المیتة فی المخمصة والخمر عندالعطش واساغة اللقمة وانما لا یباح مالا یستیقن حصول الشفاء به وقال ابن حزم صح یقیناً ان رسول الله ﷺ انماامرهم بذالك علیٰ سبیل التداوی من السقم الذی کان اصابهم وانها صحت احبسامهم بذالك والتداوی منزلة ضرورة و قد قال عزّوجلّ الّاماضطرتم الیه فما اضطر المرء الیه فهو غیر محرم علیه من المأکل والمشارب (الیٰ قوله) حتّیٰ اذا فرضنا ان احداعرف مرض شخص بقوة العلم و عرف انه لابزیله الا بتناول المحرم یباح له ان یتناوله کما یباح شرب الخمر عند العطش الشدید و تناول المیتة عند المخمصة

(عمدة القاری ج ۳ ص ۱۵۵ مطبوعه مصر)

منجمد جیسے گردہ تلی وغیرہ حلال اور پاک ہیں۔ جس طرح خون کا پینا حرام ہے اسی طرح اسکا خارجی استعمال بھی حرام ہے جس طرح تمام نجاسات کی خرید وفروخت اوران سے انتفاع حرام ہے اسی طرح خون کی خرید وفروخت اوراس سے انتفاع بھی حرام ہے۔

لحم الخنزیر۔

تیسری چیز جوآیۃ مذکورہ میں حرام قرار دی گئی ہے وہ لحم الخنزیر یعنی خنزیر کا گوشت ہے۔ خنزیر نجس العین ہے اسکے تمام اجزاء ہڈی، کھال، بال، پٹھے باجماعِ امت نجس وحرام ہیں۔ مذکورہ آیۃ کریمہ میں حرمت خنزیر کے ساتھ لحم یعنی گوشت کی قید مذکور ہے اس سے یہ مراد نہیں کہ صرف خنزیر کا گوشت حرام ہے باقی اجزاء حرام نہیں۔ بلکہ لحم کی قید بڑھا کر اس بات کی طرف اشارہ

جب شفاء کے حصول کا یقین ہو تو حرام چیزوں سے شفاء حاصل کرنا جائز ہے جیسے شدید بھوک کے وقت مردار کھانا، شدید پیاس کے وقت اور لقمہ حلق سے نیچے اتارنے کے لئے شراب پینا جائز ہے اور جس کو شفاء کے حصول کا یقین نہ ہو اس کے لئے حرام چیزوں سے علاج جائز نہیں ہے۔ ابن حزم نے کہا یہ بات صحیح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی بیماری میں بطور علاج کے اونٹنیوں کے پیشاب پینے کا حکم دیا اور اس علاج سے تندرست ہو گئے اور دواء بمنزلہ ضرورت ہے۔

کیا ہے کہ خنزیر دوسرے حرام جانوروں کی طرح نہیں ہے کہ وہ ذبح کرنے سے پاک ہو سکتے ہیں اگر چہ کھانا حرام ہی رہے گا کیونکہ خنزیر کا گوشت ذبح کرنے سے بھی پاک نہیں ہوتا وہ نجس العین بھی ہے اور حرام بھی۔

علامہ ابوبکر جصاص ''لحم'' کی قید کی وجہ قلمبند کرتے ہیں

واللحم وان كان مخصوصاً بالذكر فان المراد جميع اجزائه و انما خص اللحم بالذكر لانه اعظم منفعةً و ما يبتغى منه۔

(احکام القرآن للجصاص ج۱ ص ۱۲٤ مطبوعه سهيل اكيڈمی لاهور)

(آیت میں) لحم اگر چہ مخصوص بالذکر ہے مراد تمام اجزاء ہیں لحم (گوشت) کو ذکر کے ساتھ مخصوص اس وجہ سے کیا کہ گوشت تمام اجزاء میں سے منفعت اور مقصود کے اعتبار سے اعظم ہوتا ہے۔

وما اهلّ به بغير الله۔

چوتھی چیز جس کو اس آیت میں حرام قرار دیا گیا ہے وہ جانور ہے جس پر ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام پکارا جائے۔

حجۃ الاسلام علام ابوبکر جصاص ''احکام القرآن'' میں لکھتے ہیں

(انما حرّم عليكم الميتة والدّم و لحم الخنزير وما اهلّ به لغير الله) ولا

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الا ما اضطررتم الیہ الخ(سوا اس کے جس کی تمہیں ضرورت ہو) اور انسان کو کھانے پینے کی اشیاء سے جس چیز کی ضرورت ہو وہ حرام نہیں ۔ (علامہ عینی فرماتے ہیں) حتیٰ کہ اگر ہم فرض کرلیں کہ کوئی شخص اپنے علم کی قوت سے کسی شخص کا مرض جان لیتا ہے اور جان لیتا ہے کہ اس کا علاج کسی حرام چیز کے استعمال میں ہے تو اس کے لئے حرام چیز کا استعمال کرنا جائز ہو جاتا ہے ۔ جیسے شدید پیاس کے وقت شراب پینا جائز ہے ۔ اور شدید بھوک کے وقت مردار کھانا جائز ہے ۔

خلاف بین المسلمین ان المراد به الذبیحة اذا اهلّ بها لغیر اللّٰه عند الذبح

(احکام القرآن للجصاص ج۱ ص ۱۲۵ مطبوعه سهیل اکیڈمی لاهور)

مسلمانوں کا اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس سے مراد وہ ذبیحہ ہے جس پر ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام پکارا جائے ۔

بعض لوگ اس آیت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ جو جانور بھی غیر اللہ کے نام پر پالا ہو وہ حرام ہے مثلاً یہ کہے کہ یہ غوث اعظم کا بکرا ہے یہ خواجہ غریب نواز کا بکراا ہے وغیرہ وغیرہ یہ سب حرام ہیں ۔ کیونکہ یہ جانور غیر اللہ کے نام پر پالے گئے ہیں ان حضرات کا یہ استدلال انتہائی کمزور بلکہ نا قابلِ التفات ہے اسلئے کہ دنیا میں جو جانور بھی ہیں انکی نسبت انکے مالک انسان کی طرف ہوتی ہے مثلاً زید کا بکرا ۔ عمرو کا بکرا وغیرہ وغیرہ کوئی شخص بھی یہ نہیں کہتا کہ یہ اللہ کا بکرا ہے ہر مالک سے جس جانور کے بارے میں سوال کیا جائے تو وہ یہی کہے گا کہ یہ میرا ہے کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ یہ اللہ کا ہے لوگ بھی یہی کہتے ہیں یہ جانور فلاں شخص کا ہے غیر اللہ کی طرف منسوب ہونے سے جانور میں حلت وحرمت کا کچھ اثر نہیں پڑتا ۔ ورنہ تو سارے لوگ ہی مشرک ہو جائیں گے اور اکلِ حرام کے مرتکب ہو جائیں گے اس فتویٰ کی زد سے تو کوئی بھی نہیں بچ سکے گا ۔ اسلئے سوچ اور فکر کو درست سمت کی طرف متوجہ کرنے کی ضرورت ہے تا کہ بلاوجہ مسلمانوں کو مشرک قرار نہ دیا جائے اس طرح کی تفسیر ، تفسیر بالرائے ہے ۔ جس سے اجتناب ہر صاحبِ علم کیلئے ضروری ہے اسکی صحیح تفسیر

(۲)عن قتادة ان انساً حدثهم ان النبی ﷺ رخص لعبد الرحمٰن بن عوف والزبیر فی قمیص من حریر من حکة کانت بهما۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۰۹ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ انہیں بیان کرتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو خارش کی وجہ سے ریشم کی قمیص پہننے کی اجازت دیدی۔

وہی ہے جسے مفسرین کرام نے اپنی کتب کی زینت بنایا ہے اور انہوں نے یہی تفسیر کی ہے کہ اس سے مراد وہ جانور ہیں ذبح کرتے وقت جن پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے جیسا کہ احکام القرآن کے حوالے سے گذر چکا ہے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ غوث اعظم کا بکرا ہے، یہ خواجہ غریب نواز کا بکرا ہے انکی مراد یہ ہوتی ہے کہ اس بکرے کا ثواب ان کے لئے ہے وہ تو تقرّب الی اللہ کے لئے ہی ذبح کرتے ہیں او ذبح کرتے وقت بھی وہ بسم اللہ اللہ اکبر ہی پڑھ کر ذبح کرتے ہیں اس سے جانور قطعاً حرام نہیں ہوتا، دور جاہلیت میں لوگ کچھ جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور ان کا کھانا حرام سمجھتے تھے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کے بناوٹی احکام کی تردید فرمائی اور مسلمانوں کو ان کے کھانے کا حکم دیا۔

قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے

ما جعل اللہ من بحیرة ولا سائبة ولا وصیلة ولا حام ولکن الذین کفروا یفترون علی اللہ الکذب واکثرهم لا یعقلون (المائدہ ۔ ۱۰۳)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے نہیں مقرر کیا بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حامی کو لیکن کافر اللہ تعالیٰ پر جھوٹا افتراء باندھتے ہیں اور ان میں سے اکثر بے وقوف ہیں۔

صدر الافاضل سیّد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں

زمانۂ جاہلیت میں کفار کا یہ دستور تھا کہ وہ جو اونٹنی پانچ مرتبہ بچے جنتی اور آخری مرتبہ اس

(۳)عن انس ان عبدالرحمٰن والزبیر شکوا الی النبی ﷺ یعنی القمل فارخص لهما فی الحریر فرأیت علیهما فی غزاة۔

(صحیح بخاری ج۱ ص ۴۰۹ مطبوعه قدیمی کتب خانه کراچی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر بن عوام نے نبی ﷺ سے جوؤں کی شکایت کی تو آپ نے انہیں ریشم پہننے کی اجازت دی اور میں نے انہیں ایک غزوہ میں ریشم پہنے دیکھا۔

کے نر ہوتا اسکا کان چیر دیتے پھر نہ اس پر سواری کرتے اور نہ اسکو ذبح کرتے نہ پانی اور چارے پر سے ہنکاتے اسکو بحیرہ کہتے اور جب سفر پیش ہوتا یا کوئی بیمار ہوتا تو یہ نذر کرتے کہ اگر میں سفر سے بخیریت واپس آؤں یا تندرست ہو جاؤں تو میری اونٹنی سائبہ (بجار) ہے اور اس سے بھی نفع اٹھانا بحیرہ کی طرح حرام جانتے اور اس کو آزاد چھوڑ دیتے اور بکری جب سات مرتبہ بچے جن چکتی تو اگر ساتواں بچہ نر ہوتا تو اس کو مرد کھاتے اگر مادہ ہوتی تو بکریوں میں چھوڑ دیتے اور ایسے ہی اگر نر مادہ دونوں ہوتے اور کہتے یہ اپنے بھائی سے مل گئی اسی کو وصیلہ کہتے نہ اس کو چارہ پانی پر سے روکتے اس کو حامی کہتے (مدارک) بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ بحیرہ وہ ہے جس کا دودھ بتوں کے لئے روکتے تھے کوئی اس جانور کا دودھ نہ دھوتا اور سائبہ وہ ہے جس کو اپنے بتوں کے لئے چھوڑ دیتے تھے۔ کوئی ان سے کام نہ لیتا یہ رسمیں زمانہ جاہلیت سے ابتدائے اسلام تک چلی آرہی تھیں۔ اس آیت میں ان کو باطل قرار دیا گیا۔

(خزائن العرفان فی تفسیر القرآن)

اللہ تعالیٰ نے کفار کے اس نظریئے کو باطل قرار دیا اور کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا افتراء باندھتے ہیں اللہ تعالیٰ ان جانوروں کو حرام قرار نہیں دیا ہے۔

معلوم ہو غیر اللہ کے نام پر جانوروں کو پالنے کی وجہ سے جانور حرام نہیں ہوتا بلکہ جو جانور حلال ہے وہ حلال ہی ہے وہ حرام تب ہو گا جب ذبح کرتے وقت اس پر غیر اللہ کے نام کو

ریشم پہننا مردوں کے لئے حرام ہے مگر جوؤں کی تکلیف کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں حضرات کو ریشم پہننے کی اجازت دیدی۔

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں

قال ابن الملك فيه جواز لبس الحرير للجرب و قال غيره دل على جواز لبس الحرير لعذر و اما لبسه للضرورة كما في الجرب او لدفع القمل فلا نزاع فيه

(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح ج ٨ ص ٢٠٤ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

ابن الملک کہتے ہیں کہ اس حدیث میں خارش کی وجہ سے ریشم پہننے کا ثبوت ہے اور دوسرے علماء نے کہا ہے کہ یہ حدیث عذر کی بناء پر ریشم پہننے کے جواز پر دلالت کرتی ہے اور جوؤں کی وجہ سے یا خارش کی وجہ سے ریشم پہننے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

پکارا جائے۔ یہی تمام اہل اسلام کا نظریہ وعقیدہ ہے اور یہی بات قرین انصاف ہے اس موضوع پر بہت سے علماء نے کتابیں لکھی ہیں۔

قطب الاقطاب، زبدۃ المحققین، رئیس العارفین، حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب گیلانی قدس سرہ العزیز نے اپنی تصنیف لطیف اعلاء كلمة الله في بيان وما اهلّ به لغير الله میں اس موضوع کا حق ادا کیا ہے (ان شئت فارجع اليه)

مذکورہ آیۃ کریمہ (انما حرّم عليكم الميتة الخ) میں مذکورہ چار چیزوں کو حرام قرار دیا گیا ہے اس کے علاوہ بہت سی اور چیزیں ہیں جو اسلام میں حرام قرار دی گئی ہیں ہم انکی طوالت کے خوف کی وجہ سے نقل نہیں کر رہے تاہم "فقه السنة جلد ٣ صفحه ٢٤٠" پر اس کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ رجوع فرمائیں انتہائی اہم اور معلومات افزاء بحث ہے۔

(٤)عن عبدالرحمن بن طرفة ان جده عرفجة بن اسعد قطع انفه يوم الكلاب فاتخذ انفاً من ورق فانتن عليه فامره النبى ﷺ ان يتخذ انفاًمن ذهب (سنن ابى داؤد)

حضرت عبدالرحمٰن بن طرفہ سے روایت ہے کہ ان کے دادا حضرت عرفجہ بن اسعد رضی اللہ عنہ کی جنگ کلاب میں ناک کٹ گئی انہوں نے چاندی کی ناک بنوا کر لگائی اس میں بدبو پیدا ہوگئی تو نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے انہیں سونے کی ناک لگوانے کا حکم دیا۔ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں

و به اباح العلماء اتخاذ الا نف ذهباً و كذار بط الاسنان بالذهب

(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح)

اس حدیث کی بنا پر علماء نے سونے کی ناک لگانے اور سونے کے ساتھ دانتوں کے باندھنے کو جائز قرار دیا ہے۔ اونٹوں کا پیشاب نجس اور حرام ہے لیکن نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اصحابِ عرینہ کو بطور علاج استعمال کرنے کا حکم دیا۔ ریشم کا پہننا مردوں پر حرام ہے لیکن جوؤں اور خارش کے عذر کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر بن عوام کو ریشم پہننے کی اجازت دیدی۔ سونے کا استعمال مردوں کے لئے حرام ہے لیکن رسول اللہ ﷺ نے حضرت عرفجہ کو سونے کی ناک بنوا کر لگانے کے حکم دیا۔ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حرام چیزوں کا استعمال بوقت ضرورتِ علاج جائز ہے۔ سونے کی ناک اور ریشم پہننے کا حکم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان تکلیفوں میں دیا جن میں جان کا خطرہ نہیں تھا اس سے معلوم ہوا کہ اگر اضطرار شرعی نہ بھی ہو تو صرف علاج کی ضرورت سے حرام چیزوں

کو بطور علاج استعمال کیا جا سکتا ہے

حرام چیزوں سے علاج کی ممانعت کی حدیث

(ان اللّٰہ تعالیٰ لم یجعل شفاء امتی فیما حرّم علیھا)

(ردالمحتار علی الدر المختار ج ۱ ص ۴۰۵ مطبوعہ مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں

ان مافیہ شفاء لاباس بہ کما یحل الخمر للعطشان فی الضرورۃ و کذا اختارہ صاحب الھدایۃ ((فی التجنیس))

(ردّالمحتار علی الدّرالمختار ج ۱ ص ۴۰۶ مطبوعہ مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

جس چیز میں شفاء ہو اس میں کوئی حرج نہیں جس طرح ضرورت کے وقت پیاسے کے لئے شراب حلال ہے صاحبِ ھدایہ نے بھی تجنیس میں اسی توجیہ کو اختیار کیا ہے۔

علامہ بدرالدین عینی اس حدیث کی توجیہ فرماتے ہیں

واجیب بانہ محمول علی حالۃ الاختیار اما فی حالۃ الاضطرار فلا یکون حراماً کالمیتۃ للمضطر.

(عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۵۵ مطبوعہ مصر)

اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس سے وہ حالت مراد ہے جب انسان کو حلال و حرام دونوں طرح کی دوا کے استعمال کا اختیار ہو، رہا حالتِ اضطرار کا مسئلہ تو اس میں وہ دوا شرعاً حرام نہیں رہے گی جیسے کہ مضطر (مجبور) کے لئے مردار حرام نہیں رہتا۔

علامہ قاضی خان اوزجندی ''فتاویٰ قاضی خان'' میں اس حدیث کا جواب لکھتے ہیں

و عن ابی نصر بن سلام رحمه اللّٰه تعالی معنی قوله علیه السلام" ان اللّٰه لم یجعل شفاء کم فیما حرّم علیکم" انما قال ذلك فی الاشیاء التی لایکون فیه شفاء فاما اذا کان فیه شفاء فلا باس به قال الاتری ان العطشان یحل له شرب الخمر حالة الاضطرار۔

(فتاویٰ قاضی خان علی هامش الهندیه جلد ۳ ص ٤٠٤ مطبوعه پشاور)

حضرت ابونصر بن سلام بیان کرتے ہیں کہ ''حدیث اللہ تعالیٰ نے اس چیز میں تمہاری شفاءنہیں رکھی جس کوتم پر حرام کیا ہے'' سے مراد وہ اشیاء ہیں جن میں شفاءنہیں ہے لیکن جب کسی چیز میں شفاء ہوتو کوئی حرج نہیں کیا تم نہیں دیکھتے کہ پیاسے کے لیے حالت اضطرار میں شراب پینا حلال ہے۔

علامہ ابن بزاز کردی ''فتاویٰ بزازیہ'' میں اس حدیث کا جواب لکھتے ہیں

ومعنیٰ قوله علیه الصّلوٰة والسلام لم تجعل شفاء کم فیما حرّم علیکم نفی الحرمة عند العلم بالشفاء دل علیه جواز اساغة اللقمة بالخمر وجواز شربه للعطش

(فتاوٰی بزازیه علی هامش الهندیه ج ٦ ص ٣٦٥ مطبوعه مصر)

نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے قول ''حرام چیزوں میں تمہاری شفاءنہیں ہے'' کا معنیٰ یہ ہے کہ جس چیز میں شفاء کا علم ہو وہ حرام نہیں (یعنی جس میں علم ہو کہ شفاء نہیں ہے وہ اپنی حرمت پر رہے گی)۔ اسکی دلیل یہ ہے کہ جولقمہ حلق میں پھنسا ہوا ہو اس کوشراب سے نیچے اتارنا جائز ہے اور (اضطراری) پیاس میں شراب پینا جائز ہے۔

حرام و نجس اشیاء سے علاج کے بارے میں فقہائے شافعیہ کا نظریہ

رسول اللہ ﷺ نے اصحابِ عرینہ کو اونٹنیوں کا پیشاب پینے کا حکم دیا تھا اس حدیث کی شرح میں علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں

استدل اصحاب مالك و احمد بهذا الحديث ان بول ما يو كل لحمه وروثه طاهرِ ان و اجاب اصحابنا و غير هم من القائلين بنجا ستهما بان شربهما الابوال كان للتداوى وهو جائز بكل النجاسات سوى الخمر و المسكرات

(شرح مسلم للنووی ج۲ ص ۵۷ مطبوعه قدیمی کتب خانه کراچی)

امام مالک اور امام احمد کے اصحاب نے اس حدیث سے حلال جانوروں کے پیشاب اور گوبر کی طہارت پر استدلال کیا ہے اور ہمارے اصحاب شافعیہ اور دوسرے علماء جو ان کی نجاست کے قائل ہیں یہ جواب دیتے ہیں کہ انہیں جو اونٹنیوں کا پیشاب پلایا گیا وہ دوا کے طور پر تھا اور شراب کے سوا ہر نجس چیز کو بطور دوا استعمال کرنا جائز ہے۔

علامہ قسطلانی شافعی ''ارشاد الساری شرح صحیح بخاری'' میں اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں۔

و ذهب الشافعی و ابو حنيفة و الجمهور الى ان الا بوال كلها نجسة الاماعفى عنه وحملوا ما فى الحديث على التدّاوى فليس فيه ذليل على الاباحة فى غير حالة الضرورة وحديث ام سليم المروى عند ابى داؤد(ان اللّٰه لم يجعل شفاء امتى فيما حرّم عليها) محمول على حالة الاختيار و اما حالة الاضطرار فلا حرمة كالميتة للمضطر

(ارشاد الساری شرح صحیح بخاری ج۱ ص ۲۹۴ مطبوعه مصر)

امام شافعی اور امام ابو حنیفہ اور جمہور کا مسلک یہ ہے ہر قسم کا پیشاب نجس ہے

سوائے اس مقدار کے جو معاف ہے اور اصحابِ عرینہ کے پیشاب پینے کا جو واقعہ حدیث میں مذکور ہے وہ بطور دوا و علاج تھا اس حدیث میں بغیر ضرورت کے پیشاب پینے کے جواز پر دلیل نہیں اور ابوداؤد میں جو ام سلیم کی حدیث ہے ''اللہ تعالیٰ نے میری امت کی شفا حرام میں نہیں رکھی'' یہ حالت اختیار پر محمول ہے حالت اضطرار میں حرام اشیاء سے علاج حرام نہیں ہے جیسے مضطر کے لئے مردار حلال ہے۔

شیخ شربینی شافعی لکھتے ہیں

ام الترياق المعجون بها و نحوه مما تستهلك فيه فيجوز التداوی به عنه فقد ما يقوم مقامه مما يحصل به التداوی من الطاهرات كالتداوی بنجس كلحم حية و بول

(مغنی المحتاج ج ٤ ص١٨٨ مطبوعه بيروت)

تریاق معجون کے ساتھ علاج جائز ہے جب اس کے قائم مقام پاک موجود نہ ہو جیسے سانپ کے گوشت یا پیشاب کے ساتھ علاج کیا جائے۔

فقہائے مالکیہ وحنبلیہ کا نظریہ

امام عبدالوہاب شعرانی ''میزان الکبریٰ الشریعة'' میں لکھتے ہیں

ومن ذالك قول مالك واحمد و الشافعی فی اصح اقواله انه يجوز شرب الخمر للضرورة كالعطش والتداوی مع قول ابی حنيفة انه يجوز للعطش لاللتداوی و مع قول الشافعی فی القول الثانی انه يجوز شرب القليل للتداوی و مع قوله فی القول الثالث يجوز للعطش ما يقع به الری فقط

(ميزان الكبرىٰ الشريعة ج٢ ص ٢١٥ مطبوعه بيروت)

امام مالک وامام احمد بن حنبل اور امام شافعی کا صحیح قول یہ ہے کہ پیاس اور دوا کی ضرورت کی وجہ سے شراب پینا جائز ہے اور امام ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ پیاس کی وجہ سے جائز ہے دوا کی وجہ سے نہیں۔ امام شافعی کا دوسرا قول یہ ہے کہ دوا کے لئے تھوڑا سا پینا جائز ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ پیاس کی وجہ سے سیر ہونے کی حد تک جائز ہے۔

فقہائے حنفیہ کا نظریہ

صاحبِ درمختار علامہ علاؤالدین حصکفی لکھتے ہیں

اختلف فی التداوی بالمحرم و ظاهر المذهب المنع کما فی رضاع البحر لکن نقل المصنف ثمه وهنا عن الحاوی و قیل یرخص اذ علم فیه الشفاء ولم یعلم دواء آخر لما رخص الخمر للعطشان وعلیه الفتوی

(الدر المختار مع ردالمحتار ج ۱ ص ۴۰۵ مطبوعه مکتبه حنفیه کوئٹه)

حرام چیزوں کو بطور دوا استعمال کرنے میں اختلاف ہے ظاہر مذہب میں ممنوع ہے جیسا کہ بحرالرائق کی کتاب الرضاع میں ہے لیکن مصنف نے وہاں اور یہاں حاوی سے نقل کیا ہے جب حرام چیز میں شفاء کا علم ہو اور کسی دواء کا علم نہ ہو تو پھر اجازت ہے جیسا کہ پیاسے کے لئے شراب پینے کی اجازت ہے

علامہ ابن عابدین شامی اس بحث میں علم کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں

قد علمت ان قول الاطباء لایحصل به العلم والظاهر ان التجربة یحصل بها غلبة الظن دون الیقین الا ان یریدوا بالعلم غلبة الظن وهو شائع فی

کلا مهم تأمل

(ردالمحتار علی الدرالمختار ج ۱ ص ۴۰۶ مطبوعہ مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

اطباء کے قول سے علم بمعنیٰ یقین حاصل نہیں ہوتا اور ظاہر یہ ہے کہ تجربہ سے غلبہ ظن حاصل ہوتا ہے نہ کہ یقین، البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ فقہاء کی علم سے مراد غلبۂ ظن ہو اور ان کے کلام میں اکثر ایسا ہوتا ہے۔

ماحاصلِ بحث

ہر دو طرح کی احادیث کو سامنے رکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حالت اختیار (یعنی جب مریض کو حلال وحرام دونوں طرح کی دواؤں کو استعمال کرنیکی اجازت ہو تو اس صورت میں حرام اور نجس چیزوں کو بطور علاج استعمال کرنا جائز نہیں البتہ حالت اضطرار میں اسکی اجازت ہے۔ (اس پر ہم تفصیلی بحث کر چکے ہیں) لیکن متاخرین فقہائے کرام نے موجودہ زمانے میں حرام وناپاک دواؤں کی کثرت اور ابتلاء عام اور عوام کے ضعف پر نظر کر کے اس شرط کے ساتھ حرام ونجس دواؤں کی اجازت دے دی ہے کہ کوئی دوسری حلال اور پاک دوا موجود نہ ہو یا موجود تو ہو مگر اس مرض کے لئے کارگر ثابت نہ ہو۔

جیسا کہ فقہائے کرام کی عبارات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ڈاکٹر جب کسی مریض کو مرض کے علاج کے لئے کوئی حرام چیز استعمال کرنے کی تجویز دے اور کہے کہ میرے علم میں اس دوا کے علاوہ اور کوئی علاج نہیں تو اس کا علم اگرچہ غلبہ ظن کے معنی میں ہے لیکن فقہاء کرام نے اس کا اعتبار کیا ہے اور اس صورت میں حرام اور نجس

دواؤں کے استعمال کی اجازت دی ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ جیسا کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔

تفصیل مذکور سے اور ان تمام دواؤں کا حکم معلوم ہو گیا جن میں حرام ونجس اشیاء اور الکوحل کی آمیزش ہوتی ہے احتیاط بہر حال احتیاط ہے خصوصاً جب کوئی شدید ضرورت بھی نہ ہو علامہ غلام رسول سعیدی نے اس مسئلے پر شرح صحیح مسلم جلد دوئم کتاب الجنائز میں سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ مزید تشفی کے لئے شرح صحیح مسلم کی طرف رجوع فرمائیں۔

انتقال خون کی شرعی حیثیت:

خون انسان کا جز ہے جب بدن سے نکال لیا جائے تو وہ نجس وناپاک ہو جاتا ہے۔ خواہ وہ خون مسلم کا ہو یا کافر کا۔ مرد کا ہو یا عورت کا۔ یہ الگ بات ہے کہ نجاست کی شدت وغلظت کفر واسلام، متقی وغیر متقی وغیرہ کیفیات کے اعتبار سے کچھ باطنی فرق تو ہے مگر اس فرق کا کوئی اثر اسکے استعمال میں ظاہر نہ ہوگا۔ کیونکہ نفس حرمت ونجاست میں کافر ومسلم کا خون برابر ہے۔ اسکا اصل تقاضا یہ ہے کہ عام حالات میں ایک انسان کا خون دوسرے انسان کے جسم میں منتقل کرنا حرام ہو۔

نقالِ خون کی حرمت کی دو وجہیں علماء کرام نے لکھی ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ خون انسان کا جزء ہے اور انسانی جزء کا استعمال جائز نہیں ہوتا۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ خون نجس اور حرام ہے لہذا اسکا استعمال جائز نہیں۔

لیکن اضطراری حالت میں یعنی جان جانے کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں علماء امت

نے انتقال خون کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

جہاں تک پہلی وجہ یعنی خون کے جزءانسان ہونے کا تعلق ہے اس میں غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ خون اگرچہ جزءانسان ہے مگر اسکو دوسرے انسان کے بدن میں منتقل کرنے کیلئے اعضاء انسانی میں کاٹ چھانٹ کی ضرورت پیش نہیں آتی بلکہ انجکشن کے ذریعے خون نکالا جاتا ہے اور دوسرے کے بدن میں منتقل کیا جاتا ہے۔ اسلئے اس حیثیت سے اسکی مثال انسانی دودھ کی سی ہے۔ دودھ خون کیلئے بڑی حد تک واضح نظیر ہے۔ انسان (عورت) کا دودھ۔ انسان کا جزء ہے جو دوسرے انسانوں میں منتقل ہوکر انکے بدن کا حصہ بنتا ہے۔ عورت کبھی اپنے بچوں کو دودھ پلاتی ہے کبھی دوسروں کے بچوں کو بھی دودھ پلاتی ہے۔ جسکی وجہ سے شریعت اسے رضاعی ماں کا درجہ دیتی ہے۔ دودھ کو جس طرح ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل کرنے سے بدن انسان کی چیر پھاڑ، کانٹ چھانٹ (قطع وبرید) اور چیر پھاڑ کی حاجت نہیں ہوتی ہے۔

(۲) جب بدن انسان سے خون کو نکالا جائے تو تازہ خون اسکی جگہ لے لیتا ہے اور خون روزانہ بنتا رہتا ہے ایسے ہی دودھ پلانے کے ایام میں عورت کا دودھ روزانہ بنتا رہتا ہے اور پہلے دودھ کی جگہ لے لیتا ہے۔

(۳) جس طرح دودھ کے نکلنے سے انسان کی جسمانی ساخت میں کوئی فرق نہیں آتا اور نہ اسکے نکلنے سے انسان کے جسم کی کارکردگی یا اسکی نفع اندوزی میں کوئی معتد بہ فرق آتا ہے۔ اسی طرح انسان کے جسم سے خون نکالنے سے بھی کوئی معتد بہ فرق نہیں آتا ہے۔ گویا انسانی خون، دودھ کی طرح ہے۔ اسلام نے بچہ کی

ضرورت کے پیش نظر انسانی دودھ ہی کو اسکی غذا قرار دیا اور بچوں کو ماں کا دودھ پلانا صرف جائز ہی نہیں بلکہ عام حالات میں واجب قرار دیا ہے۔ بچوں کے علاوہ بڑوں کے علاج کیلئے فقہاء کرام نے عورت کے دودھ کے استعمال کو جائز قرار دیا ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے

ولابأس بان یسعط الرجل بلبن المرأة ویشربه للدّواء۔

(فتاویٰ عالمگیری ج ٤ ص ١١٢ مطبوعه پشاور)

اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ از راہ علاج آدمی کی ناک میں عورت کا دودھ ڈالا جائے۔ اسلئے جزء انسانی ہونے کی حیثیت سے اگر خون کو دودھ پر قیاس کیا جائے تو کچھ بعید قیاس نہیں لہذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس طرح اسلام نے عورت کے دودھ کو جزء انسانی ہونے کے باوجود ضرورت کی بناء پر بچوں کیلئے جائز قرار دیا۔ اسی طرح ضرورت کی بنا پر خون دینا بھی جائز ہو۔

اب خون کا استعمال حرام ہونے کی دوسری وجہ رہ جاتی ہے اور وہ یہ کہ خون نجس و ناپاک ہے اب یہ تداوی بالحرام (حرام اشیاء کیساتھ علاج) میں داخل ہوگا۔ تو اسکے بارے میں گذارش یہ ہے کہ جب حالت اضطراری ہو تو چند شرائط کے ساتھ حرام اور ممنوع اشیاء کے استعمال کی اجازت ہوتی ہے۔ جیسا کہ اضطرار کی بحث میں تفصیل گذر چکی ہے۔

انتقال خون کے جواز کی شرائط:

ایک انسان کا خون دوسرے انسان کے جسم میں منتقل کیا جا سکتا ہے البتہ اسکے جواز کی

مندرجہ ذیل شرائط ہیں۔

(۱) حالت اضطراری ہو۔ یعنی کسی مریض کی ہلاکت کا خطرہ ہو اور ماہر ڈاکٹر کی نظر میں اسکی جان کے بچنے کا اسکے سوا کوئی راستہ نہ ہو۔

(۲) کوئی ماہر ڈاکٹر خون کے استعمال کو ناگزیر قرار دیدے۔

(۳) محض قوت یا جسمانی حسن میں اضافہ مقصود نہ ہو۔ یعنی جب ہلاکت یا مرض کی طوالت کا اندیشہ نہ ہو بلکہ محض قوت بڑھانا یا حسن میں اضافہ کرنا مقصود ہو تو ایسی صورت میں خون دینا ہرگز جائز نہیں۔

(۴) خون کے متبادل کوئی دواء موجود نہ ہو جس سے صحت کا امکان ہو۔

جب یہ شرائط پائی جائیں تو دوسرے انسان کو خون دینے میں کوئی حرج نہیں۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے

یجوز للعلیل شرب الدم والبول واکل المیتة للتداوی اذا اخبره طبیب مسلم ان شفائه فیه ولم یجد من المباح ما یقوم مقامه وان قال الطبیب یتعجل شفائك فیه وجهان۔

(فتاویٰ عالمگیری ج۵ ص ۳۵۵ مطبوعہ پشاور)

بیمار کو ازراہ علاج مردار کھلانا۔ خون اور پیشاب پلانا جائز ہے بشرطیکہ کوئی مسلمان طبیب اطلاع دے کہ اس پر شفاء ہے اور وہ کوئی دوسری مباح چیز نہ پائے جو اسکے قائم مقام ہو۔ اور اگر (اسکی متبادل دواء تو موجود ہو لیکن) طبیب کہے اس میں جلد شفاء ہوگی تو اس میں دو راہیں ہیں۔ یعنی بعض نے جائز اور بعض نے ناجائز قرار دیا ہے۔

غیر مسلم کا خون مسلم کے بدن میں داخل کرنا

غیر مسلم کے خون کو مسلم کے بدن میں داخل کرنا جائز ہے چونکہ مریض کے جسم میں جس گروپ کا خون ہوتا ہے اسی گروپ کا خون اسکے بدن میں چڑھانا ضروری ہوتا ہے اس گروپ کا خون خواہ مسلم کا ہو یا کافر کا، مرد کا ہو یا عورت کا۔ محض مسلمان کے خون کی قید لگانا حرجِ عظیم ہے۔ البتہ اگر پہلے سے مسلمان کا خون اس گروپ کا ہے تو مسلمان کا خون چڑھانا بہتر ہے۔ کیونکہ کافر یا فاسق وفاجر انسان کے خون میں جو اثراتِ خبیثہ ہیں انکے منتقل ہونے اور اخلاق پر اثر انداز ہونے کا قوی خطرہ ہے۔ اسی لئے صلحاء امت نے فاسق وفاجر عورت کا دودھ پلوانا پسند نہیں کیا۔ اسی بناء پر کافر، فاسق، فاجر انسان کے خون سے حتی المقدور اجتناب بہتر ہے۔

انتقال خون سے حرمتِ مصاہرت ورضاعت ثابت نہیں ہوتی

شوہر کا خون بیوی کے بدن میں یا بیوی کا خون شوہر کے بدن میں داخل کرنے سے نکاح پر شرعا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ خون چڑھانے سے حرت مصاہرت یا حرمت رضاعت وغیرہ ثابت نہیں ہوتی۔ نکاح بدستور قائم رہتا ہے۔ کیونکہ شریعت اسلام نے محرمیت کو نسب، مصاہرت اور رضاعت کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ اس سے تجاوز کرنا درست نہیں۔ حرمت رضاعت کا ثبوت مدت رضاعت کے ساتھ مخصوص ہے۔ مدت رضاعت اڑھائی سال ہے اڑھائی سال عمر کے بعد حرمتِ رضاعت ثابت نہی ہوتی۔ اس مسئلہ کو قدرے تفصیل سے ذکر کردیتے ہیں تا کہ مسئلہ واضح ہو جائے

حرمتِ مصاہرت

حرمت مصاہرت کا ثبوت چار چیزوں سے ہوتا ہے

(۱)وطی سے (۲)شہوت کے ساتھ چھونے سے (۳)شہوت کے ساتھ بوسہ دینے سے (۴) فرجِ داخل کی طرف دیکھنے سے

المبسوط لسرخسی میں ہے۔

واذا وطی الرجل امرأـة بملك يمين او نكاح او فجور يحرم عليه امها و ابنتها و تحرم هی علی آبا ئه و ابنا ئه

(المبسوط لسر خسی ج٤ ص ٢٢٨ مكتبه رشيديه كوئٹه

اور جب کوئی مرد کسی عورت سے وطی کرے (خواہ وہ وطی) ملکِ یمن کی وجہ سے ہو یا نکاح کی وجہ سے ہو یا فجور (یعنی زنا) کی صورت میں ہو اس مرد پر موطوئۃ کی ماں اور بیٹی حرام ہو جاتی اور یہ عورت واطی (مرد) کے آباء وابناء پر حرام ہو جاتی ہے۔

شیخ الاسلام شمس الآئمہ علامہ سرخسی رحمتہ اللہ علیہ آگے جا کر ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

اذعـرفنا هذا فنقول كما ثبتت حرمة المصاحرة با لوطء، ثبتت با لمسّ، والتقبيل عن شهوة عندنا سواء كان فی الملك او فی غير الملك۔

(المسبوط لسر خسی ج ٤ ص ٢٣١ مطبوعه رشيديه كوئٹه)

جب ہم یہ پہچان لیا تو ہم کہتے ہیں جس طرح حرمت مصاحرت وطی سے ثابت ہوتی ہے اسی طرح شہوت سے چھونے اور بوسہ دینے سے بھی ثابت ہوتی ہے چاہے وہ ملک میں ہو یا غیر ملک میں۔

ھدایہ میں ہے۔

ومن زنیٰ بأمرأة حرمت علیه امها وبنتها (الیٰ ان قال) ومن مسته امرأة بشهوة حرمت علیه امها وبنتها۔

(هدایه ج ۲ ص ۲۸۹ مکتبه امدادیه ملتان)

اور جو شخص کسی عورت کے ساتھ زنا کرے اس پر اس عورت کی ماں اور بیٹی (اصول وفروغ) حرام ہو جاتی ہے اور جس عورت کے ساتھ شہوت سے مس کرے اس پر اس عورت کی ماں اور بیٹی حرام ہو جاتی ہے۔

اسی طرح اگر مرد عورت کو چھوئے یا عورت کی فرجِ داخل میں دیکھے تو اس سے بھی حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ ''ردالمحتار'' میں صدر الشہید کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

واذا قبّلها او لمسها او نظر الیٰ فرجها ثم قال لم یکن عن شهوة ذکر الصدر الشهید انه فی القبلة یفتیٰ بالحرمة مالم یتبیّن انه بلا شهوة و فی المس و النظر لا، الّا ان تبیّن انه بشهوة لأنّ الاصل فی التقبیل الشهوة بخلاف المس والنظر۔

(ردالمحتار علی الدّر المختار ج ٤ ص ۱۱۸ مطبوعه مکتبه رشیدیه کوئٹه)

اور جب کوئی شخص کسی عورت کو بوسہ دے یا اس کی فرج کی طرف دیکھے پھر کہے (یہ عمل) شہوۃ سے نہیں تھا۔ تو صدر الشہید نے ذکر کیا ہے کہ بوسہ کی صورت میں حرمت کا فتویٰ دیدیا جائے گا جب تک یہ واضح نہ ہو کہ یہ بلا شہوۃ ہے اور چھونے اور دیکھنے کی صورت میں حرمت کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔ الّا یہ کہ واضح ہو جائے کہ شہوۃ کے ساتھ تھا اس لئے کہ تقبیل (بوسہ دینے) میں اصل شہوۃ ہے بخلاف مس ونظر کے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں

و فی القبلة یفتیٰ بها ای بالحرمة ما لم یتبیّن انه بلا شهوة و یستوی ان یقبل الفم او الذقن او الخد او الرأس، وقیل ان قبل الفم یفتی بها و ان ادعی انه بلا شهوة و ان قبل غیره لا یفتی بها الّا اذا ثبتت الشهوة۔

(رد المحتار علی الدرا المختار ج ٤ ص ١١٩ مطبوعه مکتبه رشیدیه کوئٹه)

اور بوسہ کی صورت میں حرمت مصاہرت کافتوی دیدیا جائے گا جب تک یہ واضح نہ ہو کہ وہ بلا شہوت ہے اور اس میں برابر ہے کہ منہ کا بوسہ دیا ہو یا ٹھوڑی کا بوسہ دیا ہو یا رخسار کا بوسہ دیا ہو یا سر کا بوسہ دیا ہو۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اگر منہ کا بوسہ دیا تو حرمت مصاہرت کافتوی دے دیا جائے گا اگر چہ بوسہ دینے والا یہ دعوی کرے کہ وہ بلا شہوت ہے اور اگر منہ کے علاوہ بوسہ دیا تو جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ یہ شہوت سے ہے اس وقت تک حرمت مصاہرت کافتویٰ نہیں دیا جائے گا۔

تنویر الابصار میں ہے۔

"والمعانقه کالتقبیل"۔

(تنویر الابصار، در محتار مع ردالمحتار ج ٤ ص ١١٩ مطبوعه مکتبه رشیدیه کوئٹه)

"معانقہ، تقبیل کی طرح ہے"۔

یعنی جس طرح بوسہ کی صورت میں حرمت مصاہرت کافتویٰ دیدیا جاتا ہے اسی طرح معانقہ کی صورت میں بھی حرمت مصاہرت کافتویٰ دے دیا جائے گا۔ جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ وہ بلا شہوت ہے۔

وطی کی صورت میں تو حرمت مصاہرت اسلئے ثابت ہوتی ہے کہ وطی بچے کے واسطے سے جزئیت کا سبب ہے حتیٰ کہ بچہ واطی وموطوءہ دونوں کی طرف منسوب ہو

ہے تو موطوءَ کے اصول وفروع واطی کے اصول وفروع کی طرح ہو جاتے ہیں اسی طرح واطی کے اصول وفروع موطوءۃ کے اصل وفروع کی طرح ہوجاتے ہیں۔

جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔

انّ الوطی سبب الجزئیة بواسطة الولد حتیٰ یضاف الیٰ کل واحد منهما کملاً فیصیر اصولها و فروعها کاصوله وفروعه و کذالك علی العکس۔

(ہدایہ ج ٤ ص ٢٨٥ مطبوعه مکتبه امدادیه ملتان)

بے شک وطی جزئیت کا سبب ہے بچے کے واسطہ سے حتی کہ وہ بچہ مضاف و منسوب ہوتا ہے واطی اور موطوءہ دونوں کی طرف مکمل طور پر۔تو موطوءہ کے اصول و فروع واطی کے اصول وفروع کی طرح ہوجاتے ہیں اوراسی طرح عکس پر (یعنی واطی کے اصول وفروع موطوءہ کے اصول وفروع کی طرح ہوجاتے ہیں)۔

شہوت سے چھونے اور بوسہ دینے سے حرمتِ مصاہرت اس لئے ثابت ہوجاتی ہے کہ یہ دونوں داعی الی الوطی کا سبب ہیں تو یہ دونوں وطی کے قائم مقام ہیں جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔

”ان المس والنظر سبب داع الی الوطی فیقام مقامه فی موضع الاحتیاط“

(ھذایه ج۲ ص ۲۸۹ مطبوعه مکتبه امدادیه ملتان)

مس (چھونا) اور دیکھنا ایسے سبب ہیں جو داعی الی الوطی ہیں تو انہیں موضع احتیاط میں وطی کے قائل مقام کر دیا گیا ہے۔

حرمت مصاہرت احادیث وآثار کی روشنی میں

(۱)عن ابن عمر رضی اللہ عنهما قال:اذا جامع الرجل المرأة او قبّلها بشهوة اولمسها بشهوة او نظر الیٰ فرجها بشهوة، حرمت علی ابیه و ابنه، و حرمت علیه امها، و ابنها۔

(المبسوط لسرخسی ج ٤ ص ٢٣١ مکتبه رشید کوئٹه)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں جب کوئی مرد کسی عورت سے جماع کرے یا اسے شہوت سے بوسہ دے یا شہوت سے اسے چھوئے یا شہوت سے اس کے فرج کی طرف دیکھے وہ عورت اس مرد کے باپ اور بیٹے کے لئے حرام ہو جاتی ہے اور اس مرد پر اس عورت کی ماں اور بیٹی حرام ہو جاتی ہے۔

(۲)عن مسروق رحمه اللہ تعالیٰ قال بیعوا جاریتی هذه اما انی لم اصب منها ما یحرمها علیٰ ولدی من المس و القبلة۔

(المبسوط ج ٤ ص ٢٣١ مطبوعه مکتبه رشیدیه کوئٹه)

حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا میری اس لونڈی کو فروخت کر دو۔ میں نے اس کے ساتھ ایسا کوئی معاملہ نہیں کیا جس کی وجہ سے یہ میری اولاد پر حرام ہو جائے یعنی چھونے یا بوسہ دینے کا معاملہ نہیں کیا۔

(۳)عن ام هانی رضی اللہ تعالیٰ عنها ان النبی ﷺ قال من نظر الیٰ فرج امرأة بشهوة حرمت علیه امها وابنتها۔

(المبسوط ج ٤ ص ٢٣١ مطبوعه مکتبه رشیدیه کوئٹه)

حضرت ام ھانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے بے شک نبی ﷺ نے

فرمایا جو کسی عورت کے فرج کی طرف شہوت سے دیکھے اس پر عورت کی ماں اور بیٹی حرام ہو جاتی ہے۔

(٤) عن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه انه جرّه جارية ثم نظر اليها ثم استوهبها منه بعض بنيه فقال اما انها لا تحل لك

(المبسوط ج ٤ ص ٢٣١ مطبوعه مكتبه رشيديه كوئٹه)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی لونڈی کے کپڑے اتارے پھر اس کی طرف دیکھا پھر اس کا کچھ حصہ اپنے کسی بیٹے کو ہبہ کر دیا اور فرمایا یہ تیرے لئے حلال نہیں۔

فقی جزئیات، احادیث و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ حرمت مصاہرت کے چار اسباب ہیں۔ (۱) وطی (۲) شہوت سے چھونا (۳) شہوت سے بوسہ دینا (۴) فرجِ داخل کو دیکھنا۔ حرمت مصاہرت میں اصول و فروع تمام حرام ہو جاتے ہیں جیسا کہ مبسوط سرخسی میں ہے۔

ثم حرمة المصاهرة بهذا الاسباب تعتدّی الیٰ آبائه وان علوا وابنائه وان سفلو من قبل الرجال والنساء جميعاً وكذالك تعتدّی الیٰ جداتها و الیٰ نوافلها لما بيّنا ان الاجداد والجدّات بمنزلة الآباء والامهات والنوافل بمنزلة الاولاد فيما تبنى عليه الحرمة وذالك كله مروی عن ابراهيم النخعی رحمه الله تعالی

(المبسوط ج ٤ ص ٢٣٢ مطبوعه مكتبه رشيديه كوئٹه)

پھر حرمت مصاہرت ان اسباب کے ساتھ متعدی ہوتی ہے آباء کی طرف اگرچہ اوپر تک ہوں اور بیٹوں کی طرف اگرچہ نیچے تک ہوں مردوں اور عورتوں سب

کی جانب سے۔اسی طرح دادیوں کی طرف اور پوتوں کی طرف اس وجہ سے کہ جو ہم نے بیان کردیا کہ دادے بمنزلہ آباء کے ہیں اور دادیاں بمنزلہ امہات کے ہیں اور پوتے بمنزلہ اولاد کے ہیں حرمت کے ثابت ہونے میں اور یہ تمام حضرت ابراھیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔

احادیث وآثار اور فقہی جزئیات کا بنظرِ عمیق مطالعہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حرمت مصاہرت میں شہوت کا بڑا دخل ہے جہاں شہوت نہیں ہوگی وہاں حرمت مصاہرت بھی ثابت نہیں ہوگی۔انتقال خون کی صورت میں حرمت مصاہرت کا کوئی سبب نہیں پایا جاتا لہذا خون کے دینے سے حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی۔

حرمتِ رضاعت

حرمت رضاعت کا تحقق مدۃِ رضاعت میں دودھ پینے سے ہوتا ہے وہ دودھ قلیل ہو یا کثیر۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وامّھا تکم الّاتی ارضعنکم و اخواتکم من الرضاعة ۔(النساء۔۲۳)

اور (حرام کی گئیں ہیں تم پر) تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور تمہاری دودھ کی بہنیں۔

یہ آیت اپنے عموم کے اعتبار سے دودھ کے ایک قطرے کو بھی شامل ہے گویا حرمت رضاعت کیلئے کوئی حد متعین نہیں ہے۔دودھ پینا شرط ہے خواہ بچہ خود دودھ چوسے یا اس کے حلق میں دودھ ٹپکایا جائے یا بچے کی ناک کے ذریعے دودھ پہنچایا جائے۔ان تمام طرق سے حرمت رضاعت ثابت ہوجائے گی اس کے علاوہ کسی اور سوراخ کے

ذریعے دودھ ڈالا جائے تو رضاعت ثابت نہ ہوگی۔

الجوہرۃ النیّرہ میں ہے۔

ھو فی اللّغة المص و فی الشرع عبارة عن ارضاع مخصوص یتعلق به التحریم فقولنا مخصوص ان تکون المرضة آدمیة والراضع فی مد ـة الرضاع وسواء وصل اللبن الیٰ جوف الطفل من ثدی اومسعط اوغیره فان حقن به لم یتعلّق به تحریم فی المشهور وان اقطر فی اذنه او فی احلیله او فی جائفة او آمة لم یحرم۔

(الجوهرة النیّره ج٢ ص٩٢ مطبوعه قدیمی کتب خانه کراچی)

رضاعت کا لغوی معنیٰ ہے عورت کا پستان چوسنا اور اصطلاح شریعت میں عورت کا اپنی چھاتی کو مخصوص انداز میں چسوانا ہے۔ جس سے حرمت متعلق ہے۔ ہمارے قول (مخصوص) کا معنیٰ یہ ہے کہ دودھ پلانے والی آدمیہ ہو اور دودھ پینے والا مدۃ رضاعت میں ہو۔ برابر ہے کہ دودھ بچے کے پیٹ تک پستان کے ذریعے پہنچے یا ناک کے ذیعے ہو یا اس کے علاوہ کسی طریقے سے دودھ پیٹ میں پہنچ جائے۔
اگر حقنہ کیا تو مشہور قول کے مطابق حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی اور اگر دودھ کے قطرے کان میں ڈالے یا پیشاب کے مقام سے دودھ پہنچایا گیا یا پیٹ یا دماغ میں زخم تھا اس میں دودھ ڈالا کہ اندر تک پہنچ جائے تو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی۔

الجوہرۃ النیّرہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مدّتِ رضاعت کے اندر بچے کے پیٹ میں انسانی دودھ پہنچ جائے تو اس سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔

ھدایہ میں ہے۔

قلیل الرضاع و کثیرہ سواء اذا حصل فی مدّۃ الرضاع یتعلق بہ التحریم۔

(ھدایہ ج ۲ ص ۲۳۰ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

رضاعت کا تھوڑا یا زیادہ ہونا برابر ہے جب مدۃ رضاعت میں حاصل ہے تو اس سے حرمت متعلق ہو جاتی ہے۔

یہ احناف کا مذہب ہے اما شافعی کے نزدیک پانچ گھونٹ سے کم دودھ سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔

مدتِ رضاعت میں آئمہ کرام کا اختلاف:

مدتِ رضاعت میں آئمہ کرام کا اختلاف ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک رضاعت کی مدت اڑھائی سال ہے صاحبین کے نزدیک دو سال ہے آئمہ ثلاثہ کا بھی یہی قول ہے امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مدت رضاعت تین سال ہے۔

شیخ الاسلام علامہ علی بن ابی بکر المرغینانی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی تفصیل سے اس اختلاف کو "ھدایہ" میں لکھا ہے۔

ثم مدّۃ الرّضاع ثلثون شھراً عند ابی حنیفۃ وقالا سنتان وھو قول الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ وقال زفر رحمہ اللہ تعالیٰ ثلثۃ احوال۔

لانّ الحول حسن للتحوّل من حال الی حال ولا بد من الزیادۃ علی الحولین لما نبین فیقدر بہ۔ ولھما قولہ تعالیٰ وحملہ وفصالہ ثلثون شھرا، ومدۃ الحمل ادنا ھا ستۃ اشھر فبقی للفصال حولان ،وقال النّبی

علیہ السّلام لا رضاع بعد حولین۔ وله هذه الاية ووجهه انه تعالیٰ ذکر شيئين و ضرب لهما مدّة فكانت لكل واحد منهما بكما لها كالا جل المضروب للدّ ينين الّا انه قام المنقّص في احد هما فبقى الثانى علىٰ ظاهره ولا نه لا بدّ من تغيير الغذاء لينقطع الانبات باللبن وذالك بزيادة مدّة يتعوّد الصبى فيها غيره فقدرت بادنیٰ مدّة الحمل لا نها مغيّرة فان غذاء الجنين يغاير غذاء الرضيع كما يغاير غذاء الفطيم۔

(هدایه ج ۲ ص ۲۳۰ مطبوعه مکتبه امدادیه ملتان)

مدّت رضاعت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک تیس ماہ (اڑھائی سال) ہے اور صاحبین کہتے ہیں کہ دو سال ہے یہی قول حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ کا ہے امام زفر رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ تین سال ہیں۔

امام زفر کی دلیل

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ دو سال کے بعد ایسی مدت کا ہونا ضروری ہے جس میں بچہ دودھ کے علاوہ دوسری غذا کا عادی بن جائے (تاکہ دودھ کے ذریعہ جونشوونما ہو رہا تھا وہ منقطع ہو جائے) اور ایک سال کی مدت ایسی ہے جس میں بچے کا ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل ہونا ممکن ہے لہذا ایک سال کا دو سالوں سے زائد ہونا ضروری ہے۔تو مدت رضاعت تین سال ہے۔

صاحبین کی دلیل

صاحبین کی دلیل (۱) اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد" وحمله و فصاله ثلثون

شہراً (الایۃ) ہے کہ حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے اور ادنی مدت حمل چھ ماہ ہے لہذا مدت فصال (دودھ چھڑانے کی مدت) دو سال باقی رہی) تو مدت حمل دو سال ہے۔

(۲) دوسری دلیل یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ لا رضاع بعد حولین یعنی دو سال کے بعد رضاعت نہیں۔ لہذا مدت رضاعت دو سال ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ کی دلیل

امام الآئمہ، سراج الامۃ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل بھی یہی آیت وحملہ و فصالہ ثلثون شہراً ہے۔

اس آیت سے وجہ استدلال یہ ہے کے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں دو چیزوں کا ذکر کیا ہے۔(۱) حمل (۲) فصال۔ دونوں کے لئے ایک مدت بیان کی ہے پس یہ مدت دونوں میں سے ہر ایک کے لئے پوری پوری ہوگی (نہ کہ دونوں پر تقسیم کی جائے گی) جیسا کہ قرضوں کے لئے ایک مدت بیان کی گئی ہو۔ البتہ ان دونوں میں سے ایک مدت (یعنی حمل والی مدت) میں کم کر دینے والی دلیل موجود ہے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے۔

الولد لا یبقی فی بطن امّہ اکثر من سنتین ولو بفلکۃ مغزل۔

یعنی بچہ اپنی ماں کے پیٹ میں دو سال سے زیادہ باقی نہیں رہتا اگر چہ وہ تکلے کے دمڑ کے کی تعداد ہی کیوں نہ ہو۔

تو اللہ تعالیٰ کا قول ثانی (وفصالہ) اپنے ظاہر پر باقی رہے گا اور وہ تیس ماہ یعنی اڑہائی

سال ہے لہذا دودھ چھڑانے کی مدت اڑہائی سال ہے لہذا اڑھائی سال تک دودھ پلایا جاسکتا ہے۔

دوسری دلیل عقلی یہ ہے۔رضیع کے لئے تغیر غذا ضروری ہے تا کہ دودھ کے ذریعے نشو نما منقطع ہو کر دوسری چیز سے حاصل ہو سکے پس اس تغیر غذا کے لئے اتنی مدت درکار ہو گی جس میں بچہ دودھ کے علاوہ دوسری چیز کا عادی ہو جائے تو ادنیٰ مدت حمل یعنی چھ ماہ کے ساتھ مقدر کر دیا۔اس لئے کہ یہ مدت غذا کو بدل دینے والی ہے کیونکہ جنین (جو بچہ پیٹ میں ہو) کی غذاء رضیع (دودھ پینے والے) کے مغائر ہے۔ اسی طرح رضیع کی غذاء فطیم (جس بچے کو دودھ چھڑا دیا گیا ہو) کی غذا کے مغائر ہے اور غذا کی مغایرت کے لئے چھ ماہ کی مدت کا ہونا ضروری ہے لہذا مدّت رضاعت اڑھائی سال (تیس ماہ) ہے۔

فقہاء کرام کے اختلاف سے یہ معلوم ہوا کہ مدت رضاعت دو سال یا اڑہائی سال یا تین سال ہے۔اس کے بعد دودھ پلایا جائے تو حرمت رضاعت ثابت نہ ہو گی جیسا کہ "ھدایہ" میں ہے

وا ذا مضت مدة الرضاع لم يتعلق با لرضا ع التحريم لقوله عليه السلام لا رضا ع بعد الفصال ولأن الحرمة با عتبار النشو وذالك فى المدة اذ الكبير لا يتر بى به۔ ولا يعتبر الفطام قبل المدة الاّ فى رواية عن ابى حنيفة رحمه اللّٰه تعالىٰ۔ اذا استغنى عنه ووجهه انقطا ع النشو بتغيّر الغذاء۔

(ھدایہ ج ۲ ص ۳۳۰ مطبوعه مکتبه امدادیه ملتان)

اور جب مدت رضاعت گزر جائے تو رضاعت کے ساتھ تحریم ثابت نہ ہو گی نبی علیہ السلام کا فرمان عالیشان ہے۔دودھ چھڑانے کے بعد رضاعت نہیں اور اس لئے بھی حرمت رضاعت ثابت نہ ہو گی کہ حرمت نشونما کے اعتبار سے ہے اور یہ مدت کے اندر اندر ہو سکتی ہے کیونکہ (دودھ کے ذریعے بچہ پرورش پاتا ہے) بڑا آدمی دودھ کے ذریعے پرورش نہیں پاتا۔اگر مدت رضاعت پوری ہونے سے قبل بچے کو دودھ چھڑا دیا جائے تو اسکا اعتبار نہ ہو گا۔مگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت میں ہے جب بچہ دودھ سے مستغنی ہو اور اسکی وجہ غذاء بدل جانے سے نشونما منقطع ہونا ہے۔

تمام بحث کا ما حاصل یہ ہے کہ حرمت رضاعت دودھ سے ثابت ہوتی ہے خون سے نہیں اور پھر ثابت بھی مدت رضاعت کے اندر ہوتی ہے اور حرمت کے ثابت ہونے کی وجہ نشونما ہے یعنی دودھ کا بچے کے جسم کا حصہ بننے کی وجہ سے ہے۔شریعت مطہرہ نے حرمت رضاعت کو صرف دودھ کے ساتھ مختص کیا ہے۔ رضاعت کے ثبوت کے ساتھ مرضعہ (دودھ پلانے والی) کے اصول وفروع، رضیع (دودھ پینے والے) پر اور رضیع کے اصول وفروع مرضعہ پر حرام ہو جاتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے

یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب

رضاعت سے حرام ہو جاتا ہے جو حرام ہو جاتا ہے نسب سے۔

اور رضاعت کا ثبوت دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے ہوتا ہے تنہا عورتوں کی گواہی سے رضاعت ثابت نہ ہو گی

جیسا کہ ”ھدایہ“ میں ہے

ولا يقبل في الرضاع شهادة النساء منفردات و انما يثبت بشهادة رجلين او رجل و امرأتين

(هدایه ج ۲ ص ۳۳٤ مطبوعه مکتبه امدادیه ملتان)

رضاعت کے معاملے میں تنہا عورتوں کی گواہی کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ رضاعت ثابت ہوتی ہے دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے۔

تو رضاعت کے مسائل اور فقہی جزئیات کو سامنے رکھنے کے بعد بخوب واضح ہو جاتا ہے کہ خون دینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔

لعل الله يحدث بعد ذالك امراً

خون اور دودھ پر دیگر اعضاء انسانی کو قیاس کرنا درست نہیں

شرح صحیح مسلم میں ہے:

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ فقہاء نے انسانی دودھ اور خون سے علاج کو جائز قرار دیا ہے۔ حالانکہ دودھ اور خون بھی انسان کے اجزاء ہیں جب ان اجزاء سے علاج جائز ہے تو باقی اجزاء سے علاج کیوں جائز نہیں ہے؟ اسکا جواب یہ ہے کہ دودھ اور خون اور انسانی اعضاء میں فرق بالکل واضح ہے۔ دودھ اور خون ایسے اجزاء نہیں ہیں جو ثابت اور قائم ہوں اور جن کا انسان کے تشخص اور تعین میں دخل ہو۔ برخلاف انسانی اعضاء کے کیونکہ وہ ثابت اور قائم ہیں اور ان کا انسانی تشخص میں دخل ہے پھر انسان کے جسم میں روزانہ خون بنتا رہتا ہے۔ اور دودھ پلانے کے ایام میں عورت کا دودھ بھی روزانہ بنتا رہتا ہے اور اسکے جسم سے جس قدر خون یا دودھ نکل جاتا ہے اسکے

قائم مقام دوسرا خون اور دودھ پیدا ہو کر اسکی جگہ لے لیتا ہے۔ اور دودھ یا خون کے نکل جانے سے انسان کی جسمانی ساخت میں کوئی فرق نہیں آتا نہ انکے نکلنے سے انسان کے جسم کی کارکردگی یا اسکی نفع اندوزی میں کوئی فرق آتا ہے۔ برخلاف انسانی اعضاء کے کیونکہ اگر انسان کی آنکھ، گردہ یا ہاتھ کاٹ کر کسی کو لگا دیں تو خون یا دودھ کی طرح ایسا کوئی قدرتی نظام نہیں ہے کہ اسکی آنکھ، گردہ یا ہاتھ پھر پیدا ہو جائیں اور ان کے کاٹ دیئے جانے سے اسکی جسمانی ساخت اور تشخص میں فرق پیدا ہو جائے گا اور اسکی نفع اندوز کم یا ختم ہو جائے گی۔ ایک اور فرق یہ ہے شریعت میں خون کو جسم سے نکالنے کا منشا موجود ہے جس طرح احادیث میں فصد لگانے کا ذکر ہے۔ انسان کیلئے جائز ہے کہ وہ فصد لگوا کر اپنے جسم کا کچھ خون پھینک دے یا ضائع کر دے اسکے برخلاف کسی عضو کو کاٹ کر پھینک دینے کی شریعت میں مطلقاً اجازت نہیں ہے۔ اسی طرح دودھ پلانے کا اور دودھ سے دوسرے انسان کو فائدہ پہنچانے کا اور اپنے جسم سے دودھ نکالنے کا شریعت میں ثبوت ہے۔ لیکن عضو کاٹ کر کسی کو دینے کا یا عضو کاٹ کر پھینک دینے کا شریعت میں ثبوت نہیں ہے اسلئے اعضاء کو خون اور دودھ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ اسلئے دودھ اور خون سے حالت اضطرار میں علاج جائز ہے اور اس پر قیاس کر کے اعضاء کی پیوند کاری سے علاج جائز نہیں۔ خواہ زندہ انسان کے ہوں یا مردہ کے حالت اضطرار ہو یا نہ ہو اصولِ شریعت اور عبارات فقہاء سے ہم نے یہی سمجھا ہے۔

(شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۵۵ مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور)



آپریشن کی شرعی حیثیت

آپریشن کی شرعی حیثیت:

انسان کا جسم ایک قابلِ احترام چیز ہے اسکو ادنیٰ سی تکلیف پہنچانا سخت گناہ کا باعث ہے۔ لیکن اگر علاج کی ضرورت پڑ جائے تو اسکے جسم واعضاء کی اصلاح کی خاطر آپریشن کرنا جائز ہے۔ مثلاً کسی شخص کو پینڈس کی تکلیف ہوگئی ہے یا اسکے گردے کے ساتھ پتھری وغیرہ ہوگئی ہے یا اسکے دل کا کوئی وال بند ہوگیا ہے یا اسکے دماغ کی کوئی رگ پھٹ گئی ہے یا اسکے کسی عضو پر کوئی ایسا زخم ہوگیا ہے جسکی وجہ سے دیگر اعضاء متاثر ہورہے ہیں یا اسکی قوتِ بصارت میں کمی آگئی ہے یا قوتِ سماعت میں کمی آگئی ہے یا کسی اور وجہ سے آپریشن کی حاجت ہو تو ان تمام صورتوں میں آپریشن کی اجازت ہے۔ ایسے ہی کسی شخص کے جسم کا کوئی حصہ ضائع ہوگیا ہے۔ اسکی جگہ انسان کے جسم واعضاء کی اصلاح کی خاطر کسی دوسرے حصے کو کاٹ کر لگانا ضروری ہوگیا ہے یا کوئی ایسی شریان ضائع ہوگئی ہے کہ اسکی جگہ انسان کی دوسری شریان کو پیوند کرنا ضروری ہوگیا ہے تو اس ضائع شدہ حصہ کو کاٹ کر اسکی جگہ جسم کے دوسرے حصہ کو پیوند کرنا جائز ہے اسی طرح ضائع شدہ شریان کو کاٹ کر اسکی جگہ دوسری شریان کو پیوند کرنا جائز ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے

”ولا بأس بقطع العضو ان وقعت فيه الاكلة لئلا تسرى۔۔۔ولا بأس بشق المثانة اذا كانت فيها حصاة“۔

(فتاویٰ عالمگیری ج ٤ ص ١١٤ مطبوعہ پشاور)

اگر کسی عضو میں سڑن پیدا ہوجائے تو اسکی نشوونما کو روکنے کیلئے عضو کو کاٹ

دینے میں کوئی مضائقہ نہیں اور مثانہ میں پتھری ہو تو اسکے آپریشن میں کوئی حرج نہیں۔

عورت کے پیٹ سے بچہ نکالنے کیلئے آپریشن

حاملہ عورت جب دردِ زہ (بچے کی پیدائش کے درد) میں مبتلا ہو تو عورت کیلئے یہ وقت بہت ہی زیادہ کربناک ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جو عورت بچے کی پیدائش کے وقت مر جائے وہ شہید ہے۔

اگر حاملہ عورت بچے کی پیدائش کے وقت ایسی آزمائش میں مبتلا ہو جائے کہ بغیر آپریشن کے اسکی زندگی خطرے میں پڑ جائے اور بچے کی پیدائش میں رکاوٹ پیدا ہو جائے تو اسکی دو صورتیں ہیں۔

(۱) حاملہ عورت بھی زندہ ہے اور بچہ (حمل) بھی زندہ ہے۔

(۲) حاملہ عورت زندہ ہے بچہ (حمل) مردہ ہے۔

تو دونوں صورتوں میں آپریشن کرنا جائز ہے پہلی صورت میں تو اسلئے کہ عورت کی زندگی اور بچے کی زندگی آپریشن پر موقوف ہے اگر آپریشن نہ کیا جائے تو دونوں کی حیات کو خطرہ ہے دوسری صورت میں عورت کے پیٹ کا آپریشن کرنا اسلئے جائز ہے کہ عورت کا بچہ (حمل) اگرچہ مر چکا ہے لیکن عورت زندہ ہے اسکی زندگی اس بات پر موقوف ہے کہ اسکے پیٹ کا آپریشن کر کے بچے کو نکالا جائے اور اس صورت میں اگر آپریشن نہ کیا جائے تو عورت کی حیات کو خطرہ ہے۔

اگر عورت مر چکی ہے اور بچہ (حمل) زندہ ہے پیٹ میں حرکت کر رہا ہے تو اس صورت میں بھی عورت کے پیٹ کا آپریشن کر کے بچے کو نکالنا جائز ہے اسلئے کہ

اس بچے کا زندہ رہنا اور اسکی حیات کا سبب ظاہری اعتبار سے مردہ ماں کے آپریشن پر موقوف ہے۔ اگر مردہ ماں کا آپریشن نہ کیا جائے تو وہ بچہ حیات سے محروم ہو جائے گا۔

مردہ عورت کا آپریشن کر کے زندہ بچے کو نکالنے پر امام اعظم کا فتویٰ:

علامہ ابن بزاز کردری حنفی صاحب فتاویٰ البزازیہ "مناقب الامام الاعظم" میں لکھتے ہیں کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میرے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ میری بہن مرگئی ہے اسکے پیٹ میں بچہ حرکت کر رہا ہے (کیا کیا جائے؟) میں نے کہا جاؤ اس کے پیٹ کا آپریشن کر کے بچے کو نکال لو تو اس نے اپنی مردہ بہن کا آپریشن کر کے بچے کو نکال لیا۔ سات سال کے بعد وہ شخص میرے پاس آیا۔ اسکے ساتھ ایک لڑکا ہے اس نے مجھے کہا کیا آپ اس لڑکے کو جانتے ہیں؟ میں نے کہا نہیں اس نے کہا یہ وہی بچہ ہے جسکی ماں کا آپریشن کر کے بچے کو نکالنے کا فتویٰ آپ نے دیا تھا۔ میں نے اسکی ماں کا آپریشن کر کے نکالا ہے اور میں اس کا نام "مولیٰ ابی حنیفہ" رکھا ہے۔

علامہ ابن بزاز کردری کی عبارت یہ ہے۔

(وعن عبدالعزیز بن خالد) قاضی صغانیان وترمذ عن الامام قال اتانی رجل وقال ان اختی ماتت وفی بطنها ولد یتحرك قلت اذهب وشق بطنها واخرج الولد ففعل وجاءنی بعد سبع سنین ومعه غلام فقال اتعرف هذا؟ قلت لا قال هذا الذی افتیت بشق بطن امه واخراجه فاخرجته وسمیته بمولی ابی حنیفة۔

(مناقب الامام الاعظم جلد [illegible] مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد [illegible])

علامہ ابنِ نجیم مصری ''بحرالرائق'' میں لکھتے ہیں

لما كانت الحركة دليل الحيوة قالوا الحبلى اذا ماتت وفى بطنها ولد يضطرب يشق بطنها ويخرج الولد (بحرالرائق)

چونکہ حرکت کرنا زندگی کی دلیل ہے اسی لئے فقہاء نے کہا ہے کہ حاملہ عورت اگر مر جائے اور پیٹ میں بچہ ہو جو حرکت کر رہا ہو تو اسکے پیٹ کا آپریشن کر کے بچے کو نکالا جائے گا۔

فقیہ ابواللیث سمرقندی ''فتاوی النوازل'' میں لکھتے ہیں۔

امرأة ماتت و فى بطنها ولد يضطرب قال محمد يشق من الجانب الايسر والله تعالى خلق حواء من آدم عيه السلام من ضلعه الايسر ـ و حكى عن ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ فعلوا كذالك بامرأة فعاش الولد وصيانة الولد عن الهلاك واجب بخلاف ما اذابتلع درة غيره ثم مات ولم يترك مالا لايشق بطنه

(فتاوی النوازل ص ۲۰۱ مطبوعه کوئٹه)

ایک عورت فوت ہوگئی اور اسکے پیٹ میں بچہ حرکت کر رہا ہے۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بائیں جانب سے (عورت کے پیٹ کو چاک کیا جائیگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حواء علیہا السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا فرمایا ہے۔حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے حکایت ہے کہ لوگوں نے ایک مردہ عورت کے پیٹ کو چاک کر کے بچے کو نکالا اور بچہ زندہ رہا۔اور بچہ کو ہلاکت سے بچانا واجب ہے برخلاف اس شخص کے جو کسی کا موتی نگل کر مر گیا ہو اور اس نے کوئی مال نہیں چھوڑا تو اسکے پیٹ کو چاک نہیں کیا جائے گا۔

فقیہ ابواللیث سمرقندی کی رائے ہے کہ مال غیر کو نگل کر مرنے والے شخص کے

پیٹ کو چاک نہیں کیا جائے گا۔ لیکن علامہ ابن ہمام صاحبِ فتح القدیر، علامہ حصکفی صاحب درمختار، علامہ شامی صاحبِ ردالمحتار نے یہ لکھا ہے کہ اس آدمی نے غیر کے مال کونگل کر اپنی حرمت ختم کردی ہے اس لیے اس شخص کے پیٹ کو چاک کیا جائے گا۔

شیخ ابواسحق شیرازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

وان ماتت امرأة و فی جوفها جنین حیی شق جو فها لانه استبقاء حی باتلاف جزء من المیت فاشبه اذا اضطر الیٰ اکل جزء من المیت

(المهذب مع المجموع ج۵ ص ۳۰۱ مطبوعه بیروت)

اور اگر عورت مر جائے اور اسکے پیٹ میں بچہ زندہ ہو تو اس کے پیٹ کو چاک کیا جائے گا کیونکہ اس صورت میں میت کے ایک جز کو تلف کر کے زندہ کو باقی رکھنا ہے۔ جسطرح اضطرار کی صورت میں میت عضو کو کھانا جائز ہے۔

علامہ شیرازی شافعی ہیں شوافع کے نزدیک اضطرار کی حالت میں میت کے عضو کو کھانا جائز ہے باقی آئمہ کرام کے ہاں اسکی اجازت حالت اضطرار میں بھی نہیں۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ ''شرح المھذب'' میں لکھتے ہیں

"و مختصر المسئلة ان رجی حیاة الجنین و جب شق جوفها"

(شرح المهذب مع المجموع ج ۵ ص ۳۰۲ مطبوعه بیروت)

مسئلہ مختصر یہ کہ اگر پیٹ میں بچہ کی زندگی متوقع ہے تو مردہ عورت کا پیٹ چاک کرنا واجب ہے۔

بعض شوافع نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے تاہم جمہور فقہاء شافعیہ کا یہی قول ہے

امام طحاوی کا حنفی مسلک اختیار کرنے کا سبب

امام ابوجعفر طحاوی ابتداءً شافعی المذہب تھے بعد میں شافعیت کو چھوڑ کر حنفی مسلک کو اختیار کرلیا۔ عام شوافع مصنفین نے اس کا سبب بیان کرنے میں حقیقت پسندی سے کام نہیں لیا۔ مثلاً امام ذہبی لکھتے ہیں

و کان اولاً شافعیاً یقرأ علی المزنی فقال له یوم واللّٰه ما جاء منك شئی فغضب من ذالك و انتقل من ابی عمران

(تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۸۰۹)

امام طحاوی پہلے شافعی المذہب تھے ایک دن دورانِ تعلیم ان کے ماموں مزنی ان پر ناراض ہوئے اور کہا تم سے کچھ نہ ہوسکے گا۔ امام طحاوی اس بات پر ناراض ہوگئے اور جاکر ابوعمران حنفی سے پڑھنا شروع کردیا لیکن استاذ کا شاگرد پر محض ناراض ہونا کوئی اتنی اہم اور شدید بات نہیں ہے جس کی وجہ سے مسلک بدلنا پڑے۔ اصل بات کیا تھی اسکا علامہ عبدالعزیز پرہاروی ذکر فرماتے ہیں۔

ان الطحاوی کان شافعی المذهب فقرأفی کتابه ان الحاملة اذا ماتت و فی بطنها ولد حیّی لم یشق فی بطنها خلافا لابی حنیفة فکان الطحاوی ولد مشقوقا فقال لا ارضی بمذهب رجل یرضی بهلا کی فترك مذهب الشافعی و صار من عظماء المجتهدین علی مذهب ابی حنیفة۔ (نبراس ۱۱۰)

امام طحاوی ابتداءً شافعی المذہب تھے ایک دن انہوں نے کتب شافعیہ میں پڑھا کہ جب حاملہ عورت مرجائے اور اسکے پیٹ میں بچہ زندہ ہو تو بچہ نکالنے کے لیے

اس کا پیٹ چاک نہیں کیا جائے گا (برخلاف مذہب ابوحنفیہ) جبکہ امام طحاوی کو مذہب حنفی پر پیٹ چاک کر کے نکالا گیا تھا امام طحاوی نے اس کو پڑھ کر کہا میں اس شخص کے مذہب سے راضی نہیں جو میری ہلاکت پر راضی ہو پھر انہوں نے شافعیت کو چھوڑ دیا اور حنفی مسلک کو اختیار کیا اور اس مسلک کے عظیم مجتھد بن گئے۔

مولانا فقیر محمد جہلمی نے اس واقعہ کو ذرا تفصیل سے بیان کیا ہے لکھتے ہیں

فتاویٰ برہنہ میں آپ کے انتقالِ مذہب کا یہ سبب لکھا ہے کہ آپ ایک دن اپنے ماموں سے پڑھ رہے تھے کہ آپ کے سبق میں یہ مسئلہ آیا کہ اگر کوئی حاملہ عورت مر جائے اور اس کے پیٹ میں بچہ زندہ ہو تو برخلاف مذہب امام ابوحنیفہ کے امام شافعی کے نزدیک عورت کا پیٹ چیر کر بچہ نکالنا جائز نہیں آپ اس مسئلہ کے پڑھتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے میں اس شخص کی ہرگز پیروی نہیں کرتا جو مجھ جیسے آدمی کی ہلاکت کی کچھ پرواہ نہ کرے کیونکہ آپ اپنی والدہ کے پیٹ میں ہی تھے کہ آپ کی والدہ فوت ہو گئی تھیں اور آپ پیٹ چیر کر نکالے گئے تھے یہ حال دیکھ کر آپ کے ماموں نے آپ سے کہا خدا کی قسم تو ہرگز فقیہ نہیں ہوگا۔ پس جب آپ خدا کے فضل سے فقہ و حدیث میں امام بے عدیل اور فاضل بے مثل ہوئے تو اکثر کہا کرتے تھے کہ میرے ماموں پر خدا کی رحمت نازل ہو اگر وہ زندہ ہوتے تو اپنے مذہب شافعی کے بموجب ضرور اپنی قسم کا کفارہ ادا کرتے۔ (حدائق حنفیہ ص ۱۶۵)

(تذکرہ المحدثین ص ۱۵۵ مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور)

علامہ عبداللہ بن احمد ابن قدامہ حنبلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

والمذهب انه لا يشق بطن الميتة لاخراج ولدها مسلمة كانت

او ذمية و تخرجه القوابل ان علمت حياته بحركة وان لم يو جد نساء لم يسعط رجال عليه و تترك امه حتىٰ يتيقن موته ثم تدفن، و مذهب مالك و اسحق قريب من هذا و يحتمل ان يشق بطن الامّ ان غلب على الظن ان الجنين يحيا و هو مذهب الشافعي لانه اتلاف جزء من الميت لا بقاء حيّ فجاز كما لو خرج بعضه حياً و لم يمكن خروج بقيته الا بشق ولا نه يشق لا خراج المال منه فلا بقاء الحى اولىٰ۔

(المغنی ج ۲ ص ۲۱۶ مطبوعہ بیروت)

حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ بچہ کو نکالنے کیلئے مردہ عورت کا پیٹ چاک نہیں کیا جائے گا خواہ وہ مسلمان ہو یا ذمی اگر دائیوں کو اسکی زندگی کا حرکت کی وجہ سے پتہ چل جائے تو وہ بچے کو نکال لیں اور اگر دائیاں نہ ملیں تو مرد بچے کو نہ نکالیں اور ماں کو پڑا رہنے دیں حتی کہ جب بچے کی موت کا یقین ہو جائے تو ماں کو دفن کر دیا جائے امام مالک اور امام اسحٰق کا مذہب بھی اس کے قریب ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے اگر بچے کی زندگی کا ظن غالب ہو تو ماں کے پیٹ کو چاک کر دیا جائے جسطرح شوافع کا مذہب ہے۔ کیونکہ اس صورت میں میت کے ایک جز کو تلف کر کے زندہ کو باقی رکھنا ہے اور یہ اس لئے جائز ہے کہ اگر بچے کے کچھ اعضاء باہر آ جائیں اور باقی بعض کا نکلنا پیٹ کے چاک کئے بغیر ممکن نہ ہو تو پیٹ کو چاک کر دیا جائے گا اور اس لئے بھی کہ مال نکالنے کے لیے مردے کا پیٹ چاک کر دیا جاتا ہے تو زندہ کو باقی رکھنے کے لیے بطریق اولیٰ مردہ کا پیٹ چاک کر دینا چاہئے۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ مذاہب آئمہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ومن ذالك قول ابى حنيفة والشافعي ان الحامل اذا ماتت و في بطنها

جنین حیّ بشق بطنها مع قول مالك فی احدی روایتیه و احمد انه لایشق۔

(میزان الکبریٰ الشعرانیه ج ١ ص ٢٤٠ مطبوعه بیروت)

امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمھما اللہ تعالیٰ کا قول یہ ہے کہ اگر حاملہ عورت مر جائے اور اسکے پیٹ میں بچہ زندہ ہو تو اسکے پیٹ کو چاک کر کے بچے کو نکال لیا جائے گا جبکہ امام مالک کا ایک قول اور امام احمد کا قول یہ ہے کہ پیٹ نہیں چاک کیا جائے گا۔

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ، امام شافعی رحمھما اللہ کا مذہب یہ ہے کہ زندہ بچے کو نکالنے کے لیے مردہ عورت کا پیٹ کا آپریشن کیا جائے گا۔ امام مالک کا بھی ایک قول یہی ہے اور حنابلہ میں سے ابن قدامہ کا بھی یہی نظریہ ہے گویا مذاہب اربعہ کی ان تصریحات سے ظاہر ہوتا ہے کہ زندہ بچے کی جان بچانے کے لیے حاملہ عورت کا آپریشن کرنا جائز ہے۔

عصرِ حاضر کے عظیم محقق ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

یری المالکیة والحنابلة عملاً بحدیث (کسر عظم المیت ککسرہ حیاً) انه لایجوز شق بطن المیتة الحامل لاخراج الجنین منه۔ لان هذا الولد لا یعش عادة ولا یتحقق انه یحی فلا یجوز هتك حرمة متیقنة لا مرموهوم۔

(الفقه الاسلامی وادلته ج ٤ ص ٢٦٠٨ مطبوعه مکتبه رشیدیه کوئٹه)

مالکیہ اور حنابلہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث (مردے کی ہڈی کو توڑنا ایسے ہی ہے جیسے اسکی زندگی میں ہڈی کو توڑنا) پر عمل کرتے ہوئے یہ رائے دیتے ہیں کہ مردہ حاملہ عورت کے پیٹ کا آپریشن بچے کے نکالنے کیلئے جائز نہیں۔ کیونکہ یہ بچہ

عادۃً زندہ نہیں رہتا اور نہ ہی یہ متحقق ہے کہ وہ زندہ رہے گا۔ لہذا امرِ موھوم کی وجہ سے حرمت متیقنہ کا ھتک جائز نہیں۔

علامہ حصکفی صاحب درمختار لکھتے ہیں۔

(حامل ماتت وولدها حيّ) يضطرب (شق بطنها) من الأيسر (ويخرج ولدها) ولو بالعكس وخيف على الام قطع واخرج لو ميتاً والّا لا۔

(الدر المحتار مع رد المحتار ج۳ ص ۱۷۱ مطبوعہ مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

حاملہ عورت مرجائے اور اسکا بچہ زندہ ہو پیٹ میں حرکت کر رہا ہو تو اس عورت کی بائیں جانب کا آپریشن کر کے اس بچے کو نکالا جائے گا اور اگر اس کا عکس ہو یعنی ماں زندہ ہو اور بچہ پیٹ میں مرجائے اور ماں کی زندگی کو خطرہ ہو تو اس صورت میں اس بچے کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے نکالا جائے گا۔ (اس کی صورت علامہ شامی نے یہ بیان کی ہے کہ دائی اپنے ہاتھ کو حاملہ عورت فرج میں داخل کرے اور اس بچے کو آلہ کے ساتھ ٹکڑے ٹکڑے کر کے نکالے جو اس کے ہاتھ میں ہے) یہ اس صورت مین ہے جب بچہ (حمل) مردہ ہو۔ اور اگر ماں بھی زندہ ہو اور بچہ بھی زندہ ہو تو پھر ماں کو بچانے کیلئے ماں کے پیٹ میں بچے کو ٹکڑے ٹکڑے نہیں کیا جائے گا۔

یہ اس دور کی بات ہے جب مردہ بچے کو نکالنے کا اور کوئی طریقہ اور حیلہ نہ تھا۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں آپریشن کے ذریعے مردہ بچے کو نکالا جا سکتا اب ماں کے پیٹ میں بچے کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی اجازت نہیں ہے کیونکہ اب میڈیکل سائنس میں کافی ترقی ہو چکی ہے۔

صاحبِ درمختار علامہ حصکفی کی عبارت سے حاملہ عورت کے آپریشن کی تین صورتیں سامنے آئیں۔

(۱) حاملہ عورت مرگئی ہے اور بچہ پیٹ میں زندہ ہے۔

(۲) حاملہ عورت زندہ ہے بچہ پیٹ میں مردہ ہے۔

(۳) حاملہ عورت بھی زندہ ہے اور بچہ بھی پیٹ میں زندہ ہے۔

پہلی صورت میں بچے کی زندگی ماں (حاملہ) کے آپریشن پر موقوف ہے۔ دوسری اور تیسری صورت میں ماں (حاملہ) کی زندگی آپریشن پر موقوف ہے۔ پہلی صورت میں بچے کی زندگی کی خاطر ماں کے پیٹ کا آپریشن کرنا جائز ہے۔ دوسری صورت میں ماں (حاملہ) کی حیات اور زندگی کی بقاء کی خاطر حاملہ کے پیٹ کا آپریشن کر کے بچے کو نکالنا جائز ہے۔ تیسری صورت میں ماں کی زندگی کی خاطر بچے کی قطع و برید جائز نہیں۔

پہلی اور دوسری صورت میں آپریشن کے جواز کی وجہ یہ ہے کہ بچہ ماں کے اجزاء میں سے ایک جزء ہے گویا جسم ایک ہے جانیں دو ہیں۔ جب ایک جان ضائع ہو چکی اور دوسری جان کی حیات اس ضائع شدہ جان کی قطع و برید اور آپریشن پر موقوف ہے تو ایسی صورت میں ضائع شدہ جان کی قطع و برید جائز ہے۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں جب انسان کے جسم کا کوئی عضو ضائع ہو جائے دوسرے اعضاء کی حفاظت اس ضائع شدہ عضو کو کاٹنے پر موقوف ہے تو ضائع شدہ عضو کو کاٹنا جائز ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے

"ولا بأس بقطع العضو ان وقعت فيه الا كلة لئلا تسرى"۔

(فتاوىٰ عالمگیری ج ٤ ص ١١٤ مطبوعه پشاور)

اگر کسی عضو میں سڑن پیدا ہو جائے تو اس کی نشو ونما کو روکنے کیلئے اس عضو کو کاٹنے میں کوئی حرج نہیں۔

مثلاً کسی شخص کا ہاتھ زخم وغیرہ کی وجہ سے ایسی حالت تک پہنچ گیا کہ دیگر اعضاء کی حفاظت اس زخمی ہاتھ کے کاٹنے پر موقوف ہے تو اس صورت میں اس زخمی ہاتھ کو کاٹ دینا جائز ہے۔اسی طرح جب حاملہ عورت مرگئی اور بچے کی زندگی حاملہ عورت کے آپریشن پر موقوف ہے تو بچے کو نکالنے کیلئے مردہ عورت کا آپریشن کرنا جائز ہے۔اسی طرح جب حاملہ عورت کا بچہ (حمل) پیٹ میں مرجائے اور حاملہ عورت زندہ ہو تو لیکن اسکی زندگی مردہ بچے کو آپریشن کر کے نکالنے پر موقوف ہے تو اس صورت میں حاملہ عورت کا آپریشن کر کے بچے کو نکالنا جائز ہے۔

تیسری صورت یعنی حاملہ عورت بھی زندہ ہو اور حمل (بچہ) بھی زندہ ہو لیکن دونوں کی زندگی آپریشن پر موقوف ہو تو آپریشن کر کے بچے کو نکالنا جائز ہے۔کیونکہ آپریشن کے ذریعے سے دونوں کی زندگی کو بچایا جا سکتا ہے۔البتہ دو جانیں حاملہ عورت، اور حمل (بچہ) زندہ ہوں تو ایک جان کو بچانے کی خاطر دوسری جان کو ضائع کرنا جائز نہیں۔یعنی ماں کی زندگی کی خاطر بچے کو مارنا یا اسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے پیٹ سے باہر نکالنا جائز نہیں۔جیسا کہ درمختار کی عبارت سے ظاہر ہے۔مثلاً ولادت کے موقع پر ماں کی جان کو خطرہ ہے ماں کی حیات بچے کی جان کے ضائع کرنے پر موقوف ہے یا بچے کی جان کو خطرہ ہے بچے کی حفاظت ماں کی جان ضائع کرنے پر موقوف ہے تو دونوں صورتوں میں ایک جان کی حفاظت کی خاطر دوسری جان کو ضائع کرنا جائز نہیں اسلئے کہ دونوں صورتوں میں موت ایک امر موہوم ہے۔اور امرِ موہوم

کی وجہ سے زندہ انسان کا قتل جائز نہیں۔ یہ صورت اس دور کی تھی جب آپریشن کا یہ جدید طریقہ رائج نہ تھا۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں یہ صورت مفقود ہے اب آپریشن کے ذریعے دونوں جانوں کو بچایا جا سکتا ہے۔

آپریشن کی وجہ سے موت واقع ہو تو ڈاکٹر بری الذمہ ہوگا

اگر کسی شخص نے طبیب یا ڈاکٹر سے آپریشن کروایا اس آپریشن کی وجہ سے مریض فوت ہو گیا تو ڈاکٹر پر کوئی دیت لازم نہ ہوگی اور نہ ہی آخرت میں اس پر کوئی گرفت ہوگی بشرطیکہ ڈاکٹر نے نیک نیتی سے علاج کی کوشش کی ہو۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ''کتاب الام'' میں لکھتے ہیں:

والوجه الثانی الذی یسقط فیه العقل ان یأمر الرجل به الداء الطبیب ان یبط جرحه اوالا کلة ان یقطع عضو ایخاف مشیها الیه او یفجر له عرقا او الحجام ان یحجمه او الکاوی ان یکویه او یأمر ابو الصبی او سید المملوك الحجام ان یختنه فیموت من شیء من هذا ولم یتعد المامور ما أمرهٗ به فلا عقل ولا ما خوذیة ان حسنت نیتهٗ ان شاء اللّٰه تعالیٰ وذالك ان الطبیب والحجام انما فعلاه للاصلاح بامر المفعول به او والد الصبی او سید المملوك الذی یجوز علیهما امرهٗ فی کل نظر لهما کما یجوز علیهما امر انفسهما لو کانا بالغین۔

(کتاب الام ج ٦ ص ١٧٥ مطبوت بیروت)

دیت کے ساقط ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ مریض نے طبیب (ڈاکٹر)

کو زخم کھولنے کا کہا یا ایسا مریض کہ جس کے کسی عضو پر گوشت یا ہڈی کو کھا جانے والی بیماری لگ گئی ہو اس بیماری کے سرایت کر جانے یا کسی رگ کے پھٹ جانے کا خوف ہو اس نے طبیب (ڈاکٹر) اس عضو کے کاٹنے کا کہا یا مریض نے حجام سے سنگی لگانے کا کہا۔ یا داغ لگانے والے کو داغنے کا کہا یا بچے کے باپ یا غلام کے مولیٰ نے حجام سے بچے کا ختنہ کرنے کو کہا۔ پھر مریض یا بچہ ان اسباب میں سے کسی سبب سے مرجائے تو طبیب (ڈاکٹر) اور حجام پر کوئی دیت نہیں اور ان شاء اللہ تعالیٰ آخرت میں ان پر کوئی گرفت نہیں ہوگی بشرطیکہ ان کی نیت (علاج کے معاملے میں) اچھی ہو۔ یہ اس لئے کہ طبیب (ڈاکٹر) اور حجام نے یہ کام مریض کے کہنے پر کیا ہے یا بچے کے والد اور غلام کے مولیٰ کی اجازت سے ان کے مریض کی بیماری کی اصلاح (علاج) کیلئے کہا ہے۔ باپ کی اجازت بچے کے حق میں اور مولیٰ کی اجازت غلام کے حق میں ایسے ہی ہے جیسے بالغ ہونے کے بعد انکی اپنی اجازت، بعد از بلوغ اگر وہ طبیب (ڈاکٹر) یا حجام کو اسکی اجازت دیتے تو طبیب (ڈاکٹر) یا حجام پر (علاج کے عمل کی وجہ سے وفات پر) دیت لازم نہ آتی اسی طرح قبل از بلوغ انکے حق میں باپ یا مولیٰ کی اجازت سے بھی دیت لازم نہیں آئے گی۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے چند مسائل کا ثبوت ملتا ہے:

(۱) مریض کے جسم واعضاء کی اصلاح کی خاطر آپریشن کرنا جائز ہے۔

(۲) اگر کوئی عضو ماؤف ہو جائے تو اسے بدن کی اصلاح اور تحفظ کی خاطر کاٹنا جائز ہے۔

(۳) آپریشن یا کسی عضو کو کاٹنے کے سبب موت واقع ہو تو ڈاکٹر وطبیب پر دیت لازم نہیں ہوگی اور نہ ہی آخرت میں انشاء اللہ مواخذہ ہوگا۔

(۴) ڈاکٹر یا طبیب کو چاہیے کہ وہ علاج میں اپنی نیت کو درست رکھیں اور حتی المقدور مریض کی صحت کے بحال کرنے کی کوشش کریں۔

مالِ غیر کو نگل کر مرنے والے شخص کا آپریشن

جہاں تک اس مسئلے کا تعلق ہے کہ کوئی شخص کسی کا درہم یا دینار یا سونا، چاندی وغیرہ نگل کر مر جائے تو اسکا آپریشن کر کے نگلی ہوئی چیز کو نکالنا جائز ہے یا نہیں؟۔۔۔تو اس کے متعلق دو قول ہیں ایک قول کے مطابق آپریشن کیا جائے گا اور ایک قول کے مطابق آپریشن جائز نہیں تاہم اولیٰ یہ ہے کہ آپریشن کیا جائے کیونکہ اس نے ظلم وتعدی کا مظاہر کیا ہے انسانی حرمت اگرچہ مال کی حفاظت سے اعلیٰ ہے لیکن اس شخص نے ظلم وتعدی کی وجہ سے انسانیت کا احترام زائل کر دیا ہے۔

علامہ سید امین ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

ولو بلع مال غيره ومات هل يشق؟ قولان الاولیٰ نعم لانه وان كان حرمة الآدمي اعلیٰ من صيانة المال لكنه ازال احترامه بتعديه كما في الفتح ومفادهٗ انه لوسقط في جوفه بلا تعد لايشق اتفاقاً كما لايشق الحي مطلقاً لا فضائه الى الهلاك لا لمجرد الاحترام۔

(ردالمحتار علي الدّر المختار ج ۳ ص ۱۷۲ مطبوعه مكتبه حنفيه كوئٹه)

اگر کسی نے دوسرے کا مال نگل لیا اور مر گیا تو مال کے لئے اسکے پیٹ کا آپریشن کیا جائے گا یا نہیں اس میں دو قول ہیں اولیٰ یہ ہے کہ کیا جائے گا کیونکہ مال کے مقابلے میں انسانی حرمت کہیں زیادہ ہے لیکن اس نے اپنے احترام کو اپنے فعل

یعنی ظلم وتعدی سے زائل کر دیا ہے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کسی کا مال بغیر تعدی اور ظلم کے اس کے پیٹ میں چلا جائے تو اس کے پیٹ کا بالاتفاق آپریشن نہیں کیا جائے گا جیسا کہ زندہ انسان کے پیٹ کا مطلقاً آپریشن نہیں کیا جاتا کیونکہ یہ آپریشن ہلاکت کا سبب بن سکتا ہے محض احترام ہی کی بات نہیں۔

علاّمہ شامی کی عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ انسان غیر کا مال کھا کر مر جائے تو حقِ غیر کے مردہ کے ساتھ متعلق ہونے کی وجہ مردے کا آپریشن کیا جائے گا کیونکہ وہ ظلم وزیادتی کی وجہ سے اپنے احترام کو زائل کر چکا ہے البتہ اگر کسی شخص کے پیٹ میں غیر کا مال بغیر اس کے فعل کے چلا جائے تو مردے کے پیٹ کو چاک نہیں کیا جائے گا یہاں پر بہر حال احترام انسانیت کا ضرور خیال رکھا جائے گا۔ اگر کسی زندہ انسان نے غیر کے مال کو نگل لیا تو اسکا آپریشن بھی نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ یہاں پر محض احترام انسانیت کا مسئلہ نہیں کہ ظلم وزیادتی کی وجہ سے اس نے انسانیت کے احترام کو زائل کر دیا ہے بلکہ یہ آپریشن اسکی ہلاکت کا سبب بن سکتا ہے۔

یہ مسئلہ بھی ذہن نشین رہے کہ مردہ انسان کا آپریشن اسی صورت میں کیا جائے گا جب مرنے والے شخص کا اتنا ترکہ اور مال موجود نہ ہو جس سے صاحبِ مال کا حق ادا کیا جائے اور صاحبِ مال معاف بھی نہ کرے اور نہ ہی کوئی وارث اس مال کی قیمت ادا کرنے کی ذمہ داری کو قبول کرتا ہو۔ اگر صاحبِ مال معاف کر دے یا مرنے والے کا ترکہ اتنی مقدار میں موجود ہو جس سے صاحبِ مال کا حق ادا کیا جا سکتا ہو یا کوئی وارث اس مال کی قیمت ادا کرنے کی ذمہ داری کو قبول کرتا ہو۔ تو پھر آپریشن کرنا جائز نہیں۔

علامہ ابوالقاسم رافعی شافعی لکھتے ہیں۔

ولو ابتلع فی حیاته مالاً مات و طلب صاحبه الرد شق جوفه وردّ قال فی العمدة الّا ان یضمن الورثة مثله او قیمته فلا یخرج ولا یردّ فی اصح الوجهین و فیه وجه آخر وهو اختیار القاضی ابی الطیب انه لا یخرج اصلا و یجب العزم من ترکته علی الورثة ولو ابتلع شیئامن مال نفسه ومات فهل یخرج فیه وجهان

(فتح العزیز، مع المجموع ج ٥ ص ٢٥٠ مطبوعه دارلفکر بیروت)

اگر کسی شخص نے زندگی میں کسی کا مال نگل لیا اور مر گیا۔ اور صاحبِ مال نے اس مال کا مطالبہ کیا تو اس کا پیٹ چاک کر کے مال واپس کیا جائے گا۔ صاحبِ عمدہ نے کہا۔ سوا اس صورت کے جب اس کے وارث اس مال کی مثل یا قیمت کا ضامن ہو جائیں تو پھر صحیح قول یہ ہے کہ مال واپس نہیں کیا جائے گا۔ اور پیٹ سے نہیں نکالا جائے گا۔ اور اگر کسی شخص نے اپنے مال کو نگل لیا اور مر گیا تو کیا اس مال کو نکالنے کے لئے پیٹ چاک کیا جائے گا؟ اس میں دو قول ہیں۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی "الفقہ الاسلامی وادلتہ" میں لکھتے ہیں

واجاز الشافعية شق بطن الميتة لاخراج ولدها وشق بطن الميت لاخراج مال منه كما اجاز الحنفية كا الشافعية شق بطن الميت فی حال ابتلاعه مال غيره اذالم تكن تركة يدفع منها ولم يضمن عنه احد۔ واجاز المالكية ايضاً شق بطن الميت اذاابتلع قبل موته مالاً له اولغيره اذا كان

كثيرا هو قدر نصاب الزكاة في حال ابتلاعه لخوف عليه او لعذر اما اذا ابتلعه بقصد حرمان الوارث مثلاً فيشق بطنه ولو قل۔

(الفقه الاسلامی وادلته ج٤ ص ٢٦٠٨ مطبوعه مكتبه رشيديه كوئٹه)

شافعی حضرات نے بچے کے نکالنے کیلئے مردہ عورت کے پیٹ کا آپریشن کرنے کو اور مردہ آدمی کے پیٹ سے مال کو نکالنے کیلئے آپریشن کرنے کو جائز قرار دیا جیسا کہ حنفی حضرات نے شافعیوں کی طرح مردہ آدمی کے پیٹ کے آپریشن کو مالِ غیر کے نگلنے کی صورت میں جائز قرار دیا جبکہ میت کا اتنا ترکہ نہ ہو جس سے صاحبِ مال کا حق ادا کیا جاسکے اور نہ ہی اس حق کی ادائیگی کا کوئی ضامن ہو۔

مالکی حضرات نے بھی مردہ کے آپریشن کو جائز قرار دیا ہے جب مردہ انسان نے اپنی موت سے قبل اپنا یا غیر کا مال اتنی کثیر مقدار میں نگل لیا ہو جو حدِ نصابِ زکوٰۃ کو پہنچتا ہو اور وہ مال خوف یا کسی عذر کی وجہ سے نگلا ہو۔ البتہ اگر مرنے والے نے وارث کو محرم کرنے کیلئے مال نگلا ہو تو اسکے پیٹ کا آپریشن کر کے اسے نکالا جائے گا اگر چہ وہ تھوڑا ہو۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حنفی، مالکی اور شافعی اس بات پر متفق ہیں کہ مالِ غیر کو نگل کر مرنے والے کے پیٹ کا آپریشن کر کے مال کو نکالنا جائز ہے تاہم چند قیود میں اختلاف ہے جو عبارت میں واضح ہیں۔ یہ آپریشن اسلئے کیا جائیگا کہ اس میں میت کے ساتھ غیر کا ایسا حق متعلق ہو گیا ہے جس کا تدارک بغیر آپریشن کے ممکن نہیں۔ لیکن جہاں تک کسی دوسرے انسان کو کوئی عضو دینے کیلئے آپریشن کا مسئلہ ہے تو یہ ناجائز ہے اسلئے کہ یہاں پر غیر کا حق متعلق نہیں اس صورت میں وہ اپنے اعضاء کی وصیت یا ہبہ وعطیہ نہیں کرتا کہ اس کے جسم کا آپریشن کیا جائے تو

قیامت کے دن اس سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تم نے کسی مریض کیلئے آپریشن کیوں نہیں کروایا یا تم نے اپنے اعضاء کی وصیت کیوں نہیں کی؟ جبکہ پہلی صورت میں اگر آپریشن کر کے اس مال کو نہ نکالا جائے تو مال غیر کو نگل کر مرنے والے سے قیامت کے دن یہ پوچھا جائے گا کہ تم نے دوسرے کا مال کیوں نگلا ہے؟

آپریشن کے ذریعے زائد انگلی کو الگ کرنے کا حکم:

انگلی یا کوئی اور عضو پیدائشی طور پر زیادہ ہو گیا ہو اور اسکو الگ کرنے میں کوئی خطرہ نہ ہو تو آپریشن کے ذریعے اسے الگ کیا جا سکتا ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے

اذا اراد الرجل ان یقطع اصبعاً زائدۃً او شیئاً آخران کان الغالب علی من قطع مثل ذالك الھلاك فانه لایفعل وان کان الغالب ھو النجاۃ فھو فی سعة ذالك۔

(فتاویٰ عالمگیری ج ٤ ص ١١٤ مطبوعه پشاور)

جب آدمی اپنی زائد انگلی یا کوئی دوسرا حصہ کاٹنا چاہے تو اسکی وجہ سے اگر ہلاکت کا غالب اندیشہ ہو تو ایسا نہ کرے اور اگر غالب امید نجات کی ہو تو اسکی گنجائش ہے۔

حسن و جمال کیلئے اعضاء کی سرجری

انسانی جسم و اعضاء میں محض حسن و جمال میں اضافہ کیلئے سرجری درست نہیں اسلئے کہ یہ کوئی ضرورت نہیں ہے اسلام آرائش و زیبائش کیلئے ان تکلفات کی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ ایسی زینت میں اضافہ اور غلو کی وجہ سے خلق اللہ میں تغیر لازم

آتا ہے۔ جو شخص ایسی زینت حاصل کرے کہ جس سے اللہ تعالیٰ کی خلقت (بناوٹ) میں تغیّر وتبدل پیدا ہو حدیث پاک کی روشنی میں وہ لعنت کا مستحق ہے۔

مسلم شریف میں حدیث پاک ہے۔

عن عبداللّٰه قال لعن اللّٰه الواشمات والمتسوشمات و النامصات و المتنمصات والمتفلّجات للحسن المغيرات خلق اللّٰه قال فبلغ ذالك امرأة من بنى اسد يقال لها ام يعقوب و كانت تقراء القرآن فاتته فقالت ما حديث بلغنى عنك انك لعنت الواشمات والمتسوشمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغيرات خلق اللّٰه فقال عبداللّٰه ومالى لاالعن من لعن رسول اللّٰه ﷺ وهو فى كتاب اللّٰه فقالت المرأة لقد قرأت ما بين لوحى المصحف فماوجدته فقال لئن كنت قرأتيه لقد وجدتيه قال اللّٰه عزّوجلّ وما اٰتكم الرّسول فخذوه وما نهكم عنه فانتهوا فقالت المرأة فانى ارىٰ شيئاًمن هذاعلىٰ امرأتك الآن قال اذهبى فانظرى قال فدخلت علىٰ امرأة عبداللّٰه فلم ترشيئاً فجاءت اليه فقالت ما رأيت شيئاً فقال اما لو كان ذالك لم نجامعها

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۰۵ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ گودنے والیوں، گدوانے والیوں، بال نوچنے والیوں، نچوانے والیوں، اور خوبصورتی کے لئے دانتوں کو کشادہ کرنے والیوں اور اللہ تعالیٰ کی خلقت میں تبدیل کرنے

والیوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ یہ حدیث بنو اسد کی ایک عورت تک پہنچی جس کو ام یعقوب کہا جاتا تھا۔ وہ قرآن مجید پڑھتی تھی اس نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آکر کہا میرے پاس آپ کی یہ کیسی روایت پہنچی ہے کہ آپ نے گودنے والیوں، گدوانے والیوں، بال نوچنے والیوں اور بال نچوانے والیوں اور حسن کیلئے دانتوں میں کشادگی کرنے والیوں اور اللہ تعالیٰ کی خلقت (بناوٹ) کو تبدیل کرنے والیوں پر لعنت کی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اس پر کیوں لعنت نہ کروں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے حالانکہ وہ لعنت اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہے۔ اس عورت نے کہا میں نے تو پورا قرآن پڑھا ہے میں نے تو اس میں (اس قسم کی) لعنت کو نہیں پایا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اگر تو قرآن مجید پڑھتی تو ضرور اس لعنت کو پالیتی۔

اللہ عزّ وجلّ نے فرمایا

"وما اٰتکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھو"۔

رسول تم کو جو (احکام) دیں ان کو لے لو (یعنی مان لو) اور جن کاموں سے روکے ان سے رک جاؤ۔

اس عورت نے کہا ان ممنوعہ کاموں میں سے کچھ کاموں کو آپ کی زوجہ بھی کرتی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ جاؤ جا کر دیکھ لو! وہ عورت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی کے پاس گئی تو وہاں ان میں سے کوئی چیز نہ دیکھی پھر آپ کے پاس آئی اور کہنے لگی۔ میں نے ان میں کوئی چیز نہیں دیکھی۔ حضرت

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر ان ممنوعہ کاموں کو وہ کرتی تو ہم اس سے مجامعت نہ کرتے۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی زینت جو خلق اللہ (اللہ کی بناوٹ) کے تغیّر کو مستلزم ہو وہ ممنوع حرام ہے۔ لھٰذا محض زینت وحسن کی خاطر سرجری کرانا حرام وممنوع ہے۔

علامہ یوسف القرضاوی لکھتے ہیں:

زینت میں ایسا غلو کہ اللہ کی پیدا کردہ ساخت میں تغیر واقع ہو اسلام کے نزدیک مردود ہے قرآن نے اسے شیطان کی وحی سے تعبیر کیا ہے اور قرآن نے شیطان کا یہ قول اسکے پیروؤں کے بارے نقل کیا ہے۔

”ولآمرنّهم فليغيّرنّ خلق الله“۔ (النساء ۹)

اور میں انہیں حکم دوں گا تو وہ اللہ بنائی ہوئی ساخت میں ردوبدل کرینگے۔

گودنا، دانتوں کو نوکدار بنانا اور خوبصورت کیلئے آپریشن کرانا۔ من جملہ ان منوعات کے بدن کا گودنا اور دانتوں کو نوکدار بنانا ہے۔

لعن الرسول عليه الصلوٰة والسلام الواشمة والمستوشمة والواشرة والمستوشرة (مسلم)

رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے گودنے والی پر، گودوانے والی پر، دانتوں کو نوکدار بنانے والی پر اور اس پر جو دانتوں کو نوکدار بنوائے۔

گودنے کیلئے نیلا رنگ استعمال کیا جاتا ہے اور بدنما نقوش بنائے جاتے ہیں جس سے

چہرے اور ہاتھوں میں بدصورتی پیدا ہو جاتی ہے اس معاملے میں بعض عربوں نے اور خاص طور سے عورتوں نے تو حد کر دی کہ اپنے پورے جسم پر نقوش بنا لیتے ہیں اور بعض اہل مذاہب تو اپنے دیوی دیوتاؤں اور مذہبی شعائر کی تصویریں بنا لیتے ہیں۔ چنانچہ نصاریٰ اپنے ہاتھ پر اور سینے پر صلیب کی تصویر بنا لیتے ہیں۔ علاوہ ان مقاصد کے ایک بڑا مفسدہ یہ بھی ہے کہ بدن میں سوئی چبھونے سے انسان کو سخت تکلیف ہوتی ہے اسلئے یہ کام کرنا کرانا موجبِ لعنت ہے۔

رہا "وشر" یعنی دانتوں کو نوکدار اور کوتاہ بنانا رسول اللہ ﷺ نے اس کام کو انجام دینے والی عورت پر لعنت فرمائی ہے اور اس عورت پر بھی جو کسی سے خدمت لے۔ اگر کوئی مرد یہ خدمت انجام دے تو وہ لعنت کا بدرجۂ اولیٰ مستحق ہے۔

نبی ﷺ نے جس طرح اس بات کو حرام کر دیا کہ دانتوں کو نوکدار بنایا جائے اسی طرح اس بات کو بھی حرام ٹھہرایا کہ دانتوں کے درمیان میں درزیں بنائی جائیں۔

"ولعن المتفلّجات للحسن المغيّرات خلق الله"۔ (البخاری و مسلم)

آپ ﷺ نے خوبصورتی (فیشن) کے لئے دانتوں میں درزیں بنانے والیوں پر جو درحقیقت اللہ کی بنائی ہوئی ساخت میں ردوبدل کرتی ہیں، لعنت فرمائی ہے۔

درزیں بنانے سے مراد دانتوں کے درمیان فاصلہ پیدا کرنا ہے بعض عورتوں کے دانتوں کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے اور بعضوں کے نہیں ہوتا، تو جن کے دانتوں کے درمیان فاصلہ نہیں ہوتا وہ مصنوعی طور پر درزیں بنا لیتی ہیں یہ جعل سازی اور آرائش (فیشن) میں غلو ہے جس سے اسلام کا مزاج انکاری ہے۔

مذکورہ بالا حدیثوں کے ذریعے جو صحیح ہیں، ہم خوبصورتی پیدا کرنے کی غرض

سے کیئے جانے والے آپریشن کا حکم معلوم کر سکتے ہیں جسے جسم وشہوت کی پرستاد تہذیب نے رائج کیا ہے یعنی دور حاضر کی مادہ پرستانہ مغربی تہذیب نے چنانچہ اپنی ناک یا پستان وغیرہ کی شکل درست کرانے پر مرد ہو یا عورت ہزاروں روپیہ خرچ کر ڈالتے ہیں یہ سب کام موجب لعنت ہیں کیونکہ یہ تکلیف دہ بھی ہیں اور اللہ کی بنائی ہوئی ساخت میں بلاضرورت ردوبدل کے مترادف بھی پھر یہ تبدیلی محض صورتی ہوتی ہے حقیقی نہیں۔اور یہ ردوبدل جسم میں ہوتا ہے روح میں نہیں۔

البتہ اگر کسی شخص کے جسم میں کوئی ایسا عیب موجود ہو جو ایک زائد چیز کی حیثیت رکھتا ہو اور اسے سے تکلیف محسوس ہوتی ہو یا ذہنی کوفت ہوتی ہو تو اس کا علاج کرانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے بشرطیکہ مقصود اس حرج کو دور کرنا ہو جس میں وہ مبتلا ہے اور جس سے عرصۂ حیات اس پر تنگ ہو رہا ہو۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے دین میں کوئی حرج نہیں رکھا ہے۔

(المرأة بين البيت والمجتمع ص ۱۰۵)

اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ حدیث لعن المتفلّجات للحسن (خوبصورتی پیدا کرنے کیلئے دانتوں میں درزیں بنانے والیوں پر آپ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے) کے الفاظ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ کام اس صورت میں مذموم ہے جبکہ جھوٹی خوبصورتی پیدا کرنے کیلئے کیا جائے لیکن اگر کسی تکلیف یا ضرر کو دور کرنے کی غرض سے واقعی اسکی ضرورت ہو تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔واللہ اعلم

(اسلام میں حلال وحرام اردو ص ۱۱۱-۱۱۲ مطبوعہ اسلامک پبلی کیشنز لاہور)

معلوم ہوا محض حسن وجمال کی غرض سے سرجری کرنا اور کرانا دونوں حرام وممنوع اور موجب لعنت ہے۔

پوسٹ مارٹم کی شرعی حیثیت

پوسٹ مارٹم کی شرعی حیثیت

میت کے جسم کا پوسٹ مارٹم (یعنی بعد از مرگ معائنہ) چار اغراض کیلئے کیا جاتا ہے:

(۱) موت کے سبب اور موت کے بعد کی مدت کی تعیین کے لئے۔

(۲) غیر معلوم نعش کی شناخت کے لئے۔

(۳) نومولود میں اس امر کی تحقیق کرنے کے لئے کہ پیدائش کے وقت وہ زندہ تھا اور اس میں زندہ رہنے کی قابلیت تھی یا نہیں۔

(۴) طب جدید یعنی میڈیکل سائنس کی ضرورت کیلئے مشق کرنے کے لئے۔

موت کا سبب معلوم نہ ہو تو تفتیش جرائم کا محکمہ یہ جاننے کی کوشش کرتا ہے کہ اس کی موت زہر کھانے سے ہوئی یا گلہ گھونٹنے سے یا ڈوب کر یا کسی اور پوشیدہ سبب کے ہوئی۔ تاکہ ظالم کی شناخت کر کے اس کو سزا دی جائے اور جرائم کی راہ مسدود ہو جائے۔ دوسرا پہلو اسکا یہ بھی ہے کہ بسا اوقات کسی شخص کا انتقال ہوا اور موت کا سبب معلوم نہ ہونے کی بنا پر ایک بے قصور شخص شبہ کی بنیاد پر گرفتار کر لیا جاتا ہے لیکن نعش کے پوسٹ مارٹم کے بعد یقینی طور پر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ مرنے والا طبعی موت مرا ہے یا خودکشی کی ہے یا قتل ہوا ہے۔ اس صورت میں بے قصور شخص بچ جاتا ہے۔

مثلاً کوئی شخص قتل ہو جاتا ہے۔ اس واقعہ پر پولیس کسی مسلم شخص کو گرفتار کر لیتی ہے کہ اس نے اپنے اسلحہ سے اس شخص کو قتل کیا ہے جبکہ ملزم اس سے انکار کرتا ہے ظاہری تمام تر قرائن و شواہد ملزم کے خلاف ہیں اس مقدمہ کی تحقیق و تفتیش کیلئے میت کے جسم کا پوسٹ مارٹم کیا جاتا ہے آیا مقتول ملزم کے اسلحہ سے قتل ہوا ہے یا نہیں؟

اگر تحقیق سے ثابت ہو جائے کہ مقتول ملزم کے اسلحہ سے قتل ہوا ہے تو ملزم قاتل قرار پائے گا بصورت دیگر بری ہو جائے گا۔ تیسری مصلحت یہ بھی ہے کہ کوئی وبائی مرض پھیل جاتا ہے تو ڈاکٹر پوسٹ مارٹم کے ذریعے اس بات کا پتہ لگاتے ہیں کہ اس کثرت اموات کے اسباب کیا ہیں ان پر غور کر کے احتیاطی تدابیر اختیار کرتے ہیں۔

شرعی نقطۂ نظر سے پوسٹ مارٹم کی جملہ صورتیں ناجائز وممنوع ہیں کیونکہ تمام صورتوں میں میت کی توہین وتذلیل کو مستلزم ہیں۔ جسکی اسلام قطعاً اجازت نہیں دیتا۔

ڈاکٹر عبدالواحد لکھتے ہیں

مروجہ پوسٹ مارٹم کے منجملہ اصولوں میں سے ایک اصول یہ بھی ہے کہ پوسٹ مارٹم معائنہ مفصل اور مکمل ہو۔ جسم کے تینوں جوف یعنی سینہ، پیٹ اور کھوپڑی کو کھول کر معائنہ کرنا چاہیے اگر چہ موت کا سبب کسی ایک جوف میں بھی دریافت ہو گیا کیونکہ معائنہ کرنے والے میڈیکل افسر کو صرف اتنا ہی درج نہیں کرنا چاہیے کہ فلاں فلاں اعضاء کو زخم پہنچا ہے بلکہ اس بات کو بھی واضح کرنا ہے کہ بقیہ اعضاء درست پائے گئے ہیں مروجہ پوسٹ مارٹم دوحصوں پر مشتمل ہوتا ہے (۱) ظاہری معائنہ (۲) اندرونی معائنہ۔ ان دونوں معائنوں کی تفصیلات طب قانونی کی کتابوں میں مذکور ہیں یہاں ہماری غرض پوسٹ مارٹم کو شریعت کی رو سے جانچنا ہے۔

شرعی اصول

(۱) رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے مردہ کی ہڈی توڑنا ایسا ہی ہے جیسے زندہ کی ہڈی توڑنا۔

(۲) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کہ تم نہ مال غنیمت میں چوری کرو اور نہ نقضِ عہد کرو اور نہ مثلہ کرو۔

(۳) جیسے کسی زندہ کے جسم کو ایذا پہنچانا حرام ہے اسی طرح موت کے بعد اسکے جسم کو توڑ پھوڑ اور کانٹ چھانٹ سے محفوظ رکھنا واجب ہے اور اس میں مسلم اور غیر مسلم برابر ہیں یہی وجہ ہے کہ اگر یہودیوں کی قبروں سے انکی ہڈیاں دستیاب ہوں تو انکو توڑنا منع ہے۔

(۴) کسی شرعی ضرورت کی وجہ سے مثلاً کسی زندہ کی حرمت کی حفاظت کیلئے اور کسی آدمی کے حق کی خاطر بھی میت کا حق (حرمت) باطل ہو جاتا ہے۔

(۵) جس امر کا جواز کسی ضرورت کی بنا پر ہو وہ فقط ضرورت کے بقدر ہو گا اس سے زیادہ جائز نہیں۔

(۶) ستر کا چھپانا جسطرح زندگی میں فرض ہے اسی طرح موت کے بعد بھی فرض ہے اسی طرح پردے بھی ایسے ہی باقی رہتے ہیں۔ بلکہ شوہر کے اعتبار سے تو سخت ہو جاتے ہیں کہ مردہ بیوی کے ننگے جسم کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ اور نہ ہی چہرہ ہاتھ وغیرہ کے علاوہ باقی جسم کو دیکھ سکتا ہے۔

مذکورہ شرعی اصول کا حاصل یہ ہے کہ

(الف) میت کے بیرونی معانہ میں ستر اور پردے کے احکام کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

(ب) میت کے جسم کو پھاڑنا چیرنا جیسا کہ پوسٹ مارٹم کے اندرونی معائنہ میں کیا جاتا ہے اسکے احترام کے منافی ہے اور جب تک کوئی ایسی قوی وجہ نہ ہو کہ اس کے سامنے اسکی بے حرمتی کو نظر انداز کیا جا سکے۔ چیر پھاڑ جائز نہیں ہوتی۔

مروجہ پوسٹ مارٹم کا جو اصول ذکر کیا گیا ہے اس کے تحت پوسٹ مارٹم معائنہ سے حاصل شدہ معلومات علمی دلچسپی کی چیز تو زیادہ ہوسکتی ہے لیکن بہت سے واقعات میں ان کا حصول نعش کی چیر پھاڑ کیلئے قوی وجہ نہیں بن سکتا۔ کیونکہ پوسٹ مارٹم معائنہ کیلئے لائی جانے والی نعشوں میں سے بہت سی ایسی ہوتی ہیں جن کے ظاہری معائنہ سے موت کا سبب مثلاً قتل وغیرہ کا علم ہو جاتا ہے اسی طرح زہر خوری کے باعث ہلاک ہونے والے بہت سے افراد میں ظاہری معائنہ ہی سے زہر خوری کے موت کا سبب ہونے کا علم ہو جاتا ہے۔ بعض افراد میں قوی ضرورت ہوگی تو فقط ان کا معدہ کھول کر معائنہ کرنے سے کافی معلومات اکٹھی ہو جائیں گی۔ اور بہت ہی کم ایسے کیس ہونگے جن میں اس کے علاوہ کسی اور عضو کی ضرورت پیش آئے۔

اصل قاعدہ یہ ہے کہ پوسٹ مارٹم معائنہ سے موت کا کوئی سبب معلوم ہو جائے کہ یقینی طور پر یا گمانِ غالب کے طور پر میت موت کی اضافت ونسبت اسکی طرف کی جاسکے۔ اگر وہ ظاہری معائنہ ہی سے معلوم ہو جائے تو بس اس پر اکتفا کیا جائے اس سے تجاوز کر کے نعش کی چیر پھاڑ کرنا جائز نہیں۔ اور اگر ظاہری معائنہ کافی نہ ہو اور کسی قوی ضرورت کی بنا پر اندرونی معائنہ کرنا پڑے تو فقط اتنا ہی حصہ کھولا جائے جو موت کا سبب جاننے کیلئے واقعی ضروری ہو۔ اس سے تجاوز کرنا قطعاً جائز نہیں۔

مندرجہ بالا شرعی اصولوں کو ایک مثال سے سمجھیں مثال کے طور پر ایک بائیس سالہ نوجوان کی نعش لائی گئی جس کو خنجر کا وار کر کے ہلاک کیا گیا تھا اسکو بیضوی شکل کا بھونکا ہوا زخم ۳ سم لمبا اور ڈیڑھ سم چوڑا کمر پر لگا۔ یہ زخم دائیں کمر پر درمیان سے ساڑھے چار سم باہر کی جانب اور دائیں کے ۷ سم نیچے اور اندر کی جانب واقع تھا۔

ماہرین کا اندازہ تھا کہ زخمی ہونے کے بعد ایک گھنٹہ کے اندر اندر وہ مر گیا تھا۔ کمر کی جانب سے قمیض خون سے بھری ہوئی تھی اور بہت سا خون ضائع ہو چکا تھا۔

اس کیس میں ظاہری معائنہ سے موت کا ایک ایسا سبب سامنے ہے جسکی طرف موت کی نسبت یقینی طور پر بلا کسی تردد کے کی جا سکتی ہے شرعی اصولوں کی روشنی میں اب ایسی کوئی قوی وجہ موجود نہیں کہ نعش کا ستر کھولا جائے اور اسکی چیر پھاڑ کی جائے۔

(مریض و معالج کے اسلامی احکام ص ۱۶۹ تا ۱۷۲ مطبوعہ لاہور)

ڈاکٹر صاحب کی تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ عام حالات میں میت کا ایسا پوسٹ مارٹم کہ جس سے اسکے جسم کی قطع و برید لازم آئے اور ظاہری معائنہ سے موت کا سبب معلوم ہو سکتا ہو تو میت کا اندرونی پوسٹ مارٹم ناجائز ہے۔ البتہ اگر اشد ضرورت پیش آجائے کہ ظاہری معائنہ سے موت کا سبب معلوم نہیں ہو رہا اور سبب کا معلوم کرنا ضرورت کی صورت اختیار کر گیا ہے تو فقط اتنے حصہ کو کھولا جائے جس سے موت کا سبب معلوم ہو سکے۔ اور موت کی اسکی طرف نسبت کی جا سکے۔

شرعی اصولوں اور مروجہ پوسٹ مارٹم کے اصولوں کو دیکھا جائے تو ایسے پوسٹ مارٹم معائنہ کی قطعاً گنجائش نہیں نکلتی جس سے انسان کے جسم کی کانٹ چھانٹ کی جائے۔ کیونکہ موت کا سبب ایک جوف کے کھولنے سے ہو جاتا ہے جبکہ ایک کے بجائے تینوں جوف کو کھولا جاتا ہے اور ستر کا بھی خیال نہیں رکھا جاتا۔ اس سے انسان سے توہین و تذلیل لازم آتی ہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ موت کا سبب معلوم کرنا ضرورت کی صورت اختیار کر جائے مثلاً مقتول کی موت کا سبب معلوم کرنا ہے ملزم گرفتار ہے اور وہ برابر انکار کر رہا ہے کہ یہ شخص مجھ سے

قتل نہیں ہوا بظاہر اسکے پاس اسلحہ بھی ہے یہ وہ صورت ہے کہ یہاں ملزم کی جان موت وحیات کے درمیان میں پھنسی ہوئی اسکے بارے میں دو احتمال ہیں۔

(۱) ملزم بے قصور ہو۔ یعنی قتل کسی اور نے کیا ہو اور شبہ کی بنیاد پر گرفتار اسے کیا گیا ہو۔

(۲) ملزم قاتل ہو۔

اگر پوسٹ مارٹم کو جائز قرار نہ دیا جائے تو اس صورت میں ملزم کی جان جانے کا خطرہ ہے کیونکہ ظاہری قرائن اسکے انکار کے خلاف ہیں۔ وہ بے قصور ہو کر بھی ظاہر قرائن کی بنا پر قاتل قرار پائے گا۔ اگر وہ قاتل ہے تو اسکو قانون کے مطابق سزا دی جائے اگر وہ بے قصور ہے تو اسکو بری کیا جائے۔ لیکن یہاں تو سوائے پوسٹ مارٹم کے اور کوئی چارہ نہیں کہ جسکی وجہ سے وجوہات قتل کو معلوم کیا جاسکے تو اس ضرورت (یعنی ملزم جب بے قصور ہو تو اسکی جان بچانے کی) خاطر بعض علماء نے پوسٹ مارٹم کی اجازت دی ہے اسکے علاوہ تمام صورتوں میں پوسٹ مارٹم کو ناجائز قرار دیا ہے۔ تاہم اسلام نے اس سے بہتر قانون قاتل کے تعین کیلئے پیش کیا ہے جس سے پوسٹ مارٹم کی ضرورت پیش نہیں آتی۔

قاتل کے تعین کے لئے شرعی ضابطہ

اسلام نے قاتل کے تعین کیلئے ایک قانون اور ضابطہ پیش کیا ہے وہ یہ ہے مذکورہ صورت میں مدّعی قتل کی نظر میں قاتل معلوم ہے یا نہیں اگر معلوم ہے تو دعویٰ کے ثبوت کیلئے مدعیِ قتل سے گواہ طلب کئے جائیں گے گواہوں کی شہادت کی موجودگی میں ملزم کو قاتل قرار دیا جائے گا گواہ نہ ہونے کی صورت میں ملزم سے قسم لی جائے گی

کیونکہ اسلام کا ایک واضح قانون ہے البیّنۃ علی المدّعی والیمین علی من انکر (مدعی پر گواہ پیش کرنے لازم ہیں اور منکر پر قسم لازم ہوگی) اور ملزم کو بری کر دیا جائے گا۔

قانون قسامۃ

اگر قاتل غیر معلوم تھا قتل کر کے بھاگ گیا۔ تو اس صورت میں اسلام نے قسامۃ کا قانون پیش کیا ہے۔ کہ جہاں مقتول پڑا ہوا ہے اس علاقے کے لوگوں سے تفتیش کی جائے اگر قاتل مل جائے تو فبھا ورنہ اس علاقے کے پچاس مردوں سے قسم لی جائے اور قسم اٹھانے کے بعد ان پر دیت لازم کر دی جائے۔

لہذا اسلام کے قانون کو تبدیل کرنے کے بجائے انگریز ساختہ غیر شرعی قانون کو تبدیل کیا جائے۔ اسلام کے قانون کے مقابلے میں انگریز ساختہ غیر شرعی قانون پر عمل کی اجازت ہر گز نہیں دی جاسکتی کہ جس سے تکریمِ انسانیت کو پائمال کیا جائے۔ ستم بالائے ستم یہ ہے کہ پہلے مقتول کو ظلماً قتل کیا گیا پھر دوبارہ اس کے جسم کی چیر پھاڑ کر کے اسے تکلیف وایذا دی جاتی ہے۔ لہذا حتی المقدور پوسٹ مارٹم سے اجتناب کیا جائے۔ اسلامی ممالک کے فرماں رواؤں پر یہ بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ مسلمان ہونے کا عملی ثبوت فراہم کرتے ہوئے قوانین شرعیہ کو رواج دیں اور اپنے ممالک سے ان قانین اور رسوم کا خاتمہ کریں جن سے تکریم انسانیت کا خاتمہ ہو۔

میڈیکل سائنس کیلئے انسانی لاشوں پر تجربہ

طب جدید یعنی ڈاکٹری تعلیم کی خاطر میڈیکل کالج کے طلبہ کسی لاوارث لاش کو قبضے میں کرنے کے بعد اس لاش کے جسم واعضاء پر آپریشن کی مشق کرتے ہیں

اور طبی نوعیت کے مختلف تجربات کرتے ہیں آج کل انسانی جان کو بچانے کیلئے سرجری اور آپریشن ایک ضروری طریقۂ علاج ہے۔ پتہ یا مثانہ میں پتھری کی صورت میں آپریشن کے ذریعے پتھری کو نکالا جاتا ہے۔ گردہ خراب ہونے کی صورت میں آپریشن کے ذریعے اسے نکالا جاتا ہے۔ ماں کے پیٹ میں بچہ الٹا ہو جائے تو آپریشن کے ذریعے بچہ کو نکالا جاتا ہے۔ حوادثات میں جسم کی مختلف ہڈیاں ٹوٹ جاتی ہیں تو آپریشن کے ذریعے ہڈیوں کو جوڑا جاتا ہے۔ غرضیکہ کثیر تعداد میں ایسی بیماریاں ہیں جن کا علاج فی زمانہ آپریشن کرنے سے ہوتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ میڈیکل کالج کے طلبہ کیلئے انسانی لاشوں پر سرجری و آپریشن کی مشق کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر زمانۂ تعلیم میں سرجری و آپریشن کی مشق نہ کریں تو وہ مستقبل میں سرجری اور آپریشن کے ذریعے علاج نہیں کر سکیں گے۔ تو اس طرح وہ مریض جن کا علاج بغیر آپریشن کے ممکن نہیں انکی زندگیاں خطرے میں پڑ جائیں گیں۔ تو کیا شرعی قاعدہ الضرورات تبیح المحظورات (ضرورتیں، ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں) کی بنا پر انسانی لاشوں پر تجربہ کرنا جائز ہے؟۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ میڈیکل تعلیم کیلئے انسانی لاشوں پر تجربہ کرنا انتہائی ظلم وزیادتی ہے جسکی کسی بھی صورت میں اجازت نہیں۔ میڈیکل تعلیم کا حاصل کرنا ایک مستحسن امر ہے فرض یا واجب نہیں کہ جس کے ترک سے انسان گنہگار ہو جائے اور انکار سے دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے اور نہ ہی مریض پر علاج کرانا فرض یا واجب ہے۔

فتاویٰ ھندیہ میں ہے۔

”مرض او رمد فلم یعالج حتّٰی مات لایکون اثماً“۔

(فتاویٰ ھندیہ ج ۵ ص ۲۵۵ مطبوعہ پشاور)

کوئی شخص بیمار ہو گیا یا اسکی آنکھوں میں درد ہوا تو اس نے علاج نہ کروایا حتی کہ مر گیا تو وہ گنہگار نہیں ہوگا۔

فتاوی ھندیہ کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مریض پر اپنے مرض کا علاج فرض یا واجب نہیں اگر فرض یا واجب ہوتا تو علاج نہ کروانے کی صورت میں مریض گنہگار ہوتا۔ کیونکہ جس کا ترک عصیان ہو اسکا اِتیان واجب ہوتا ہے۔ لہذا مرض کا علاج فرض یا واجب نہیں جو چیز فرض یا واجب نہ ہو اسکی تعلیم بھی فرض یا واجب نہیں ہوتی۔ زیادہ سے زیادہ اسے مستحسن کہا جا سکتا ہے اسکے جواز کی صورت اتنی ہی ہے جسکی شریعت اجازت دے اور جسمیں تکریمِ انسانیت کا پاس ہو۔

آج کے دور میں میڈیکل تعلیم کیلئے پلاسٹک ماڈلز موجود ہیں جن کی مدد سے میڈیکل کالج کے طلبہ کو میڈیکل تعلیم، مثلاً آپریشن و سرجری کا علم سکھایا جا سکتا ہے بلکہ فی زمانہ مصنوعی ماڈلز کی مدد سے میڈیکل تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اسکے علاوہ میڈیکل تعلیم کیلئے جانوروں کے جسم واعضاء پر تجربہ کیا جائے جیسا کہ قدیم زمانہ میں اطبا کرتے تھے۔ تو پھر انسانی لاشوں پر تجربہ کرنا کیسے ضروری ہوگا؟ اور الضرورات تبیح المحظورات (ضرورتیں، ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں) کے پیش نظر کیسے مباح ہوگا؟

اگر چند منٹ کے لئے بادلِ نخواستہ یہ بات مان بھی لیں کہ مریض کے علاج کی خاطر انسانی لاشوں پر تجربہ ضروری ہے کیونکہ مریض کی زندگی اس پر موقوف ہے بصورت دیگر مریض کی جان کو خطرہ ہے تو اس صورت میں بھی انسانی لاشوں پر تجربہ کرنا جائز نہیں ہے۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

مضطر لم يجد ميتة وخاف الهلاك فقال له رجل اقطع يدى وكلها اوقال اقطع منى قطعة فكلها لا يسعه ان يفعل ذالك ولا يصح امره به لا يسع للمضطر ان يقطع قطعة من نفسه فيأكل۔

(فتاوى قاضى خان على هامش الهنديه ج٣ ص ٤٠٤ مطبوعه پشاور)

مضطر انسان کسی مردار کو نہ پائے اور ہلاکت کا خوف ہو دوسرا آدمی اسے کہے میرا ہاتھ یا جسم کا کوئی ٹکڑا کاٹ کر کھا لو تو مضطر انسان کیلئے ایسا کرنا جائز نہیں اور نہ ہی دوسرے آدمی کو مضطر کیلئے ایسا امر کرنا جائز ہے۔ جس طرح مضطر کیلئے اپنے جسم کو کاٹ کر کھانا جائز نہیں۔

معلوم ہوا کہ انسانی جسم واعضاء کا استعمال حالت اضطرار میں بھی جائز نہیں۔ لہذا میڈیکل تعلیم کیلئے انسانی لاش پر تجربہ ومشق حالت اضطرار میں بھی جائز نہیں۔

بعض علماء نے میڈیکل تعلیم کیلئے غیر مسلم اموات پر تجربہ ومشق کو جائز قرار دیا ہے۔ یہ صحیح نہیں اسلئے کہ غیر مسلم بحیثیت انسان مکرّم ہے بنی آدم میں غیر مسلم بھی شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"ولقد كرّمنا بنى آدم" ہم نے بنی آدم (یعنی انسان) کو مکرم بنایا۔

یہ آیت مسلم وغیر مسلم سب کو شامل ہے۔

علامہ ابن نجیم مصری لکھتے ہیں:

"أن الآدمى مكرّم وان كان كافراً"۔

(بحر الرائق ج٦ ص ٨١ مطبوعه ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

''انسان مکرم ہے اگر چہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو''۔

لہذا غیر مسلم اموات پر تجربہ ومشق سے بھی پرہیز ضروری ہے۔ میڈیکل تعلیم کیلئے انسانی لاشوں پر تجربہ کرنے سے کئی قباحتیں لازم آتی ہیں۔

ڈاکٹر عبدالواحد اپنی تالیف ''مریض ومعالج کے اسلامی احکام'' میں ''تشریح الابدان کی تعلیم کیلئے نعش کی کانٹ چھانٹ'' کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں۔

(۱) پوسٹ مارٹم معائنہ کی بحث میں نعش کی حرمت واحترام کا ذکر ہو چکا ہے۔

(۲) مردہ کو نہلانا اور اسکی تجہیز وتکفین کرنا اور اس پر نماز جنازہ پڑھنا اور اس کو دفن کرنا فرض کفایہ ہے۔ کسی کے بھی نہ کرنے سے اس مردہ کے بارے میں تمام باخبر مسلمان گناہ گار ہوتے ہیں۔

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں (اس کے) سلام جواب دینا۔ (جب وہ) بیمار (ہو جائے تو اس) کی عیادت کرنا۔ (اس کے) جنازے کے ساتھ چلنا۔ (جب) وہ (مدد کیلئے) بلائے تو اس کی مدد کرنا اور جب وہ چھینک کر الحمد للہ کہے تو اس کو یرحمک اللہ کہنا۔ اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سات باتوں کا حکم دیا۔ اور سات باتوں سے روکا (اور جن باتوں کا حکم دیا ان میں سے ایک جنازہ کے ساتھ چلنا ہے)۔

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ یہ باتیں مسلمان میت کا دوسرے مسلمانوں پر حق ہیں۔

نعش کی کانٹ چھانٹ میں مندرجہ ذیل قباحتیں لازم آتی ہیں:

(۱) نعش کی ہتکِ حرمت ہوتی ہے۔

(۲) میت اپنے حق سے محروم رہتی ہے۔

(۳) اس سے باخبر تمام مسلمان فرض کفایہ کے ترک اور مسلمان کے حقوق کے ضائع کرنے کی بنا پر گنہگار ہوتے ہیں کیونکہ (DISSECTION) میں کام آنے والی نعش نماز جنازہ اور تکفین و تدفین سے محروم رہی ہے۔

(۴) یہ شرعی حکم گذر چکا ہے کہ لاش کا مثلہ نہ کرو۔ اس حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔

(۵) میت کے ستر چھپانے کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔

اب ہمیں دیکھنا ہوگا کہ نعش کی (DISSECTION) کرنے میں یہ پانچ بڑی قباحتیں لازم آتی ہیں تو کیا اسکا متبادل طریقہ کوئی ہے؟

موجودہ دور میں مصنوعی ڈھانچے اور مصنوعی اجسام تیار کرنا ناممکن کام نہیں ہے اس موضوع پر پہلے ہی بہت کچھ کام ہو چکا ہے۔ اور اس سے استفادہ بھی کیا جارہا ہے تو یہ کوئی وجہ نہیں کہ مصنوعی ذرائع اور تصاویر کے ذریعے تشریح الابدان کے علم کی تحصیل میں مدد نہ لی جاسکے۔

غرض ان قباحتوں کا تحمل کرنے کی وجہ موجود نہیں ہے اور اس لئے انسانی میت کی (DISSECTION) کسی طور پر جائز نہیں۔

(مریض و معالج کے اسلامی احکام ص ۱۷۸ مطبوعہ دیال سنگ لائبریری لاہور)

نتائج بحث

انسانی اعضاء کی وصیت، ہبہ و عطیہ اور انسانی جسم و اعضاء کے آپریشن کی شرعی حیثیت پر تفصیلی بحث ہم نے لکھ دی ہے۔ قارئین کی سہولت کیلئے بحث مذکور کے نتائج لکھ دیتے ہیں۔

(۱) انسانی اعضاء کی وصیت ناجائز ہے۔ کیونکہ وصیت اسی شے کی جائز ہے جس کا انسان مالک ہو اور وہ شے (جس کی وصیت کی جارہی ہو) قابل تملیک انسان اپنے جسم واعضاء کا مالک نہیں بلکہ انسانی جسم انسان کے پاس اللہ کی امانت ہے انسان اسکا نگران ومحافظ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے جسم واعضاء میں اس طرح کے تصرف کی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ انسانی جسم واعضاء قابلِ تملیک نہیں کسی بھی شے کا دوسرے کو مالک انسان اسی وقت بنا سکتا ہے۔ جب انسان اسکا مالک ہو اور وہ شے مال متقوم ہو۔ جبکہ انسان کے جسم واعضاء نہ تو مال متقوم ہیں اور نہ ہی انسان ان کا مالک ہے۔

(۲) انسانی اعضاء واجزاء کا ہبہ وعطیہ جائز نہیں۔ کیونکہ کسی بھی شے کو ہبہ اور عطیہ دوسرے کو اسی وقت دیا جاسکتا ہے جب ہبہ کرنے والا اس شے کا ملک صحیح کیساتھ مالک ہو انسان اپنے جسم اعضاء کا مالک نہیں لہذا انسانی جسم واعضاء کا ہبہ وعطیہ جائز نہیں۔

(۳) انسانی اعضاء واجزاء کی خرید وفروخت جائز نہیں ۔ کیونکہ خرید وفروخت کیلئے شے کا مال ہونا ضروری ہے۔ جبکہ انسانی اعضاء واجزاء مال نہیں لہذا انکی خرید وفروخت جائز نہیں۔

(۴) انسان اپنے جمیع اجزاء کے ساتھ مکرّم ومحترم ہے۔ خواہ مسلم ہو یا کافر ۔ کسی دوسرے انسان کے ساتھ کسی بھی انسان کے اعضاء کی پیوند کاری اسکے اکرام واحترام کے منافی ہے۔

(۵) کسی بھی انسان کے اعضاء کا دوسرے انسان کے جسم واعضاء سے پیوند کرنا جائز نہیں ۔ انسان خواہ زندہ ہو یا مردہ کیونکہ زندہ انسان کی طرح مردہ انسان کا اکرام واحترام بھی لازم وضروری ہے۔

(٦) زندہ انسان کی طرح مردہ انسان کو بھی باعث رنج والم سے رنج والم اور تکلیف ہوتی ہے اور زندہ انسان کی طرح باعث فرحت وسرور شے سے مردہ انسان بھی مسرور ہوتا ہے۔

(٧) اپنے جسم واعضاء کے علاج کی خاطر آپریشن کروانا جائز ہے لیکن غیر کے علاج کیلئے آپریشن کرانا جائز نہیں۔

(٨) مردہ انسان کے ساتھ جب کسی دوسرے شخص کا ایسا حق متعلق ہو جائے جس کی تلافی وتدارک مردے کے آپریشن کے بغیر ممکن نہ ہو تو اس حالت میں مردے کا آپریشن کرنا جائز ہے۔

(٩) مردہ حاملہ عورت ہو اور بچہ پیٹ میں حرکت کر رہا ہو تو مردہ عورت کے پیٹ کا آپریشن کر کے بچے کو نکالنا جائز ہے۔

(١٠) حسن وجمال کے اضافے کیلئے آپریشن وسرجری جائز نہیں۔ ایسا آپریشن کرنے والا اور کروانے والا دونوں لعنت کے مستحق ہیں۔

(١١) میڈیکل سائنس یعنی ڈاکٹری تعلیم کیلئے پوسٹ مارٹم کرنا اور انسانی لاشوں پر تجربہ ومشق کرنا حرمت وکرامت انسانیت کے منافی ہے کسی حال میں بھی جائز نہیں۔ میڈیکل تعلیم کیلئے مصنوعی ڈھانچہ اور جانوروں کے اعضاء پر مشق وتجربہ کرنا چاہیے۔

(١٢) انسانی لاشوں پر تجربہ کرنا ناجائز ہے اس حکم میں مسلم وغیر مسلم دونوں کی نعشوں کا حکم یکساں ہے۔

(١٣) میت کے جسم کا اندرونی پوسٹ مارٹم جائز نہیں موت کا سبب ظاہری

علامات وقرائن سے ممکن ہے۔ ناگزیر صورت میں اتنے ہی حصے کا پوسٹ مارٹم جائز ہے جس سے موت کا سبب معلوم ہو سکے دیگر اعضاء کو کھولنا جائز نہیں۔

(۱۴) پوسٹ مارٹم کے قانون کے بجائے اسلام کے قانون قسامۃ کا لحاظ رکھنا اور رائج کرنا۔ اسلامی ممالک کے سربراہان پر بھاری ذمہ داری ہے۔



انسانی اعضاء کی وصیت و پیوند کاری
کے مجوّزین کے
دلائل اور ان کا تجزیہ

انسانی اعضاء کی وصیت و پیوند کاری کے مجوّزین کے دلائل اوران کا تجزیہ

جو حضرات انسانی اعضاء کی وصیت و پیوند کاری کے جواز کے قائل ہیں یہاں پر انکے دلائل ذکر کر کے انکا جواب دیں گے تاکہ مسئلہ کے ہر دو پہلو واضح ہو جائیں۔

دلیل اول

انسانی اعضاء کی وصیت و پیوند کاری کے جواز کے قائل حضرات اپنے موقف پر "صحیح مسلم" کی مندرجہ ذیل حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

عن ابی هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال قال رجل لم يعمل حسنة قط لا هله اذامات فحرقوه ثم اذروانصفه فى البرونصفه فى البحر فوالله لئن قدر الله عليه ليعذّبنّه عذاباً لا يعذّبه احداًمن العالمين فلما مات الرجل فعلواماامر هم فامرالله البرّ فجمع مافيهٗ وامر البحرفجمع مافيه ثم قال لم فعلت هذا قال من خشيتك يارب وانت اعلم فغفرالله له۔

(صحيح مسلم ج ٢ ص ٣٥٦ مطبوعه قديمى كتب خانه كراچى)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک آدمی نے کوئی نیکی نہیں کی تھی جب وہ مرنے لگا تو اس نے اپنے گھر والوں سے کہا اس کو جلا دینا پھر اس کے نصف کو خشکی میں اڑا دینا اور نصف کو سمندر میں بہا دینا کیونکہ اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ نے اس پر گرفت کی تو اس کو اتنا سخت عذاب

دے گا کہ تمام جہانوں میں کوئی اس کو اتنا سخت عذاب نہیں دے سکتا۔ جب وہ مر گیا تو لوگوں نے اسکی وصیت کے مطابق کر دیا۔ االلہ تعالیٰ نے خشکی کو حکم دیا تو اس نے اس کے ذرات جمع کر دیئے اور سمندر کو حکم دیا تو اس نے اس کے ذرات جمع کر دیئے۔ پھر فرمایا تم نے اس طرح کرنے کا کیوں کہا تھا؟ اس نے کہا اے میرے رب! تیرے ڈر کہ وجہ سے اور تو زیادہ جانتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا۔

مجوزین حضرات اس حدیث سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ انسان اپنے مردہ جسم کے متعلق ایسی وصیت بھی کر سکتا ہے کہ اس کو جلا کر اس گی راکھ ہوا میں اڑا دی جائے اور دریاء میں بہادی جائے اگر ایسی صورت میں کوئی وصیت جائز نہ ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس وصیت کو بیان فرمایا تو اس کے ساتھ یہ بھی ضرور فرماتے کی ایسی وصیت کسی حال میں کسی شخص کیلئے جائز نہیں غرضیکہ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ نہ فرمانا ایسی وصیت کے جواز کی دلیل بنتی ہے جب انسان اپنے مردہ جسم کو جلانے کی وصیت کر سکتا ہے تو اپنے اعضاء کی وصیت تو بدجہ اولیٰ کر سکتا ہے کیونکہ جسم کے جلانے میں تو دوسرے لوگوں کا کوئی فائدہ نہیں جبکہ اعضاء کی وصیت کا تو دوسرے لوگوں کو فائدہ ہے لہٰذا انسانی اعضاء کی وصیت ہبہ وعطیہ اور پیوندکاری جائز ہے۔

جواب:

اسکا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں جس طرح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وصیت کرنے سے منع نہیں فرمایا اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی تو نہیں فرمایا کہ انسان جلانا جائز نہیں دفن کرنا ضروری ہے۔ اس استدلال سے تو انسانی

لاش کو جلانے کی وصیت جائز ہونی چاہیئے حالانکہ وصیت بالاعضاء کے مجوزین بھی انسانی لاش کو جلانے کی وصیت کے قائل نہیں ہیں۔

پھر یہ واقعہ بنی اسرائیل کے ایک آدمی کا ہے عین ممکن ہے کہ انکی شریعت میں انسانی لاش کو از روئے توبہ جلانے کی اجازت ہو۔ جبکہ انکی شریعت سے ثابت ہے کہ بعض گناہوں کی توبہ قتل نفس پر موقوف تھی۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

فتوبوا الیٰ بارئکم فاقتلوا انفسکم ذالکم خیر لکم عند بارئکم فتاب علیکم انه هو التوّاب الرّحیم (البقره/ ٥٤)

تو اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع کرو تو آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو۔ یہ تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک بہتر ہے۔ بے شک وہی بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

جبکہ ہمارے شریعت میں ایک دوسرے کو قتل کرنا اور لاش کو جلانا منع ہے لہذا بنی اسرائیل کے اس واقعہ سے استدلال درست نہیں اس واقعہ سے متعلق حدیث حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی "بخاری شریف" میں کتاب الرقاق کے تحت "باب الخوف" میں نقل کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث کو خوفِ خدا کی مثال دیتے ہوئے بیان فرمایا ہے۔ وصیت کا جواز بیان کرنے کیلئے نہیں اگر اس حدیث سے وصیت کا جواز ملتا تو حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اسے "باب الخوف" میں ذکر نہ کرتے بلکہ " باب الوصیة" میں ذکر تے۔

شارحِ بخاری علامہ ابن حجر عسقلانی "فتح الباری" میں اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں

اما ما اوصیٰ به فلعله کان جائزا فی شرعهم ذالك تصحیح التوبة

فقد ثبت فی شرع بنی اسرائیل قتلھم لصحۃ التوبۃ

(فتح الباری ج ۱۱ ص ۳۸۲ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

بنی اسرائیل کے آدمی نے جو اپنے جسم کو جلانے اور راکھ کو ہوا میں اڑانے اور سمندر میں بہا دینے کی وصیت کی تھی بہت ممکن ہے کہ انکی شریعت میں ازروئے توبہ لاش کو جلانے کی اجازت ہو۔ جبکہ بنی اسرائیل کی شریعت میں اپنے آپ کو قتل کرنا توبہ کی صحت کیلئے ثابت ہے اسلام میں قتل نفس ممنوع ہے لہذا اس واقعہ سے استدلال قطعاً درست نہ ہوگا۔

دلیل دوئم

انسانی اعضاء کی وصیت و ہبہ اور پیوند کاری کے مجوزین حضرات اپنے موقف پر حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث پیش کرتے ہیں

"من تصدّق بشئی من جسدہ اعطی بقدر ماتصدق"

(جامع صغیر ج ۲ ص ۵۲۲ مطبوعہ بیروت)

جس نے اپنے جسم سے کچھ صدقہ کیا اس کو اس کے بقدر اجر دیا جائے گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو اپنے اعضاء بطور ہبہ و عطیہ دینا جائز ہے بلکہ باعثِ اجر و ثواب ہے۔ جب ہبہ اور عطیہ انسانی اعضاء کو دیا جا سکتا ہے تو ان اعضاء کی وصیت بھی کی جا سکتی ہے۔

جواب

شارحِ جامع صغیر صاحبِ فیض القدیر نے اس کے دو مطلب بیان کیے ہیں

(۱) پہلا مطلب تو یہ ہے کہ کسی شخص نے کسی پر جنابت کردی مثلاً اسکا ہاتھ کاٹ دیا یا اسکی منفعت کو ختم کردیا۔ اس مظلوم نے اللہ کی رضاء کی خاطر اس کو معاف کردیا تو وہ عنداللہ اس جرم کو معاف کرنے کی مقدار ثواب کا مستحق ہوگا۔

(۲) دوسرا مطلب یہ ہے کہ جسم سے صدقہ کرنے سے مراد یہ ہے جس نے اپنے اعضاءِ ابدان سے نیک اعمال انجام دیئے تو اللہ تعالیٰ اسکے مطابق اس کو ثواب عطا فرمائے گا۔

فیض القدیر شرح جامع صغیر میں ہے۔

یعنی من جنی علیه انسان وان قطع منه عضوا اوزال منفعة فعفاعنه لوجه الله اثابه الله تعالیٰ علیه بقدر الجنایة ویحتمل ان المراد بالتصدّق بذالك ان یباشر بعض الطاعة ببعض بدنه کان یزیل الاذی عن الطریق بیده فیثاب بقدر ذالك اخرج ابن سعد عن الربیع بن خیثم انه کان یکنس الحش بنفسه فقیل له انك تکفی هذا قال انی احبّ اخذ نصیبی من المنة

(فیض القدیر ج ٦ ص ١٠٦ مطبوعه بیروت)

ایک شخص نے کسی پر جنابت کی جب کہ اسکا کوئی عضو کاٹ دیا یا اسکی کوئی منفعت ضائع کردی تو اس شخص نے اس کو اللہ کی رضا کی خاطر معاف کردیا تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف کرنے کے بقدر ثواب عطا فرمائے گا یہ بھی احتمال ہے یہاں صدقہ سے مراد یہ ہوا کہ انسان بعض نیک اعمال اپنے اعضاء بدن سے انجام دے جیسے کہ راستہ سے کوئی ایذاء دینے والی چیز اپنے ہاتھ سے ہٹادی تو اس کو اس کے بقدر ثواب ملے گا۔

چنانچہ ابن سعد نے ربیع بن خیثم سے نقل کیا ہے کہ وہ کچرا خود صاف کیا کرتے تھے ان کو کہا گیا کہ آپ اس کو کافی سمجھتے ہیں آپ نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ میں اپنا حصہ محنت سے حاصل کروں۔

علامہ ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' میں اس حدیث کو ''باب ماجاء فی العضو عن الجانی والقاتل '' کے تحت ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کا تعلق انسانی اعضاء کی پیوندکاری سے نہیں بلکہ جنایات کو معاف کردینے کے باب سے اسکا تعلق ہے۔ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دوسرے کو جنایات کا بدلہ لینے کے بجائے معاف کردینے کی ترغیب دی ہے۔ علامہ ہیثمی نے اس کے علاوہ دیگر احادیث بھی نقل کی ہیں۔ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں تصدّق سے مراد جنایات کو معاف کرنا ہے جسم کا کاٹ کر کسی دوسرے کو دینا ہرگز مراد نہیں چنانچہ ''مجمع الزوائد'' میں ہے۔

(۱)عن عبادة بن الصامت قال سمعت رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم يقول مامن رجل يخرج فى نفسه جراحة فيصدق بهاالا كفّر اللّٰه تبارك وتعالىٰ عنه مثل ما تصدق به رواه احمد ورجاله رجال الصيح۔

حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ کسی شخص کے جسم میں کوئی زخم لگ جاتا ہے اور وہ اس کو معاف کردیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے صدقہ کے بقدر اس کے گناہ معاف کردیتا ہے۔ امام احمد نے اس کو روایت کیا اور اس کے تمام راوی صحیح ہیں

(۲)وعن رجل من اصحاب النبىّ صلى اللّٰه عليه وسلم قال من

اصیب فی جسدہ بشیء فترکہ للّٰہ عزّوجلّ کان کفارۃ لہ رواہ احمد فیہ بحالہ وقد اختلط۔

ایک صحابی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جس کسی کے جسم میں کوئی گزند پہنچے اور وہ اللہ عزّ وجلّ کیلئے اس کو چھوڑ دے (بدلہ نہ لے) تو اس کے گناہوں کا کفارہ ہوگا۔ امام احمد نے اس کو روایت کیا ہے اس کی سندیں بحالہ ہیں جو کہ مختلط ہیں۔

(۳) عن عدی بن ثابت قال ھم رجل فم رجل علی عھد معاویۃ فاعطی دیتہ فابیٰ ان یقبل حتیٰ اعطی دیتہ فابیٰ حتی اعطی ثلاثاً فقال رجل انی سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول من تصدّق بدم اودونہ کان کفارۃ لہ من یوم ولدالیٰ یوم تصدق (رواہ ابو یعلیٰ ورجالہ رجال الصحیح غیر عمران بن ظبیان وقال فیہ ضعف وقدوثّقہ ابن حبان)

(مجمع الزوائد و منبع الفوائد للھیثمی ج ٦ ص ٣٠٢ مطبوعہ بیروت)

عدی بن ثابت سے روایت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک آدمی نے دوسرے کے منہ کو زخمی کر دیا اسکی دیت دی گئی لیکن زخمی آدمی نے دیت لینے سے انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ تین مرتبہ دیت پیش کی گئی ہر دفعہ اس نے انکار کر دیا اور اس شخص نے کہاں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جس نے جنایت کا خون یا اس سے کم جنایت کا خون معاف کیا تو اس کا معاف کرنا اس کی پیدائش کے دن سے معاف کرنے کے دن تک کے گناہوں کے لئے کفارہ ہوگا۔ ابو یعلی نے اس کو روایت کیا ہے اس کے تمام رجال صحیح ہیں ۔البتہ عمران بن ظبیان کو ضعیف کہا گیا ہے ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے۔

حضرت عبادہ بن صامت اور عدی بن ثابت کی یہ دونوں واضح اور تفصیلی حدیثیں ہیں جو حضرت عبادہ کی اجمالی حدیث کی شرح اور تفصیل بن سکتی ہیں اس لیے کہ محدثین کا مسلمہ اصول ہے الحدیث بعضه یفسّر بعضاً :حدیث کا بعض حصہ بعض کی تفسیر کرتا ہے ان دونوں روایتوں میں جنایات کو معاف کرنے کی وضاحت ہے لہذا من جسده والی حدیث کا معنیٰ اور مفہوم بھی یہی ہوگا۔ان احادیث میں جنایات کو معاف کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اعضاء کو ہبہ وعطیہ کے طور پر دینے کی ترغیب نہیں۔

لہذا اسے وصیت بالاعضاء یا اعضاء کے ہبہ وعطیہ کی طرف لے جانا اور اس سے یہ استدلال کرنا کی وصیت بالاعضاء یا اعضاء کا ہبہ وعطیہ جائز ہے قطعاً درست نہیں۔

قرآن مجید کی آیۃ فمن تصدّق به فهو كفّارة له (المائده ـ ٤٥) اپنے مضمون میں اس حدیث سے ملتی جلتی ہے

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں۔

اخرج ابن مروویه عن رجل من انصار عن النّبی صلی الله علیه وسلم فی قوله (فمن تصدّق به فهو كفارة له) قال هو رجل یكسر سنه اویقطع یده او یقطع شئی منه اویجرح فی بد نه فیعفو عن ذالك فیحط عنه قدر خطایاه فان كان ربع الدية فربع خطایاه وان كان الثلث فثلث خطایاه وان كانت الدية حطت عنه خطایاه كذالك وروی الطبرانی فی الكبير بسند حسن عن عبادة بن الصامت قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من تصدّق من جسده بشئی كفر الله بقدره من ذنوبه

(التفسیر المظهری ج ٣ ص ١٢١ مطبوعه مكتبه رشیدیه کوئٹہ)

ابن مردویہ نے ایک انصاری کے حوالے سے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد اس آیت کے ذیل میں تحریر کیا۔(فمن تصدق به فهو كفارة له) کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جسکا دانت ٹوٹ جائے یا ہاتھ کاٹ دیا جائے یا جسم کا کوئی حصہ کاٹ دیا جائے یا اس کے بدن کا کوئی حصہ زخمی کر دیا جائے۔

وہ شخص معاف کر دے تو اس کے اسی مقدار گناہ معاف ہوتے ہیں، پس اگر ربع (چوتھائی) دیت ہو تو ایک چوتھائی گناہ معاف ہونگے۔اگر وہ ثلث (تہائی) دیت کا مستحق ہو تو ایک تہائی گناہ معاف ہونگے اور اگر وہ کامل دیت کا مستحق ہو تو اس صورت میں اسکے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے۔

اور طبرانی نے معجم کبیر میں سند حسن کے ساتھ حضرت عبادہ بن صامت سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنے جسم سے کچھ صدقہ کیا اللہ تعالیٰ اسکے بقدر اسکے گناہ معاف فرمادے گا۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی اس کے بعد ترمذی کے حوالے سے ایک اور حدیث نقل کرتے ہیں جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے اس حدیث "من تصدق من جسده" کا تعلق جنایات کے باب سے ہے "ترقیع باعضاء الانسان" سے اس کا کوئی تعلق نہیں قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں۔

وروى الترمذی وابن ماجة عن ابی الدرداء قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول مامن رجل يصاب بشئ فی جسده فتصدق به الا رفعه الله به درجة وحط عنه خطيئة۔

(التفسير المظهری ج ۳ ص ۱۲۲ مطبوعه مكتبه رشيديه كوئٹه)

اور ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرماتے ہوئے سنا کہ کوئی شخص بھی جس کو دوسرے کی طرف سے کوئی بدنی تکلیف پہنچی ہو وہ اس کو معاف کردے تو اللہ تعالیٰ اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور ایک خطا معاف کردیتا ہے۔

یہاں معاف کردینے کو " تصدّق " سے تعبیر کیا ہے علامہ آلوسی نے روح المعانی میں اس نکتہ کی وضاحت کی ہے یہاں پر تصدّق کا لفظ " عفی " کی جگہ پر لوگوں کو معاف کرنے کی ترغیب دینے کی غرض سے استعمال کیا گیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔

"التعبیر فی ذالک بالتصدّق للمبالغة فی الترغیب"

(روح المعانی ج ٦ ص ١٤٩ مطبوعه مکتبه امدادیه ملتان)

اس آیت میں تصدّق سے تعبیر کرنا لوگوں کو معاف کرنے کی ترغیب میں مبالغہ کے لیے ہے۔

معلوم ہوا یہاں تصدّق انسانی اعضاء کے صدقہ کرنے کیلئے نہیں بلکہ جنایات میں معاف کردینے کیلئے استعمال کیا گیا ہے لہذا اس حدیث کو لیکر انسانی اعضاء کی وصیت، ہبہ، عطیہ وغیرہ پر استدلال قطعاً درست نہ ہوگا۔

دلیل سوئم:۔

انّ اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم واموالھم بانّ لھم الجنّة۔ (التوبہ ـ ١١١)

بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کے مال اور جان خرید لیئے ہیں اس بدلے پر کہ ان کیلئے جنت ہے۔

مجوزین حضرات اس آیت سے یوں استدلال کرتے ہیں کہ انسان اپنی جان کا مالک ہے تب ہی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی جان کو جنت کے بدلے میں خریدا ہے اگر انسان اپنی جان کا مالک نہ ہوتا تو بیع وشرا کا معاملہ نہ ہوسکتا جب وہ اپنی جان کا مالک ہے تو وہ اپنی ملک میں تصرف کرسکتا ہے لہذا وہ اپنے اعضاء کے بارے میں وصیت کرسکتا ہے اپنے اعضاء کو ہبہ وعطیہ کے طور پر دے سکتا ہے۔

جواب:-

مجوزین حضرات کا اس آیت سے اپنے موقف پر استدلال چند وجوہ سے باطل ہے۔

''اوّلاً'' اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے تمام مفسرین متفقہ طور پر لکھتے ہیں کہ اس آیت میں اشتریٰ سے مراد اصطلاحی بیع وشراء نہیں کہ اس سے انسان کے جسم ومال کی ملکیت ثابت ہو بلکہ یہاں پر بطور مجاز شراء کہا گیا ہے۔ کیونکہ بیع وشراء میں ایک بائع ہوتا ہے اور دوسرا مشتری۔ فروخت کرنے والے کو بائع کہا جاتا ہے اور خریدنے والے کو مشتری کہا جاتا ہے۔ جس شے کو بیچا اور خریدا جائے اسے مبیع کہا جاتا ہے مشتری خریدنے سے قبل مبیع کا مالک نہیں ہوتا ہے وہ اس شے کا محتاج ہوتا ہے بذریعہ شراء فروخت شدہ چیز کا مالک بننا چاہتا ہے۔ جبکہ اللہ تبارک وتعالیٰ انسان کے جسم ومال کا ازل سے ہی مالک ہے وہ انسانی جسم اور مال کا قطعاً محتاج نہیں اور نہ ہی اس کو اسکی ضرورت ہے۔ وہ تو تمام چیزوں کا مالک حقیقی ہے۔ ماننا پڑے گا کہ یہاں اشتریٰ سے اصطلاحی بیع وشرا، مرادنہیں ورنہ یہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ پہلے انسان کی

جان کا مالک نہ تھا۔ پھر بذریعہ شراء وہ مالک بنا اس سے تو اللہ تعالیٰ کا محتاج ہونا لازم آتا ہے جو سراسر باطل و فاسد ہے۔

علامہ ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ "احکام القرآن" میں لکھتے ہیں۔

(انّ اللّٰه اشترىٰ من المؤمنين انفسهم واموالهم) اطلق الشرىٰ فيه على طريق المجاز لان المشترى فى الحقيقة هوالّذى يشترى مالا يملك واللّٰه تعالىٰ مالك انفسنا واموالنا ولكنه كقوله تعالىٰ (من ذاالذى يقرض اللّٰه قرضاً حسناً) فسماه شرىٰ كما سمّى الصدقة قرضاً لضمان الثواب فيها به فاجرى لفظه مجرى مالا يملكه المعامل فيه استدعاءً اليه وترغيباً فيه۔

(احكام القرآن الجصاص ج ٣ ص ١٩٤ سهيل اكيڈمى لاهور)۔

(ان اللّٰه اشترىٰ من المؤ منين انفسهم واموالهم) اس آیت کریمہ میں شرا کا اطلاق (بطور حقیقت نہیں بلکہ) بطریق مجاز ہے اس لیے کہ مشتری حقیقت میں وہ ہوتا ہے جو اس چیز کو خریدے جسکا وہ مالک نہیں اور اللہ تعالیٰ ہماری جانوں اور ہمارے اموال کا مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان عالیشان قرآن کریم کی دوسری آیت (من ذالّذى يقرض اللّٰه قرضاً حسناً) کی طرح ہے جس طرح اس آیت میں صدقہ کا نام قرض رکھا ہے کہ اس کے بدلے میں ثواب ملتا ہے اسی طرح اس آیت کریمہ میں جانوں اور مالوں کو اللہ کی راہ میں لوٹانے کو شراء کہا گیا (کیونکہ اس کے بدلے میں جنت ملے گی) میں اس کے لفظ کو قائم مقام کر دیا اس کے کہ جس میں معاملہ کرنے والا مالک نہیں ہوتا۔ اسکی طرف دعوت اور اسمیں ترغیب دینے کیلئے۔

یعنی یہاں پر لفظ "اشترىٰ" سے حقیقی شراء مراد نہیں بلکہ مجاز کے طور پر ہے۔

کیونکہ ہماری جان اور ہمارے اموال کا مالک حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ "تفسیر کبیر" میں لکھتے ہیں۔

قال اهل المعانی، لایجوز ان یشتری الله شیاً فی الحقیقة لان المشتری انما یشتری مالا یملك ـ (الی ان قال) و حقیقة هذا ان المؤمن متی قاتل فی سبیل الله حتی یقتل فتذهب روحه و ینفق ماله فی سبیل الله اخذ من الله فی الآخرة الجنة جزاء لمافعل فجعل هذا استبدالا و شراء هذا معنی قوله (اشتریٰ من المئومنین انفسهم واموالهم بان لهم الجنة) ای بالجنة۔

(التفسیر الکبیر الجزء السادس عشر ص ۱۹۹ مطبوعه بیروت)

اہل معانی کہتے ہیں حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا کسی شے کو خریدنا جائز نہیں اس لیے کہ مشتری تو اس چیز کو خریدتا ہے جسکا وہ مالک نہیں ہوتا۔ (جبکہ اللہ تعالیٰ ہر شے کا مالک حقیقی ہے۔) حقیقت اسکی یہ ہے کہ مومن جب اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتا ہے یہاں تک کہ وہ شہید ہو جاتا ہے اسکی روح چلی جاتی ہے اور وہ اپنے مال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہے تو آخرت میں جو کچھ اس نے کیا ہے اسکی جزاء اللہ تعالیٰ سے جنت لے گا یہ ہے استبدال و شراء، یہ معنی ہے اللہ تعالیٰ کے قول (اشتریٰ من المئومنین انفسهم واموالهم بان لهم الجنة) کا کہ ان کی جانوں اور مالوں کے بدلے میں اللہ تعالیٰ جنت عطا فرمائے گا۔

"ثانیاً" اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ شراء سے مراد شراء حقیقی ہے تو پھر بھی مجوزین کی بات نہیں بنتی۔ اس لیے کہ اگر انسان اپنی جان کا مالک ہے اللہ تعالیٰ نے

اسکی جان کو جنت کے بدلے میں خرید لیا تو انسان کی ملکیت اس سے ختم ہوگئی. کیونکہ وہ اپنی جان کو تو اللہ تعالیٰ پر جنت کے عوض ر وخت کر چکا ہے انسان کے پاس جو جان ہے وہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔

تمام کتب فقہ میں صراحت کے ساتھ یہ مسئلہ موجود ہے کہ اگر کسی شخص کی مملوکہ چیز دوسرے کے پاس بطور امانت موجود ہو تو امین کو اس بات کا حق نہیں ہوتا کہ وہ مالک کی اجازت کے بغیر اس شے میں تصرف کرنے اسے فروخت کرے کسی کو بطور ہبہ وعطیہ دیدے یا اسکی وصیت کرنے تو جب انسانی جسم و جان اللہ تعالیٰ کی امانت ہے تو انسان اس میں بھی قطعاً اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر ایسا تصرف نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی اعضاء کی وصیت و ہبہ کی اجازت کسی مومن کو نہیں دی لہذا کسی مومن کیلئے بھی انسانی اعضاء کی وصیت اور ہبہ وعطیہ جائز نہیں ہے۔

یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ اس آیت کریمہ میں امـوالهـم کا عطف انفسهم پر ہو رہا ہے اور عطف میں معطوف اور معطوف علیہ ایک دوسرے سے مغایر ہوتے ہیں ۔ انکے درمیان میں جو واؤ عاطفہ ہے وہ یہ بتاتی ہے کہ میرا ما بعد میرے ما قبل کا غیر ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انفسهم اور شے ہے اور اموالهم اور شے ہے۔ اس سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں ایک تو یہ ہے کہ انسان مال نہیں بلکہ مال کا غیر ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ انسان کی طرف نفس اور مال کی نسبت ایک جیسی نہیں ہے اموال میں انسان کی ملکیت کو تسلیم کیا گیا ہے اسی وجہ سے انسان مال میں اپنی مرضی سے مالکانہ تصرف کرتا ہے انسان اسے فروخت کرسکتا ہے اسکا ہبہ کرسکتا ہے اسمیں وصیت و وراثت کے احکام جاری ہوتے ہیں بخلاف نفس کے کہ نفس انسانی کا

مسئلہ مال سے جدا ہے دلائل سے ثابت ہو چکا ہے کہ انسان اپنے جسم و جان کا مالک نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس میں مالکانہ تصرف نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے اعضاء کو نہ خود کھا سکتا ہے نہ دوسرے کو کھلا سکتا ہے اور نہ ہی وہ اپنے اعضاء کو ہبہ و عطیہ کر سکتا ہے۔ اور نہ ہی وہ اپنے جسم و اعضاء کو بیچ سکتا ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین الخ کے تحت ایک حدیث نقل کرتے ہیں۔

قال الصادق و المصدوق علیه الصلوٰۃ والسلام لیس لا بدانکم ثمن الا الجنة فلا تبیعوھا الّا بھا۔

(التفسیر الکبیر الجزء السادس عشر ص ۱۹۹ مطبوعہ بیروت)

صادق و مصدق نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ جنت کے علاوہ تمہارے ابدان کی کوئی قیمت نہیں ہے اسکو جنت کے سوا کسی چیز کے بدلے میں مت فروخت کرو۔

غرض یہ ہے کہ انسانی جسم و جان کا کوئی ثمن و قیمت دنیا میں نہیں ہے اسکی قیمت صرف اور صرف جنت ہے۔ بخلاف مال کے کہ اسکی قیمت اور ثمن ہوتا ہے۔

(۲) جب انسانی جسم و جان کی دنیا میں کوئی قیمت نہیں تو وہ قابل معاوضہ بھی نہیں ہے بخلاف مال کے وہ قابل معاوضہ ہے۔ لہذا انسانی جسم کو مال پر قیاس کرنا درست نہیں۔

(۳) جسم انسانی جب مال نہیں تو اسے فروخت کرنا بھی جائز نہیں۔ جبکہ مال کا فروخت کرنا جائز ہے۔

(۴) جسم انسانی قابل تملیک نہیں جو قابل تملیک نہ ہو اسکی وصیت جائز نہیں لہذا انسانی جسم و اعضاء کی وصیت جائز نہیں۔ بخلاف مال کے وہ قابل تملیک ہوتا ہے اسکی وصیت جائز ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

انہ تعالیٰ اضاف الا نفس والا موال الیھم فوجب ان کو ن الا نفس والا موال مضافة الیھم یوجب امرین مغایر ین لھم وا لا مرفی نفسه کذالك

(التفسیر الکبیر الجزء السادس عشر ص ۱۹۹ مطبو عه بیروت)

اللہ تعالیٰ نے انفس اور اموال کی نسبت مومنین کی طرف کی ہے تو انفس و اموال کا انکی طرف مضاف و منسوب ہونا ضروری ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دو مغایر چیزیں ہیں اور معاملہ فی نفسہ ایسے ہی ہے۔

لہذا انسانی جسم واعضاء کو مال پر قیاس کر کے اسمیں مالکانہ تصرف کرنا قیاس مع الفارق جو کہ باطل ہے۔

دلیل چہارم

انسانی اعضاء کی وصیت، ہبہ، اور پیوند کاری کے مجوزین ایک دلیل یہ بھی پیش کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی کا کوئی عضو کاٹ دے یا ضائع کر دے مثلاً دانت توڑ دے یا آنکھ نکال دے، ہاتھ کاٹ دے یا کوئی شخص کسی دوسرے انسان کو خطاءً قتل کر دے تو اس صورت میں دیت و تاوان لازم آتا ہے اور دیت کے متعلق قرآن و سنت میں واضح نصوص ہیں فقہاء کرام کی کتب میں دیت سے متعلق مکمل ابواب باندھے گئے ہیں۔ انسانی جسم واعضاء کے ضائع کرنے کے عوض دیت کا لزوم اس بات کی دلیل ہے کہ انسان اپنے جسم واعضاء کا مالک ہے جب انسان اپنے جسم و

اعضاء کا مالک ہے تو جسم واعضاء اس کے مملوک ہوئے تو ہر شخص اپنی ملکیت میں تصرف کرسکتا ہے لہذا انسان اپنے اعضاء کو کسی بھی دوسرے شخص کو ہبہ وعطیہ کے طور پر دے سکتا ہے اپنے اعضاء کے بارے میں وصیت کرسکتا ہے۔ انسان کو اپنے اعضاء میں تصرف یعنی ہبہ وعطیہ اور وصیت سے روکنا اسکو اسکی ملکیت میں تصرف سے روکنا ہے جوکہ سراسر ظلم وزیادتی ہے۔

جواب

ہم دلائل سے ثابت کرآئے ہیں کہ انسان اپنے جسم واعضاء کا مالک نہیں اور انسانی جسم واعضاء اسکے مملوک نہیں۔ باقی رہا دیت وتاوان کا مسئلہ تو اس کے متعلق گزارش یہ ہے کہ انسانی جسم واعضاء کے ضائع کردینے کی وجہ سے دیت وتاوان کا لزوم اس وجہ سے نہیں کہ انسان اپنے جسم واعضاء کا مالک ہے اور دیت وتاوان انسانی جسم اعضاء کی قیمت و ثمن ہے بلکہ دیت انسانی جسم واعضاء کو نقصان پہنچانے کا تاوان وضمان ہے۔

محقق علی الاطلاق علامہ کمال الدین ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ "فتح القدیر" میں لکھتے ہیں کہ دیت ضمان کا نام ہے انسان کی قیمت یا ثمن نہیں

فالاظهر فی الدية ماذكره صاحب الغاية آخراً فانه بعد ذكر مثل ماذكر فی المغرب وعامة الشروح قال والدية اسم لضمان يجب بمقابلة الآدمی اوطرف منه۔

(فتح القدیر ج ۹ ص ۲۰۵ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

صاحب عنایہ نے دیت کے بارے میں جو کچھ آخر میں ذکر کیا ہے اور اس

طرح جو کچھ مغرب اور عام شروح میں مذکور ہے اسکا ظاہر یہ ہے کہ دیت انسان یا اطراف انسان کے مقابلے میں ضمان ہے (انسان یا انسانی اعضاء کی قیمت نہیں)

قیمت اور دیت میں فرق

قیمت اور دیت کے درمیان کئی وجوہ سے فرق ہے۔

(۱) قیمت کا تعین انسان خود کرتا ہے شریعت کی جانب سے اسکا تعین نہیں ہوتا جبکہ دیت کا تعین شریعت کی جانب سے ہے۔

(۲) قیمت اموال کی نوعیت و کیفیت کے اعتبار سے متفاوت ہوتی ہے جبکہ دیت تمام آزاد لوگوں کی ایک ہی ہوتی ہے۔

(۳) قیمت کی ادائیگی مال حاصل کرنے والے پر لازم ہوتی ہے جبکہ دیت کبھی قاتل پر اور کبھی عاقلہ پر واجب ہوتی ہے۔

قیمت اور دیت میں بڑا فرق ہے۔ دیت کو انسان کی قیمت قرار دینا انتہائی ناانصافی ہے لہذا دیت کے مسئلے کو لیکر انسانی اعضاء کی وصیت اور ہبہ وعطیہ وغیرہ کو جائز قرار دینا قطعاً درست نہیں۔

(اس مسئلے پر ہم ''انسانی اعضاء کی دیت و تاوان کی وجہ'' کے عنوان کے تحت اور " گردوں کی پیوند کاری" کے تحت قدرے تفصیل سے بحث کر چکے ہیں)۔

دلیل پنجم

انسانی اعضاء کی وصیت ہبہ وعطیہ اور پیوند کاری کے مجوزین اپنے مؤقف پر " ھدایہ" کی مندرجہ ذیل عبارت بھی بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔

انّ الا طراف یسلک بھا مسلک الا موال فیجری فیھا البذل بخلاف الآ نفس۔

(ھدایہ ج ۳ ص ۲۰٤ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

اعضاء انسانی کو اموال کی جگہ رکھا جاتا ہے پس اس میں بذل ہوسکتا ہے، بخلاف نفس کے کہ اس میں بذل نہیں ہوسکتا ہے۔

مجوزین حضرات اس عبارت کو اپنے مؤقف پر یوں دلیل بناتے ہیں کہ اعضاء انسانی مال کے قائم مقام ہیں جس طرح مال میں بذل اور خرچ ہوسکتا ہے اسی طرح انسانی اعضاء میں بھی بذل اور خرچ ہوسکتا ہے۔ یعنی جس طرح انسان مال میں تصرف کرسکتا ہے اعضاء میں بھی تصرف کرسکتا ہے جب وہ اعضاء میں تصرف کرسکتا ہے تو پھر اعضاء کی وصیت، ہبہ وعطیہ اور پیوندکاری بھی کرسکتا ہے لہذا انسانی اعضاء کی وصیت ہبہ وعطیہ اور پیوندکاری جائز ہے۔

جواب

یہ عبارت آپکی دلیل نہیں بن سکتی اس لیئے کہ بذل کا معنی ہبہ وتملیک نہیں جو آپ نے سمجھ رکھا ہے بلکہ قسم سے اعراض کرنا اور جھگڑے کو ختم کرنا بذل ہے بذل کی تعریف یہ ہے

"ھو عبارۃ عن قطع المنازعۃ والا عراض عنھا لا الھبۃ والتملیک"

یعنی بذل قسم سے اعراض کرنا اور جھگڑے کو ختم کرنا ہے بذل کا معنیٰ ہبہ و تملیک نہیں۔

ہدایہ کی اس عبارت کا سیاق وسباق بھی اسی بات کا مقتضی ہے۔ پوری عبارت یہ ہے۔

ومن ادّعی قصا ماً علی غیره فجحده استحلف بالا جماع ۔
ثم ان نکل عن الیمین فیما دون النفس یلزمه القصاص۔ وان نکل فی النفس حبس حتی یحلف اویقرّ و هذا عند ابی حنیفة وقالا لزمه الارش فیهما لان النکول اقرار فیه شبهة عند هما فلا یثبت به القصاص و یجب به المال خصوصاً اذاکان امتنا ع القصاص لمعنی من جهة علیه کما اذا اقرّ بالخطاء و لولی یدعی العمد ۔ ولا بی حنیفة ان الا طرف یسلك بها مسلك البذل فیجری فیها الابذل بخلاف الانفس فانه لو قال ،ا قطع یدی فقطعه لا یجب الضمان وهذا اعمال البذل الا انه لا یباح لعدم الفائدة و هذا البذل مفید لاندفاع الخصومة به فصار کقطع الید للآکة وقلع السن للوجع۔

(هدایه ج ۳ ص ۲۰٤ مطبوعه مکتبه امداد یه ملتان)

اگر کسی شخص نے دوسرے پر قصاص کا دعویٰ کیا۔ مدعی علیہ نے اس کا انکار کیا ۔تو بالاتفاق مدعی علیہ سے قسم لی جائے گی ۔ پھر اگر مدعی علیہ نے دعویٰ نفس سے کم میں قسم سے انکار کیا تو اس پر قصاص لازم ہوگا ۔اگر قصاص نفس میں قسم سے انکار کیا تو اس کو قید کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہ قسم اٹھائے یا اقرار کرلے ۔ یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے۔اور صاحبین نے کہا ہے کہ نفس میں اور نفس سے کم میں ہر دو صورتوں میں اس پر دیت لازم ہے اس لیے کہ قسم سے انکار کرنا ایسا اقرار ہے جس میں شبہ ہوتا ہے تو اس سے قصاص ثابت نہ ہوگا ۔ بلکہ مال واجب ہوگا ۔خصوصاً جبکہ قصاص کا ممتنع ہونا ایسے معنیٰ سے ہو جو اس شخص کی طرف سے پایا جائے جس پر قصاص لازم ہے۔ جیسے قاتل نے قتل خطاء کا اقرار کیا اور ولی قتل عمد کا مدّعی ہے (تو دیت واجب ہے)

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے اطراف (اعضاء) میں مال کے معاملے کا برتاؤ ہوتا ہے پس اطراف (اعضاء) میں بذل جاری ہوگا۔ برخلاف نفس کے (اس میں بذل جاری نہیں ہوگا) چنانچہ اگر کسی نے دوسرے سے کہاں کہ میرا ہاتھ کاٹ دے تو اس نے کاٹ ڈالا تو ہاتھ کا ضمان واجب نہ ہوگا۔ اور یہ بذل کا اثر ہے۔ لیکن یہ حلال نہیں۔ اس لیے کہ اسکا کوئی فائدہ نہیں۔ یہاں پر قسم سے انکار کی وجہ سے جو بذل ہے وہ اس لیے مفید ہے کہ اس بذل سے باہمی خصومت جھگڑا ختم ہوتا ہے تو (یہ) ایسا ہوگیا جیسے زخم آکلہ کی وجہ سے جراح نے ہاتھ کاٹ دیا۔ اور دانت کو درد کی وجہ سے اکھاڑ دیا۔

ہدایہ کی مذکورہ عبارت کا ماحاصل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے دوسرے پر قصاص کا دعویٰ کیا بعد مدعی کے پاس کوئی شرعی گواہ نہیں اور مدعی علیہ قصاص سے انکار کرتا ہے تو مدعی علیہ سے قسم لی جائے گی اگر مدعی علیہ نے قسم اٹھائی تو قصاص ساقط ہو جائے گا۔

اور اگر مدعی علیہ نے قسم اٹھانے سے انکار کر دیا تو اسکی دو صورتیں ہیں۔

(۱) یا تو دعویٰ اعضاء کے قصاص میں ہوگا (۲) یا جان کے قصاص میں ہوگا۔

اگر دعویٰ اعضاء کے قصاص میں ہو تو قسم سے انکار کرنے کی وجہ سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قصاص لازم ہوگا۔

اگر دعویٰ جان کے قصاص کا ہو تو قسم سے انکار کرنے کی وجہ سے مدعی علیہ کو قید میں رکھا جائے گا۔ تاکہ اقرار کرے یا حلف اٹھائے اگر اقرار کرے گا تو قصاص لازم ہو جائے گا، اگر حلف اٹھائے گا تو قصاص ساقط ہو جائے گا۔

امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں دونوں صورتوں میں تاوان لازم ہوگا کیونکہ قسم سے انکار کرنا بمنزلۂ اقرار کے ہے البتہ اسمیں ایک طرح کا شبہ ہے

اور شبہات سے قصاص ساقط ہو جاتا ہے لہذا قصاص نہیں بلکہ دیت لازم ہوگی۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مدعی علیہ کا قسم سے انکار کرنا بذل ہے کیونکہ اس صورت میں خصومت کو دور کرنے کیلئے مدعی علیہ کے پاس دو ہی صورتیں ہیں یا تو حلف اٹھائے جس سے دعویٰ ختم ہو جائے۔ اگر حلف نہیں اٹھاتا تو مدعی کے دعویٰ کے مطابق قصاص عن الاعضاء پر راضی ہو جائے اور جس عضو کے متعلق دعویٰ ہے اسکو قصاصاً کٹوادے۔ یہ ہے مفہوم بذل کا نہ وہ کہ جو آپ سمجھے بیٹھے ہیں۔

یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ یہاں پر مدعی علیہ کی ذات سے ضرر کو دور کرنے لئے بذل اعضاء تو ہوا ہے لیکن کسی عضو کی تملیک، ہبہ وعطیہ یا وصیت نہیں ہوئی۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مؤقف پر صاحب ہدایہ نے دو نظیریں پیش کی ہیں۔

(۱) اعضاء کا بذل، قصاص کے دعویٰ میں ایسا ہے جیسے انسان کو اگر ہاتھ میں کوئی ایسی بیماری لگ جائے جس سے ہاتھ ماؤف ہو جائے اگر اس ماؤف ہاتھ کو نہ کاٹا جائے تو اسکی بیماری متعدی ہو کر دوسرے اعضاء کے تلف ہونے یا جان کے تلف ہونے کا سبب بن سکتی ہے تو ایسے موقع پر دوسرے اعضاء کو ضائع ہونے سے بچانے کی غرض سے ہاتھ کو کاٹ دیا جائے گا۔ اور یہ بذل ہے لدفع الضرر من نفسہ (اپنے آپ سے ضرر دور کرنے کیلئے)

(۲) اسی طرح کسی کے دانت میں بیماری کی وجہ سے اتنا شدید درد ہو کہ اگر اس دانت کو نہ نکالا جائے تو یہ مرض متعدی ہو کر دوسرے دانتوں کی بیماری کا سبب بن سکتا ہے تو ایسی صورت میں اس دانت کو نکال دیا جائے گا اور یہ بذل ہے لدفع الضرر عن نفسہ (اپنے آپ سے ضرر کو دور کرنے کیلئے۔)

غرض یہ ہے کہ یہ بذل تو ہے لیکن ہبہ، عطیہ اور وصیت نہیں لہذا اس عبارت

کولیکر اپنے مطلب کی توجیہ القول بما لا یرضیٰ قائلہ (یعنی قول کی ایسی وجہ بیان کرنا کہ جس پر قائل راضی نہ ہو) ہے جو کہ درست نہیں۔

دلیل ششم

انسانی اعضاء کی وصیت و پیوند کاری کے مجوزین اپنے مؤقف پر سب سے زیادہ جو دلیل پیش کرتے ہیں وہ فقہ کا مشہور ضابطہ "الضرورات تبیح المحظورات" ہے کہ ضرورتیں ممنوعات کو مباح کر دیتی ہے۔

قائلین جواز اس ضابطے سے یوں استدلال کرتے ہیں کہ مانا کہ انسان قابل تکریم ہے اسکے اعضاء واجزاء کا استعمال عام حالات میں ممنوع وحرام ہے لیکن جہاں ضرورت ہو وہاں انسانی اعضاء کا استعمال مباح ہے مثلاً کسی انسان کو گردے کی ضرورت ہے، کسی کو آنکھ کی ضرورت ہے وغیرہ وغیرہ تو ان صورتوں میں انسانی اعضاء کی وصیت و پیوند کاری کی اجازت ہے کیونکہ فقہی ضابطہ ہے الضرورات تبیح المحظورات۔ کہ ضرورتیں، ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں۔ لہذا انسانی اعضاء کی وصیت، ہبہ وعطیہ اور پیوند کاری جائز ہے۔

جواب

انسانی اعضاء کی وصیت، ہبہ وعطیہ اور پیوند کاری حالت اضطرار وضرورت میں بھی جائز نہیں۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

مضطر لم یجد میتة وخاف الهلاك فقال له رجل اقطع یدی

و كلها او قال اقطع منى قطعة فكلها لا يسعه ان يفعل ذالك و لا يصح امر ه
به كما لا يسع للمضطر ان يقطع قطعة من لحم نفسه فيا كل

(فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الهندیه ج ۳ ص ٤٠٤ مطبوعه پشاور)

مضطر اگر جان بچانے کیلئے مردہ جانور نہیں پاتا اور اسے ہلاکت کا خوف ہو اس کو کوئی آدمی کہے میرا ہاتھ یا جسم کا کوئی حصہ کاٹ کر کھالو تو مضطر (مجبور) کیلئے ایسا کرنا جائز نہیں اور نہ ہی دوسرے آدمی کو ایسا حکم دینے کی اجازت ہے جیسا کہ مضطر کیلئے اس حالت میں اپنے جسم کے گوشت کو کاٹ کر کھانے کی اجازت نہیں۔

معلوم ہوا کہ انسانی اعضاء کا حالت اضطرار اور ضرورت میں بھی استعمال کرنا جائز نہیں۔

فقہائے کرام نے کتب فقہ وفتاویٰ میں انسانی جسم واعضاء کی قطع وبرید اور انسانی اعضاء سے علاج کو نصوص وروایات کی بنا پر فقہی ضابطہ " الضرورات تبیح المحظورات " سے مستثنیٰ قرار دیا ہے انسانی جسم واعضاء کی حرمت اور دوسری حرام اشیاء کی حرمت میں بڑا فرق ہے کیونکہ انسانی جسم و اعضاء میں حرمت کے ساتھ احترام بھی ہے جبکہ دوسرے اشیاء محرمہ میں فقط حرمت ہے۔

لہذا " الضرورات تبیح المحظورات " کو لیکر انسانی اعضاء کی وصیت، ہبہ وعطیہ اور پیوند کاری کا جواز پیش کرنا ہرگز درست نہیں اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ انسانی جسم واعضاء اس ضابطہ سے مستثنیٰ نہیں تو پھر بھی قائلین جواز کی بات بنتی ہوئی نظر نہیں آتی۔ اس لیے کہ جو شخص مریض ہے اور ہے بھی حالت اضطرار میں، اسے کسی انسانی عضو کی ضرورت ہے اسے تو اضطرار لاحق ہے لیکن جو شخص اپنے عضو کی وصیت کررہا ہے یا عضو کٹوا کر ہبہ کررہا ہے اسے کونسا اضطرار لاحق ہے؟ کہ اگر وہ اپنا عضو کٹوا کر مریض کو نہ

دے تو ہلاک ہو جائے گا اس کیلئے کس بناء پر ممنوع اور حرام چیز مباح ہوگی؟

لہذا انسانی اعضاء کی وصیت و پیوند کاری کے جواز پر اس ضابطہ سے استدلال ہرگز درست نہیں ہے۔ ضرورت کی اقسام خمسہ کے ذیل میں ہم اس ضابطے پر سیر حاصل بحث کر چکے ہیں۔ (ان شئت فارجع الیه)

دلیل ہفتم

انسانی اعضاء کی وصیت و پیوند کاری کے مجوزین اپنے مؤقف پر فتاویٰ عالمگیری کی مندرجہ ذیل عبارت بھی پیش کرتے ہیں۔

"ولا باس بان یسعط الرجل بلبن المرأة ویشرب به للدواء"

(فتاویٰ عالمگیری ج ٤ ص ١١٢ مطبوعہ پشاور)

"اور اسمیں کوئی حرج نہیں کہ ازراہ علاج آدمی کی ناک میں عورت کا دودھ ڈالا جائے"

مجوزین حضرات اس عبارت سے یوں استدلال کرتے ہیں کہ دودھ انسان کا جزء ہے۔ اگر اسے بطور علاج استعمال کرنا جائز ہے تو دیگر اجزاء و اعضاء انسانی کا علاج کے طور پر استعمال کرنا کیونکر جائز نہیں؟

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ عورت کے دودھ اور دیگر اشیاء محرمہ کے ساتھ علاج پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وقیل یرخص اذا علم فیه الشفاء ولم یعلم دواء آخر کما رخص الخمر للعطشان وعلیه الفتویٰ

(ردالمحتار علی الدرالمختار ج ٤ ص ٣٩٠ مطبوعہ مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

دودھ اور دیگر اشیاء محرمہ میں جب شفاء متعین ہو اور دوسری دوا موجود نہ ہو تو

دودھ اور دیگر اشیاء محرمہ سے علاج کرنا جائز ہے جیسا کہ شدید پیاس کے وقت شراب کا پینا جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

علامہ شامی کی عبارت سے معلوم ہوا کہ دودھ اور دیگر اشیاء محرمہ کو بوقت ضرورت علاج کیلئے استعمال کرنا جائز ہے اور فتویٰ بھی اسی پر ہے۔

دودھ جزو انسانی ہے جب اس کو بطور علاج استعمال کرنا جائز ہے تو دیگر اجزاء و اعضاء کو بھی استعمال کرنا جائز ہے۔ یہی مسئلہ خون کا بھی ہے (اس پر تفصیلی بحث گذر چکی ہے)

جواب

انسانی اعضاء کو دودھ پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے جو کہ باطل ہے اس لیے دودھ میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے کہ اس سے بوقت ضرورت علاج جائز ہے یا نہیں۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بارے میں دو قول نقل کیے ہیں ایک قول ناجائز کا ہے ظاہر الروایۃ یہی ہے کیونکہ اجزاء انسان میں سے ہے۔ دوسرا قول جواز کا ہے کیونکہ شریعت نے شیر خوار بچے کو ضرورت کیلئے دودھ کی اجازت دی ہے۔ لہذا جب شفاء کا علم اور یقین ہو تو اس کو بطور علاج استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ لیکن انسانی اعضاء کی قطع و برید اور وصیت و ہبہ کے ناجائز ہونے پر فقہائے امت کا اتفاق ہے۔ جیسا کہ دلائل کے ساتھ ہم بیان کر چکے ہیں۔ یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ پر متفق علیہ مسئلہ ہو قیاس کرنا ہے جو کہ باطل ہے۔

انسانی اعضاء اور دودھ میں فروق

انسانی اعضاء اور دودھ میں بڑے فروق موجود ہیں۔

(۱) دودھ انسانی اجزاء میں سے ضرور ہے لیکن اعضاء میں سے نہیں۔ دیکھئے انسان کے اندر اختلاط اربعہ صفراء ، سوداء، خون، بلغم اور دودھ یہ چیزیں سیال ہوتی ہیں اور یہ انسان کے اجزاء میں سے ہیں۔ لیکن اعضاء میں سے نہیں اعضاء متحکم میں سے نہیں دیکھئے انسان جب مرجاتا ہے اس کے تمام اعضاء موجود رہتے ہیں بخلاف خون کے، کیونکہ خون جزو متحکم نہ ہونے کہ وجہ سے پانی بن جاتا ہے اس کا نام ونشان باقی نہیں رہتا اسی طرح دودھ بھی اجزاء میں سے ہوتے ہوئے اعضاء میں داخل نہیں بلکہ دودھ تو ایسے اجزاء میں سے ہے کہ اس کا بدن انسان اور حیوان کے جسم میں رہ جانا بدن کے لیے مضر ہے بعض دفعہ دودھ کو اس لیے نکالنا پڑتا ہے کہ صحت برقرار رہے ،انسان میں ہو یا جانوروں میں دودھ کو پیدا ہی اسی لیے کیا گیا کہ اس سے شیر خوار بچہ کی غذائیت میسر ہو تو اس طرح دودھ تو بچوں کیلئے مدت رضاعت میں مشروب اور غذا ثابت ہوا جبکہ دوسرے اعضاء کو نہ کسی انسان کی غذائیت کے لیے پیدا فرمایا اور نہ ہی خرچ کرنے کے لیے۔ لہذا جزوِ متحکم کو جزوِ غیر متحکم پر قیاس کرنا درست نہیں۔

(۲) دودھ جسم انسانی کے ایسے اجزاء میں سے ہے کہ وہ انسان کے جسم سے نکلنے اور الگ ہونے کے بعد بھی پاک ہے۔ کذافی فتح القدیر و بدائع الصنائع۔ جبکہ دوسرے اعضاء زندہ سے کاٹنے اور بدن سے الگ کرنے کے بعد ناپاک اور نجس ہو جاتے ہیں تو پاک کو ناپاک پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے جو کہ باطل ہے۔

(۳) دودھ میں حیات ہونے اور نہ ہونے میں اختلاف ہے احناف کے نزدیک دودھ میں حیات نہیں ہوتی حیات کے اثرات ہوتے ہیں اس لیے حلال جانوروں کے مرجانے کے بعد بھی تھن سے دودھ نکال کر پینا جائز ہے دوسرے آئمہ

کے نزدیک اس میں حیات ہوتی ہے اس لیے مرنے کے بعد مردہ کے اجزاء ہونے کے اعتبار سے اسکا پینا جائز نہیں ہوتا۔

(فتح القدیر ج ۱ ص ٦٧۔ بدائع ج ٥ ص ١٤٥)

(۴) انسان کا دودھ تو جب سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا بچہ کے لیے غذائیت کے طور پر مشروب اور حلال قرار دیا۔ جبکہ دوسرے اعضاء کا حکم ایسا نہیں۔ لہذا دودھ پر دوسرے اعضاء کو قیاس کرنا صحیح نہیں۔

یہی حال خون کا ہے انسانی اعضاء کو خون پر قیاس کر کے بطور علاج استعمال کرنا جائز نہیں۔ اس لیے کہ خون اور دیگر اعضاء انسانی میں فرق ہے۔ اس لیے کہ فقہاء کرام نے لکھا ہے حمل جب تک خون کا ٹکڑا ہے وہ انسان اور اعضاء کے حکم میں نہیں ایسی صورت میں اسقاط حمل ہو جائے تو شرعاً یہ حمل جو خون کے حکم میں ہے انسان نہیں جب انسان نہیں تو اس اسقاط کے بعد جو خون نکلے گا وہ نفاس کا خون نہیں اور حمل میں اعضاء انسانی پیدا ہونے کے بعد اسقاط ہو جائے تو اس کے بعد نکلا ہوا خون نفاس کے حکم میں ہے۔

(بحر الرائق ج ۱ ص ٢١٨۔ بدائع ج ۱ ص ٣٢۔ هدایه ج ۱ ص ٥٤)

معلوم ہوا کہ خون اور اعضاء میں بہت بڑا فرق ہے نیز حمل جب تک خون کی شکل میں ہو تو ضرورت شدیدہ کے وقت اسے گرایا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر اس کے اعضاء بن گئے تو اس کا گرانا جائز نہیں ہے جس سے معلوم ہوا کہ خون اور دوسرے اعضاء میں فرق ہے۔

(ماخوذ تبصرف:۔ انسانی اعضاء کا احترام اور طب جدید ص ۸۰ مطبوعہ اسلامی کتب خانہ کراچی)

ان فروق واضحہ کی وجہ سے انسانی اعضاء کو خون یا دودھ پر قیاس کرنا قیاس

مع الفارق ہے جو کہ باطل ہے۔ لہذا یہ کہنا کہ اگر دودھ اور خون کو جو کہ انسانی اجزاء ہیں بطور علاج استعمال کرنا بوقت ضرورت جائز ہے تو انسانی اعضاء کو بھی بوقت ضرورت بطور علاج استعمال کرنا جائز ہے جب انسانی اعضاء کو بطور علاج استعمال کرنا جائز ہے تو انسانی اعضاء کی وصیت و ہبہ بھی جائز ہے یہ باطل ہے۔

انسانی اعضاء کی وصیت اور پیوندکاری کے خطرناک نتائج اور مفاسد

اگر مذکور دلائل کو سامنے رکھتے ہوئے انسانی اعضاء کی وصیت، ہبہ وعطیہ اور پیوند کاری کو جائز قرار دے دیا جائے تو اس سے خطرناک نتائج اور مفاسد کا دروازہ کھل جائے گا۔

(۱) اگر انسانی اعضاء کی پیوندکاری کو جائز قرار دیدیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ انسان کی آنکھیں، گردے اور دیگر اعضاء ایک بکاؤ مال کی طرح بازاروں بکا کریں گے۔

(۲) اگر انسانی اعضاء بکاؤ مال بن گئے تو بہت سے غریب لوگ اپنی زندگیوں کو آسودہ کرنے کیلئے اپنے اعضاء کو داؤ پر لگا دیں گے۔ بلکہ بہت سے غریب لوگ آج اپنی غربت کو مٹانے کی خاطر گردے فروخت کر رہے ہیں جیسا کہ گذشتہ دنوں ٹیلی ویژن پر بھی ایسے لوگ دکھائے گئے جنہوں نے اپنے گردوں کو اپنی غربت کے خاتمے کیلئے فروخت کردیا۔

(۳) آج بہت سے لوگ اغواء صرف اس لیے کیے جاتے ہیں کہ ان کے اعضاء کو نکال کر فروخت کیا جائے۔ جیسا کہ چند ایام قبل ٹیلی ویژن پر ان بچوں کو دکھایا گیا جن کو اغواء کر کے ان کے گردے نکال لیے گئے۔ اگر انسانی اعضاء کی پیوندکاری کو

جائز قرار دید دیا جائے تو اس سے انسانیت سوز اور ظالمانہ عمل کے مرتکبین کی حوصلہ افزائی ہوگی اور دن بدن اغواء کے عمل میں اضافہ ہوگا۔

(۴) اگر یہ طریقہ علاج جائز قرار دیدیا جائے تو بہت سے مردے خصوصاً لاوارث لاشیں بہت سے اعضاء سے محروم ہوکر دنیا سے جایا کریں گے پھر تو انسانی لاش کی خیر نہیں۔ یہ غسل وکفن اور نماز جنازہ اور دفن کے سارے قصے ہی ختم ہوجائیں گے۔

(۵) معاملہ صرف یہاں تک ہی نہیں رکے گا پھر تو ہر ضرورت مند شخص اعضاء کو حاصل کرنے کیلئے اپنی مرضی سے جسے چاہے قتل کرڈالے گا۔ تو اس طرح قتل کا بازار گرم ہوجانا بھی ممکن ہے۔

(۶) اگر کوئی شخص طبعی موت بھی مرجائے تو مرتے ہی اسکی خیر نہیں۔ ضرورتمند مریض کثیر تعداد جمع ہوجائیں گے۔۔ جس کو آنکھ کی ضرورت ہو وہ آنکھیں لے جائے گا، جس کو دل کی ضرورت ہو تو وہ دل لے جائے گا، جس کو جگر کی ضرورت ہو وہ جگر لے جائے گا، جس کو گردوں کی ضرورت ہو تو وہ گردے لے جائے گا۔ جس کو پھیپھڑوں کی ضرورت ہو وہ پھیپھڑے لے جائے گا۔ صابن والوں کو چربی کی ضرورت ہو تو وہ چربی لے جائیں گے۔ ڈھول بجانے والے انتڑیاں نکال کرلے جائیں گے۔ تو پھر کیا بچے گا جس پر غسل، کفن، نماز جنازہ اور تدفین کے اسلامی احکام جاری ہونگے۔ اس سے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ موت ایک عظیم جرم ہے جسکی سزا مرنے والا بھگت رہا ہے۔

یہ انسان کی سراسر توہین وتذلیل ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو مکرّم ومحترم بنایا ہے مبتذّل نہیں بنایا۔ لہذا ہر ایسا عمل جس سے انسانیت کی توہین وتذلیل لازم آئے وہ حرام وممنوع ہے اسکو جائز قرار دینا انتہائی ظلم وزیادتی ہے۔

حیوانی اعضاء کے استعمال کی شرعی حیثیت

حیوانی اعضاء کے استعمال کی شرعی حیثیت

مختلف دواؤں کے اثرات وفوائد کا تجربہ کرنے کیلئے بسا اوقات جانوروں کو استعمال کرنا پڑتا ہے۔ پہلے ان کے جسم میں ایسے جراثیم داخل کئے جاتے ہیں جو مختلف بیماریوں کو پیدا کرتے ہیں پھر ان ممکنہ دواؤں کو ان جانوروں پر آزمایا جاتا ہے جو ان بیماریوں کے لئے مفید ثابت ہوسکتی ہوں یہ صورتیں جائز ہیں۔

اسلام نے جانوروں کو بغیر کسی وجہ کے اذیت دینے اور اسکا مشاہدہ کرنے کو اپنے لئے سامان تفریح بنانے کی اجازت نہیں دی لیکن دوسری طرف اسلام نے یہ تصور بھی پیش کیا ہے کہ کائنات کی تمام چیزیں انسان کیلئے خادم ہیں اور انسان ان تمام چیزوں کا مخدوم ہے۔

''الدنیا خلقت لکم وانتم للآخرۃ''۔

دنیا (کی تمام چیزیں) تمہارے لئے ہیں اور تم آخرت کیلئے۔

اسی لئے جانوروں کی سواری، انکے گوشت کو غذا، چمڑوں کو لباس اور کسی عضو انسانی کی صحت کیلئے اس کے جسم میں پیوندکاری کی اجازت دی گئی ہے۔ مذکورہ صورتوں میں چونکہ بے مقصد اذیت رسانی نہیں ہے بلکہ ان جانوروں سے خدمت لینا اور ان سے استفادہ کرنا انسان کی ایک ضرورت ہے۔ اسلئے انسانی ضرورت کی خاطر ان جانوروں سے خدمت لینا اور انکے اعضاء سے استفادہ کرنا جائز ہے اور انکی تخلیق کا اصل منشا ہے۔

علاج کیلئے جانوروں کی ہڈیاں استعمال کرنے کا حکم

حیوان جب شرعی طریقہ سے ذبح کیا ہوا ہو اسکی ہڈیاں پاک ہیں۔ وہ ہڈیاں تر ہوں یا خشک، ان ہڈیوں سے علاج وغیرہ کیلئے نفع حاصل کرنا جائز ہے۔

سوائے آدمی اور خنزیر کی ہڈی کے ان کی ہڈی سے علاج مکروہ تحریمی ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

وقال محمد ولابأس بالتداوی بالعظم اذا کان عظم شاةٍ او بقرة او بعیر او فرس او غیره من الدواب الا عظم الخنزیر والآدمی فانه یکره التداوی بهما (الی ان قال) اذا کان الحیوان ذکیًّا لانّ عظمه طاهر رطباً او یابساً یجوز الانتفاع بجمیع انواع انتفاعات رطباً کانا اویا بساً فیجوز التداوی به علیٰ کل حال۔

(فتاوی عالمگیری ج٥ ص ٢٥٤ مطبوعہ پشاور)

امام محمد رحمۃ اللہ فرماتے ہیں انسان اور خنزیر کے علاوہ بکری، گائے، اونٹ، گھوڑا اور دیگر جانوروں کی ہڈی سے علاج کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ بشرطیکہ وہ حیوان شرعی طریقہ سے ذبح کیا گیا ہو۔ اسلئے کہ مذبوحہ جانور کی ہڈی پاک ہے۔ خواہ تر ہو یا خشک، اس سے ہر قسم کا نفع حاصل کرنا جائز ہے۔ وہ خشک ہو یا تر ہر حال میں اس سے علاج جائز ہے۔ انسان اور خنزیر کی ہڈی سے علاج کرنا مکروہ (تحریمی) ہے۔

اگر حیوان مردار ہو (یعنی شرعی طریقہ سے اسے ذبح نہ کیا گیا ہو) تو اسکی تر ہڈی سے علاج وغیرہ جائز نہیں۔ البتہ خشک ہو جائے تو اس سے بھی علاج و دیگر انتفاع جائز ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

واما اذا کان الحیوان میتاً فانما یجوز الانتفاع بعظم اذا کان یابساً ولایجوز الانتفاع اذا کان رطباً۔

(فتاویٰ عالمگیری ج٥ ص ٢٥٤ مطبوعه پشاور)

اور جب حیوان مردار ہو تو اسکی ہڈی سے انتفاع اس وقت جائز ہے جب وہ خشک ہو، جب ہڈی تر ہو تو (اس سے) انتفاع جائز نہیں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ علاج کی خاطر جن جانوروں کی ہڈیاں استعمال کی جاتی ہیں وہ دو حال سے خالی نہیں۔ وہ مذبوحہ (حلال جانور ہوں یا حرام) ہیں یا غیر مذبوحہ اگر مذبوحہ ہیں یعنی شرعی طریقہ سے ذبح کیا گیا ہے تو انکی ہڈیوں وغیرہ سے علاج کرنا جائز ہے۔

اگر غیر مذبوحہ ہیں (یعنی انہیں شرعی طریقہ سے ذبح نہیں کیا گیا) تو پھر دو حال سے خالی نہیں انکی ہڈیاں خشک ہو چکی ہیں یا نہیں اگر خشک ہو چکی ہیں تو ان کا استعمال اور ان سے علاج جائز ہے اگر تر ہیں تو عام حالات میں ان کا استعمال اور ان سے علاج جائز نہیں البتہ اضطراری حالت میں تر ہڈیوں سے بھی علاج وغیرہ جائز ہے۔

نبی علیہ السلام کا جانوروں کی بوسیدہ ہڈیوں سے علاج فرمانا

نبی علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے خود جانوروں کی بوسیدہ اور خشک ہڈیوں کے ذریعے علاج فرمایا ہے

شرح سیر کبیر میں ہے۔

روی عن ابی امامة بن سهل بن حنیف ان النبّی ﷺ داویٰ وجهه بعظم بال وقد صح انه صلی الله علیه وسلم شجّ وجهه یوم احد حتّیٰ سال علی خدّه وقال کیف یفلح قوم خضبوا وجه نبیّهم بدمه وهو یدعوهم الی اللّه ؟فنزل قوله تعالیٰ (لیس لك من الامر شئ) [ال عمران-۱۲۸] ثم داویٰ رسول اللّه ﷺوجهه فروی انه احرق قطعة من

حصیر فداویٰ بہ وجھہ بعظم بال(الیٰ ان قال)وفیه دلیل جواز المداواة بعظم بال وھذا لان العظم لا یتنجّس بالموت علیٰ اصلنا لانه لا حیاةفیه الاّ ان یکون عظم الانسان اوعظم الخنزیر فانه یکره التّدوٰی به لان الخنزیر نجس العین فعظمه نجس کلحمه لایجوزالانتفاع به بحال والآدمی محترم بعد موته علی ما کان علیه فی حیاته فکما لا یجوز التدوی بشیءِ من الآدمی الحیّ اکراماً له فکذالك لا یجوزالتداوی بعظم المیّت قال رسول الله ﷺ کسرعظم المیّت ککسره عظم الخ

(شرح الکبیر ج ۱ ص ۹۲ مطبوعه بیروت)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ احد والے دن نبی ﷺ نے بوسیدہ ہڈی (کو جلا کر) اپنے چہرے کا علاج فرمایا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا چہرہ انور جنگ احد کے دن زخمی ہو گیا یہاں تک کہ خون آپ کے رخساروں پر بہہ گیا آپ نے فرمایا وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کے چہرے کو خون سے رنگین کر دیا حالانکہ وہ انہیں اللہ کی طرف بلاتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کا قول مبارک ہے لیس لك من الامر شیء۔ نازل ہوا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے چہرہ انور کا علاج فرمایا۔

روایت کیا گیا ہے آپ نے چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا اس سے آپ نے بوسیدہ ہڈی کے ساتھ علاج فرمایا۔ (یہاں تک کہا) اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ بوسیدہ ہڈی سے علاج کرنا جائز ہے۔ یہ اس لئے کہ ہمارے اصول کے مطابق ہڈی میں حیات نہیں ہوتی (اس لئے جانور کے مرنے کی وجہ سے ہڈی میں موت واقع نہیں

ہوتی) جب موت نہیں آئے کی تو ہڈی نجس نہ ہوگی ہاں اگر انسان یا خنزیر کی ہڈی ہوتو اس کے ذریعے علاج مکروہ (تحریمی) ہے اس لئے کہ خنزیر نجس العین ہے پس اسکی ہڈی بھی گوشت کی طرح نجس العین ہے (اضطراری حالت کے علاوہ) کسی حالت میں اس سے فائدہ حاصل کرنا جائز نہیں۔ رہا انسان تو وہ مرنے کے بعد بھی اسی طرح محترم ہے جیسا مرنے سے قبل محترم تھا پس جس طرح زندہ انسان کے احترام واکرام کی خاطر اس کے جسم کے کسی حصہ (کو الگ کر کے اس) سے علاج کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح مرنے کے بعد بھی اس کی ہڈی وغیرہ سے علاج کرنا جائز نہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مردہ انسان کی ہڈی کو توڑنے میں اسی طرح گناہ ہے جس طرح زندہ انسان کی ہڈی توڑنے میں گناہ ہے۔

شرح سیر کبیر کی عبارت سے معلوم ہوا کہ جانوروں کی خشک اور بوسیدہ ہڈیوں سے علاج کرنا جائز ہے۔ البتہ انسان اور خنزیر کی ہڈیوں سے علاج کرنا جائز نہیں۔ انسان کی ہڈیوں سے علاج کرنے کی ممانعت اسکے قابل تکریم ہونے کیوجہ سے ہے گویا انسان کی ہڈی سے علاج اس کی حرمت، عزت اور اکرام کے منافی ہے۔ خنزیر کی ہڈیوں سے علاج اسکے نجس العین ہونے کی وجہ سے ممانعت ہے جس طرح خنزیر کا گوشت نجس العین ہے اسی طرح اسکی ہڈیاں بھی نجس العین ہیں۔





کتّے کی ہڈی کے استعمال کا حکم

احناف کے نزدیک کتے کی ہڈی سے علاج کرنا جائز ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

"واما عظم الکلب فیجوز التداوی به ھکذا قال مشائخنا"۔

(فتاوی عالمگیری ج ٥ ص ٢٥٤ مطبوعه پشاور)

کتّے کی ہڈی سے علاج جائز ہے ہمارے مشائخ نے ایسے ہی کیا ہے۔

ہڈیوں کے پاک وناپاک ہونے کے بارے میں اعلیحضرت کی تحقیق

امام اہلسنت مجدد دین وملت مولانا امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ہڈیوں کے پاک وناپاک ہونے کے بارے میں لکھتے ہیں:

ہڈیاں ہر جانور یہاں تک کہ غیر ماکول ونامذبوح کی بھی مطلقاً پاک ہیں جب تک ان پر ناپاک دسومت (چربی) نہ ہو سوائے خنزیر کے کہ نجس العین ہے اور اسکا ہر جزو بدن ایسا ناپاک کہ اصلاً صلاحیت طہارت نہیں رکھتا۔ اور دسومت (چربی) میں ناپاکی اس غرض سے کہ مثلاً جو جانور خونِ سائل نہیں رکھتے انکی ہڈیاں بہر حال پاک ہیں اگر چہ دسومت (چربی) آمیز ہوں کہ انکی دسومت بوجہ عدم اختلاطِ دم خود پاک ہے تو اسکی آمیزش سے استخواں (ہڈیاں) کیونکر ناپاک ہو سکتے ہیں۔

فی تنویر الابصار والدّر المختار وردالمحتار شعر المیتة غیر الخنزیر وعظمها وعصبها وحافرها وقرنها الخالیة عن الدسومة (قید للجمیع کما فی القهستانی فخرج الشعر المنتوف ومابعده اذا کان فیه

دسومة) ودم سمك طاهر انتهت ملخصة۔

ترجمہ: تنویر الابصار، درمختار اور ردالمحتار میں ہے خنزیر کے علاوہ ہر مردار کے بال ہڈی، پٹھے، کھر اور سینگ جو چربی سے خالی ہوں (یہ قید سب کے ساتھ ہے جیسا کہ قہستانی میں ہے پس اکھاڑے ہوئے بال اور جو کچھ اسکے بعد ہے اگرچہ اس میں چربی ہو وہ اس حکم سے خارج ہیں) اور مچھلی کا خون پاک ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۴۷۵ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

امام اہلسنت مولانا الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ مردار کی ہڈیاں، بال، پٹھے، کھر اور سینگ جب چربی سے خالی ہوں تو وہ پاک اور پاک چیز کا استعمال میں لانا اس کے ساتھ علاج وغیرہ کرنا جائز ہوتا ہے۔

جانوروں کی کھال استعمال کرنے کا حکم

انسان اور خنزیر کی کھال کے علاوہ ہر حیوان کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے۔ اور پاک چیز کا استعمال کرنا اس سے نفع حاصل کرنا جائز ہے۔

ہدایہ میں ہے

وكلّ اهاب دبغ فقد طهر وجازت الصلوٰة فيه والوضوء منه الّا جلد الخنزير والآدمى لقوله عليه السّلام ايما اهاب دبغ فقد طهر۔

(هدايه ج ١ ص ٢٤ مطبوعه مكتبه امداديه ملتان)

اور ہر وہ کھال جسکو دباغت دی گئی وہ پاک ہوگئی اس کھال میں نماز جائز ہے اور اس سے وضو جائز ہے۔ سوائے خنزیر اور آدمی کی کھال کے۔ اسلئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا جس کھال کو دباغت دی گئی وہ پاک ہوگئی۔

یعنی جس کھال کو دباغت دی جائے اس کھال کا لباس پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے۔

جازت الصلوٰۃ فیہ۔ کے الفاظ لباس کی طرف رہنمائی کرر ہے ہیں۔لباس کی طہارت منصوص علیہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وثیابك فطهّر ''اور اپنے لباس کو پاک کیجئے''۔

مکانِ صلوٰۃ یعنی جائے نماز کی طہارت دلالت النص سے ثابت ہے جب اس کھال کا لباس پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے تو اس پر نماز پڑھنا اور اس کو آلۂ وضو یعنی مشکیزہ وغیرہ بنا کر اسے وضو کیلئے استعمال کرنا بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔

مردار بکری کی کھال سے انتفاع کا حکم

اگر کوئی جانور مردار ہو جائے یعنی شرعی طریقہ سے اسے ذبح نہ کیا گیا ہو دباغت کے بعد اسکی کھال سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود اسکی ترغیب دی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے

تصدّق علی مولاة لميمونة بشاة فماتت فمرّ بها رسول الله ﷺ فقال هلّا اخذتم اهابها فد بغتموه فانتفعتم به فقالو انها ميتة فقال انما حرّم اكلها۔

(صحیح مسلم ج۱ ص ۱۵۸ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی کو صدقہ میں بکری ملی وہ مر

گئی۔ رسول اللہ ﷺ اس کے پاس سے گذرے تو آپ نے فرمایا۔ تم لوگوں نے اسکی کھال کیوں نہ اتاری؟ دباغت (رنگنے) کے بعد اس سے فائدہ حاصل کر لیتے۔ ان لوگوں نے عرض کیا حضور یہ تو مردار ہے آپ نے فرمایا مردار جانور کا صرف کھانا حرام ہے۔

یعنی اسکے گوشت اور کھال کا کھانا حرام ہے رہا مسئلہ کھال سے نفع حاصل کرنے کا تو وہ جائز ہے۔ یہ حکم تمام مردار جانوروں کی کھال کا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں۔

"سمعت رسول اللہ ﷺ یقول اذا دبغ الاھاب فقد طھر"

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۵۹ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا۔ جب کھال کو رنگ لیا جائے تو وہ پاک ہو جاتی ہے۔

مردار کی کھال کو ہر اس چیز سے رنگنا جائز ہے جو کھال کے فضلات کو پاک و صاف کر دے۔ اور اس سے کھال کا فساد (سڑنا اور بدبودار ہونا) ختم ہو جائے۔ مثلاً مٹی، چھلکوں اور درخت کے پتوں سے کھال کو دباغت دی جا سکتی ہے۔ اسی طرح دھوپ میں ڈال کر کھال کو خشک کیا جا سکتا ہے۔ جب کھال پاک ہو جائے تو اس سے نفع حاصل کرنا جائز ہے۔ اس کا لباس بھی بنایا جا سکتا ہے اسے جائے نماز کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اور دیگر انسانی ضرورتوں کیلئے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔

الدرایہ فی تخریج احادیث الھدایہ میں ہے

عن سودة قالت ماتت لنا شاة فد بغنا مسکھا ثم مازلنا ننبذ فیه

حتیٰ صار شناً۔ اخرجہ البخاری

(الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ علی ہامش الہدایہ ج۱ ص ۲۸ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہماری ایک بکری مر گئی تو ہم نے اسکی کھال کی دباغت کی اس کے بعد ہم برابر اس میں نبیذ (کھجور کا شربت) بناتے رہے یہاں تک کہ وہ پرانہ مشکیزہ بن گئی۔ (البخاری)

کتے کی کھال کا حکم

احناف کے نزدیک کتے کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے کیونکہ کتا نجس العین نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسے شکار کیلئے اور نگہبانی کیلئے اپنے پاس رکھنا جائز ہے۔ اگر کتا نجس العین ہوتا تو اس سے نفع لینا شرعاً ممنوع ہوتا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کتے کی کھال خنزیر کی کھال کی طرح دباغت سے پاک نہیں ہوتی۔

ھدایہ میں ہے

وحجۃ علی الشافعی رحمہ اللّٰہ فی جلد الکلب ولیس الکلب نجس العین الاتری انہ ینتفع بہٖ حراسۃً واصطیاداً بخلاف الخنزیر لانہ نجس العین۔

(حدیثِ مذکور) امام شافعی کے خلاف حجت ہے کتے کی کھال کے حق میں۔ حالانکہ کتا نجس العین نہیں کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ کتے سے نفع لیا جاتا ہے۔ نگہبانی اور شکار پکڑنے کے طور پر۔ برخلاف خنزیر کے کیونکہ وہ نجس العین ہے۔

جب خنزیر کے علاوہ تمام جانوروں کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے تو اس سے

نفع حاصل کرنا جائز ہے۔ اگر کہیں علاج کیلئے ان جانوروں کی کھال کی ضرورت پڑ جائے تو ان کا استعمال جائز ہوگا۔

علاج کیلئے باؤلے کتے کے جگر کا حکم

فقیہ اعظم نور اللہ بصیر پوری رحمۃ اللہ علیہ سے فتویٰ طلب کیا گیا کہ زید نے باؤلے کتے کا جگر نکلوایا تا کہ باؤلے کتے کے کاٹے ہوئے کو علاجاً کھلا دے۔ پھر کھلایا نہیں اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید بایں وجہ از روئے شریعتِ محمدی گنہگار ہے یا نہیں؟ تو آپ جواباً لکھتے ہیں۔ زید نے اگر کسی نیک، دیندار طبیب یا ڈاکٹر کے کہنے سے بطور علاج وہ جگر کھلانا چاہا تھا جو مسلم معالج ہے اور یہ بتاتا ہے کہ اس کے ماسوا اور علاج نہیں اور موت کا صحیح اور واقعی خطرہ ہے تو اسکی اجازت ہوسکتی ہے۔ مگر جہاں تک واقعات کا تعلق ہے ایسا عادۃً ناممکن ہے تو اس بنا پر اس نے غلط اور ناجائز و حرام کا ارادہ کیا مگر بچ گیا۔ اب دیکھا جائے کہ اگر اللہ تعالیٰ سے ڈر کر اس نے یہ ارادہ بدلا ہے تو اس کیلئے نیکی لکھی گئی۔ کما فی الحدیث المتفق علیہ

(فتاوی نوریہ ج۱ ص ۳۲۶ مطبوعہ بصیر پور او کاڑہ)

حضرت فقیہ اعظم کے فتویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر باؤلے کتے کے جگر سے علاج ممکن ہو اور ماہر ڈاکٹر اسکی تجویز پیش کرے اور اسکے علاوہ کسی اور حلال شے سے علاج ممکن نہ ہو تو باؤلے کتے کے جگر کو علاج کیلئے استعمال کرنا جائز ہے۔

بکری، بھیڑ اور دنبے کے دانت کی پیوند کاری

اگر کسی شخص کے دانت گر جائیں تو اسکی جگہ بکری، بھیڑ، دنبہ اور دیگر جانوروں کے دانتوں کی پیوند کاری جائز ہے۔

ملک العلماء علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

ولو سقط سنه يكره ان يأخذ من ميّت فيشدّها مكان الاوّل بالاجماع وكذا يكره ان يعيد تلك السن الساقطة مكانها عند ابى حنيفة ومحمد ولكن يأخذ من شاة ذكية فيشدّ مكانها۔

(بدائع الصنائع ج٥ ص ١٣٢ مطبوعه ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

اگر کسی شخص کا دانت گر جائے تو اسکی جگہ مردہ کا دانت لگانا بالاجماع مکروہ ہے۔اسی طرح امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک اسی دانت کو دوبارہ لگانا بھی مکروہ ہے۔لیکن کسی ذبح کی ہوئی بکری کا دانت لیکر اسکی جگہ پیوند کرنا جائز ہے۔

رد المحتار علی الدّر المختار میں ہے:

قال الكرخى اذا سقطت ثنية جل يأخذ من شاة ذكيّة يشد د مكانها۔

(رد المحتار على الدّر المختار ج ٩ ص ٥٩٧ مطبوعه مكتبه حنفيه كوئٹه)

امام کرخی فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کے سامنے کے دانت گر جائیں تو وہ ذبح کی ہوئی بکری کے دانت اسکی جگہ لگالے۔

شیخ طاہر بن عبد الرشید بخاری لکتے ہیں۔

واذا سقط السن لا يعيدها الىٰ مكانها و يشدها ولكن يا خذ من شاة ذكية ويضعها مكانها وقال ابو يأخذ من نفسه ولا يأ خذ من غيره ويجوز الصلوٰة مع سنه ولا يجوز مع سن غيره وبينهما فرق لم يحضرنى۔ قال محمد يجوز الصلوة مع سن غيره اذا كانت مشدودة با لذهب والفضة۔

(خلاصة الفتاوىٰ ج٤ ص ٣٧١ مطبوعه مكتبه حبيبيه كوئٹه)

اور جب کسی شخص کا دانت گر جائے تو اسے دوبارہ اپنی جگہ پر پیوند نہ کرے البتہ مذبوحہ بکری کا دانت اس کی جگہ پر پیوند کرے۔ حضرت ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اپنے دانت کو دوبارہ پیوند کرے دوسرے کے دانت کو پیوند نہ کرے۔ اپنے دانت کے ساتھ نماز جائز ہے غیر کے دانت کے ساتھ نماز جائز نہیں۔ ان دونوں کے درمیان فرق ہے جو مستحضر نہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں غیر کے دانت (کو پیوند کرنے سے) نماز جائز ہے جب کہ وہ سونے اور چاندی (کے تاروں سے) باندھا ہوا ہو۔

ان عبارات میں شاۃ ذکیہ (مذبوحہ بکری) کی قید اتفاقی ہے بکری کے دانت کی تصریح کی وجہ یہ ہے کہ بکری کے دانت وضع اور حجم کے اعتبار سے انسانی دانت سے زیادہ مشابہت ومماثلت رکھتے ہیں۔ یہ بات چونکہ بھیڑ اور دنبہ کے دانت سے بھی حاصل ہو سکتی ہے ان کا بھی وہی حکم ہے جو بکری کے دانتوں کا حکم ہے۔ اسلئے یہ قید احترازی نہ ہوگی بلکہ اتفاقی ہوگی۔ اب رہا یہ مسئلہ کہ ذکیہ کی قید کیوں جبکہ میتہ (سوائے خنزیر کے) کی ہڈیوں کے دانت سب پاک ہیں۔ جیسا کہ فقہاء نے تصریح کی ہے اور جب دانت پاک ہیں تو استعمال بھی درست ہونا چاہیے۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ ذکیہ (مذبوحہ) کی قید کی یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ اگر غیر ذکیہ (غیر مذبوحہ) زندہ سے یہ دانت اسکی جڑ سے اکھاڑا جائے تو اس سے زندہ جانور کو تکلیف ہوگی اور یہ حقوق بہائم کے خلاف ہے۔ اور اگر جڑ سے نہ اکھیڑا جائے اوپر سے توڑ دیا جائے تو انسانی دانت کی وضع اور حجم کے خلاف ہونے کی وجہ سے فٹ نہ ہوگا۔ اور اگر غیر ذکیہ (غیر مذبوحہ) سے اس کے مرنے کے بعد لیا جائے تو دانت کی جڑ میں کچھ اجزاء لحمیہ وشحمیہ اس طرح

قائم رہیں گے کہ ان کو الگ کر دیا جائے تو انسانی دانت پر فٹ نہ ہونگے ۔ اور اگر ان اجزاء کو دانت سے الگ نہ کیا جا تو وہ ناپاک اور مردار اجزاء ہونگے جن کا استعمال ناجائز رہے گا ۔ تاہم کوئی ایسی صورت ہو سکے کہ جس کی وجہ سے ناپاک اجزاء کو دانتوں سے الگ کیا جا سکے تو ان کا استعمال جائز ہو گا ۔

بکری، بھیڑ، دنبہ کے علاوہ بھی دیگر جانوروں کی ہڈیوں کے دانتوں کا استعمال کرنا جائز ہے ۔ جیسا کہ فقہائے کرام نے تصریح کردی ہے کہ خنزیر کے علاوہ تمام جانوروں کی ہڈیاں پاک ہیں خواہ وہ ماکول و مذبوح ہوں یا غیر ماکول و مذبوح جب تک ان پر ناپاک دسومت نہ ہو ۔

خنزیر کے اعضاء کو بحالتِ اضطرار انسان کے جسم میں پیوند کرنے کا حکم

خنزیر کے کسی عضو کو بحالتِ اضطرار انسان کے جسم میں پیوند کر کے لگایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ یہ تو منصوص علیہ ہے کہ بوقت اضطرار خنزیر کا گوشت کھانا جائز ہے مگر آج کل ڈاکٹر لوگ اعضاءِ خنزیر کو بدنِ انسانی میں استعمال کرتے ہیں مثلاً دل، گردہ، جگر وغیرہ تو اگر یقین ہے کہ فلاں عضو کی پیوند کاری سے جان بچ جائے گی ورنہ تو موت ہے ایسے موقع پر اعضاءِ خنزیر استعمال میں لائے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ ۔

مفتی نظام الدین اعظمی اسکا جواب لکھتے ہیں

اس معاملے کو اضطرار کہنا یا اضطراری حالت کا معاملہ کہنا مغالطہ ہے ۔ خاص کر خنزیر و شراب کے معاملہ جبکہ یہ لوگ خنزیر و شراب کو بے محابا اور علانیہ جائز سمجھتے ہیں اور جائز سمجھ کر استعمال کرتے ہیں ۔ بلکہ اضطرار یہ ہو گا کہ مسلم دین دار ڈاکٹر یا طبیب

مکمل تشخیص کر کے یہ کہہ دے کہ اس مرض کا فقط یہی علاج ہے اسکے علاوہ کوئی دوسرا علاج وتدبیر نہیں ہے اور یہاں ایسا نہیں ہے اس لئے کہ مسلم دین دار حاذق ڈاکٹر یا طبیب کی اس متعین تشخیص کے بغیر یہ لوگ ایسا کرتے ہیں اسکو اضطرار کہنا غلط ہوگا۔

اور پھر انسانی اعضاء کو باعتبار خنزیر کے بندر وغیرہ جانوروں کے اعضاء سے زیادہ مشابہت ومناسبت مسلّم ہے۔ جس کے ذریعے سے بعد ذبح شرعی یہ علاج بدرجہ اولیٰ ہو سکتا ہے۔ نیز جمادات وحیوانات کے اجزاء سے پیوند کاری بخوبی ہو سکتی ہے۔ جو بلاشبہ جائز ودرست ہے بلکہ اب پلاسٹک وسیکلون کے ہر قسم کے اعضاء واجزاء اندرونی وبیرونی ایسے ایجاد ہو گئے ہیں جو ہر مزاج کے موافق اور دیرپا اور زیادہ مفید اور سھل الحصول بھی ہوتے ہیں اور شرعاً بھی جائز رہتے ہیں پھر وہ اضطرار کہاں رہا بلکہ اگر غور کیا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خنزیر کے اعضاء واجزاء کا بے محابا استعمال کرنا دہریّت اور لامذہبیت کے مزاج سے خوگر بنانے اور دہریت ولامذہبیت کی غرض سے بھی ہوتے ہیں۔ فافهم۔

اور بر تقدیر تسلیم اضطرار بھی خنزیر کے کسی عضو کی پیوند کاری کو ظاہر اعضاء جوارح میں جیسے ہاتھ، پیر، جلد وغیرہ اکلِ میته یا اکلِ لحمِ خنزیر بحالت اضطرار کھانے کے جواز پر قیاس کرنا جواز کی گنجائش نہ ہوگی یہ قیاس، قیاس مع الفارق ہوگا۔ اس لئے کہ اکل کی صورت میں وہ ماکول ھضم ہو کر ختم ومعدوم ہو جاتا ہے یا متبدّل بہ دم ولحم وشحم ہو جاتا ہے قائم وباقی نہیں رہتا۔ جبکہ عضو خنزیر ہونے کی صورت میں عضو مردار ہونے کے ساتھ نجس العین کا بقاو تلبیس بھی لازم رہے گا۔ جسکی وجہ سے انسان کا جسم ہمیشہ گندہ وپلید رہے گا کسی بھی وقت طہارت پذیر نہیں ہو سکے گا۔ اور نماز جیسی اہم

ومطلوب عبادت جو بین العبد والمعبو درابطۂ مطلوبہ کے قیام وبقاء کا اہم ذریعہ ہے فوت ہو جائے گا۔ اوراس سے محرومی لازم آئے گی پس ایسی حالت میں ایک مومن کا جذبہ ایمانی کبھی اسکو گوارا نہ کرے گا۔ بلکہ اسکا جذبۂ ایمانی آخرت کی زندگی کو ترجیح دیکر اس گندی زندگی کو کبھی گوارانہ کرے گا۔ بخلاف اکل کی صورت کے کہ کھالینے کے باوجود گندہ و پلید نہ ہوگا۔ اگر ہاتھ منہ گندہ بھی ہوگا تو دھوکر پاک وصاف ہوگا۔ اور کسی خاص اہمیت وضرورت کے پیش نظراس خاص جز کی گنجائش بھی نکل آئے تو بھی یہ حکم کلی وعمومی نہ ہوگا۔ اورعموم جواز کا مثمر نہ ہوگا۔ ہاں دواؤں یا کیپ سولوں میں مخلوط ہونے کی صورت میں مذکورہ بالا قیود کے ساتھ اضطراری حالت میں ان کا حکم مثل حلت اکل میتہ کے حکم کا ہوگا۔ اوروقتی طور پر بقدرِ ضرورت ومجبوری استعمال کی گنجائش ہو سکے گی مگر وہ بھی حکم کلی وعمومی جواز کے لئے نہ بن سکے گا اور صحیح نہ ہوگا۔

اسی طرح اگر جسم کے اندرونی اعضاء دل، گردہ، جگر، آنت وغیرہ کی ضرورت ہوکر واقعی وہ اضطرارِ شرعی مستحق ہو جائے اور جمادات ونباتات یا پلاسٹک سیکلون نہ بنے تو بھی خنزیر کے دل، گردہ وغیرہ کی پیوندکاری نہ کی جائے۔ حتی المقدور غیرخنزیر لے کر اسکو ذبح شرعی کے بعد اس کے ان اجزاء کی پیوندکاری کی جائے ورنہ ایسا مکروہ ہوگا اور خنزیر کے دل گردہ کی پیوندکاری میں فقہ کے اعتبار سے کراہتِ شدیدہ بحکم حرام ہوگی اوراس صورت کو بھی مذکورہ دواؤں، کیپسولوں اور اکل میتہ وغیرہ پر قیاس کرنا صحیح نہ ہوگا۔ کما هو واضح من التقرير السابق۔

(منتخبات نظام الفتاویٰ ج۱ ص ۳۵۱ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور)

نتائجِ بحث

(۱) انسان مخدوم کائنات ہے کائنات کی تمام چیزیں اسکی خادم ہیں۔ تمام جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے انسانی نفع کیلئے پیدا کیا ہے۔ لہذا انسانی ضرورت کی خاطر ان جانوروں سے خدمت لینا اور بغرض علاج انکے اعضاء کو استعمال کرنا جائز ہے۔

(۲) حیوان جب شرعی طریقہ سے ذبح کیا گیا ہو تو اسکی ہڈیاں، تر ہوں یا خشک پاک ہیں۔ سوائے خنزیر کے کہ وہ نجس العین ہے اس کے اعضاء سے علاج مکروہ (تحریمی) ہے۔

(۳) جب حیوان مردار ہو یعنی اسے شرعی طریقے سے ذبح نہ کیا گیا ہو تو انکی خشک ہڈیوں سے علاج جائز ہے۔ تر ہڈیوں سے عام حالت میں جائز نہیں البتہ اضطراری حالت میں جائز ہے۔

(۴) جن جانوروں کی ہڈیوں سے علاج جائز ہے ان جانوروں کی ہڈیوں کے دانت استعمال کرنا بھی جائز ہے۔

(۵) کتے کی ہڈی سے علاج کرنا جائز ہے کیونکہ وہ نجس العین نہیں ہے۔

(۶) خنزیر کی کھال کے علاوہ تمام جانوروں کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے انکا استعمال جائز و حلال ہے۔ خنزیر نجس العین ہے اسکی کھال دباغت سے بھی پاک نہیں ہوتی۔

(۷) کتے کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے کیونکہ وہ نجس العین نہیں ہے۔

(۸) بکری، بھیڑ، دنبہ وغیرہ کے دانتوں کی پیوند کاری جائز ہے۔

(۹) حالتِ اضطرار میں خنزیر کا گوشت تو کھانا جائز ہے لیکن اسکے اعضاء کی پیوند کاری جائز نہیں۔ کیونکہ اسکے اعضاء کی پیوند کاری کی اضطراری حالت معدوم ہے۔ گویا یہ صورت اضطراری ہے ہی نہیں محض مغالطہ ہے۔

(۱۰) حلال جانوروں کے جملہ اعضاء جبکہ وہ مذبوحہ ہوں پاک ہیں ہر حالت میں انہیں پیوند کرنا جائز ہے اگر مردار ہو تو ناپاک اجزاء کا استعمال کرنا عام حالات میں ناجائز ہے۔ البتہ اضطرار شرعی کے موقع پر جائز ہے۔

(تلك عشرة كاملة)



مصنوعی اعضاء کی پیوند کاری
کی
شرعی حیثیت

مصنوعی اعضاء کی پیوندکاری کی شرعی حیثیت

جس شخص کے جسم کا کوئی حصہ یا عضو ضائع ہو جائے اسکے لئے مصنوعی اعضاء مثلاً پاؤں، ٹانگ، ہاتھ، بازو، ناک، کان، دل وغیرہ کا پیوند کرانا جائز ہے۔ بشرطیکہ مصنوعی اعضاء ناپاک اور نجس اشیاء کی آمیزش وملاوٹ سے پاک ہوں۔ اگر مصنوعی اعضاء میں خنزیر یا حرام جانوروں کے اجزاء مثلاً خون، چربی، چکنائی والی ہڈی وغیرہ کی آمیزش ہو یا حلال جانوروں میں سے مردہ جانوروں کے ناپاک اجزاء مثلاً خون، چربی اور چکنائی والی ہڈی کی آمیزش ہو ایسے اعضاء کا استعمال کرنا جائز نہیں۔

حیوانی ومصنوعی اعضاء کی پیوندکاری کا سلسلہ قدیم دور سے چلا آرہا ہے صدیوں پہلے کے ایسے شواہد ملتے ہیں کہ حیوانی ومصنوعی اعضاء کی پیوندکاری کا کام ہوتا تھا۔ آج پلاسٹک وسیکلون وغیرہ کے اندرونی وبیرونی تمام اعضاء ایجاد ہو چکے ہیں۔

سونے، چاندی کی ناک کی پیوندکاری

جنگ کُلاب دور جاہلیت میں کوفہ اور بصرہ والوں کے درمیان ہوئی اس جنگ میں حضرت عرفجہ بن اسعد کی ناک کٹ گئی تو انہوں نے چاندی کی ناک بنوا کر پیوند کروائی تو کچھ عرصے کے بعد وہ چاندی کی ناک بدبودار ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں سونے کی ناک بنا کر پیوند کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے سونے کی ناک بنوا کر پیوند کروائی۔

سنن ابی داوٗد میں ہے

عن عبدالرحمٰن عن طرفة ان جده عرفجة بن اسعد قطع انفهٗ یوم

الکلاب فاتخذ انفا من ورق فانتن علیه فامره النبی ﷺ فاتخذ انفاً من ذھب۔

(سنن ابی داؤد ج۲ ص ۲۳۰ مطبوعه مکتبه امدادیه ملتان)

حضرت عبدالرحمٰن حضرت طرفہ سے روایت کرتے ہیں کہ انکے دادا حضرت عرفجہ بن اسعد کی ناک جنگ کلاب کٹ گئی تو انہوں نے چاندی کی ناک بنوا کر پیوند کروائی تو وہ (کچھ عرصے کے بعد) بدبودار ہوگئی۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں سونے کی ناک بنا کر پیوند کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے سونے کی ناک بنا کر پیوند کروائی۔

حضرت ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"وبہ اباح العلماء اتخاذ الانف ذھباً و کذا ربط السنان بالذھب"۔

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح)

اسی حدیث کی بنیاد پر علماء نے سونے کی ناک بنوانے کو جائز قرار دیا ہے اسی طرح دانتوں کو سونے کی تاروں کے ساتھ باندھنے کو جائز قرار دیا ہے۔

اس روایت سے ایک تو مصنوعی اعضاء کی پیوندکاری کا ثبوت ملتا ہے اور دوسرا مصنوعی اعضاء کی پیوندکاری کے تاریخی دور کا علم ہوتا ہے کہ مصنوعی اعضاء کی بناوٹ و پیوندکاری کا رواج رسول اللہ ﷺ کے دور سے بھی پہلے کا ہے۔

سونے چاندی کے تاروں سے دانتوں کا باندھنا

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سونے کے تاروں سے دانتوں کو باندھنا جائز نہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سونے کے تاروں سے دانتوں کو باندھنا جائز ہے۔ امام ابویوسف سے دونوں قول مروی ہیں۔ چاندی کے تاروں سے دانتوں کو باندھنے کے جواز پر تمام آئمہ احناف متفق ہیں۔

ھدایہ میں ہے

ولا تشدّ الاسنان بالذھب وتشدّ بالفضة وھذا عند ابی حنیفة وقال محمد لابأس بالذھب ایضاً وعن ابی یوسف مثل قول کل منھما۔ لھما ان عرفجة بن اسعد اصیبب انفه یوم الکلاب فاتخذ انفاً من فضة فانتن امره النبی علیه السّلام بان یتخذ انفا من ذھب ،ولابی حنفیة ان الاصل فیه التحریم والا باحة للضرورة وقد اند فعت بالفضة وھی الادنیٰ فبقی الذھب علی التحریم والضرورة فیما روی لم تندفع فی الانف دونه حیث انتن۔

(ھدایه ج٤ ص ٤٥٧ مطبوعه شرکت علمیه ملتان)

سونے کی تاروں سے دانت نہ باندھے جائیں۔ چاندی کی تاروں سے باندھے جائیں۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سونے کی تاروں سے دانت باندھنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ سے دونوں قول مروی ہیں۔

صاحبین (امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ) کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عرفجہ کی ناک جنگ کلاب میں کٹ گئی انہوں نے چاندی کی ناک بنوائی تو وہ بدبودار ہوگئی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں سونے کی ناک بنوانے کا حکم دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ سونے کی تاروں سے دانتوں کو باندھنے میں کوئی حرج نہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ سونے کے استعمال میں اصل تحریم ہے۔ اور اباحت ضرورت کے وقت ہے حضرت عرفجہ کی ناک کے مسئلہ میں ضرورت تھی وہ چاندی سے پوری نہیں ہوئی۔ تو نبی علیہ السلام نے انکے لئے ضرورت کے پیش

نظر سونے کی ناک کی پیوند کاری کو مباح قرار دیا۔ دانتوں میں یہ ضرورت چاندی سے پوری ہو جاتی ہے لہٰذا دانتوں کے مسئلے میں سونے کی حرمت اپنے اصل پر رہے گی۔

الدرالمختار مع ردالمحتار میں ہے:

(ولا يشد سنّه) المتحرك (بذهب بل بفضة) وجوّز هما محمد۔

(الدر المختار مع ردالمحتار ج۹ ص ۵۹۸ مطبوعہ مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

حرکت کرنے والے دانتوں کو سونے کے (تاروں سے) نہ باندھے بلکہ چاندی کے ساتھ باندھے امام محمد نے سونے اور چاندی دونوں کے ساتھ باندھنے کو جائز قرار دیا ہے۔

خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے

ويشدّ الاسنان بالفضة ولا يشدّ ها بالذهب وقال محمد لا بأس به و اختلف المشائخ رحمهم الله فى قول ابى يوسف منهم من جعله مع ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ منهم من جعله مع محمد رحمه الله تعالىٰ۔

(خلاصة الفتاوىٰ ج ٤ ص ٣٧١ مطبوعه مكتبه حبيبيه كوئٹه)

اور دانتوں کو چاندی (کے تاروں) سے باندھا جائے سونے کے تاروں سے نہ باندھا جائے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سونے کے تاروں میں باندھنے میں کوئی حرج نہیں۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے بعض نے امام ابوحنیفہ کے قول کے موافق قرار دیا ہے۔ بعض نے امام محمد کے قول کے موافق۔

سونے، چاندی کے دانت، کان وغیرہ کی پیوند کاری

سونے، چاندی کے دانتوں کے استعمال کے بارے میں فقہائے کرام کے

درمیان وہی اختلاف ہے جو دانتوں کو سونے چاندی کی تاروں سے باندھنے کے بارے میں ہے۔

ردالمحتار (فتاویٰ شامی) میں ہے

وعلیٰ هذا الاختلاف اذا جدع انفه او اذنه او سقط سنّه فاراد ان يتخذ سناً آخر فعند الامام يتخذ ذالك من الفضة فقط وعند محمد من الذهب ايضاً۔

(ردالمحتار على الدّر المختار ج ۹ ص ۵۹۸ مكتبه حنفيه كوئٹه)

اسی (مذکور) اختلاف پر ہے جب کسی شخص کی ناک کٹ جائے یا کان کٹ جائے یا دانت گر جائے وہ دوسرا دانت (وغیرہ) لگانے کا ارادہ رکھتا ہو تو امام صاحب کے نزدیک وہ فقط چاندی کا بنوائے اور امام محمد کے نزدیک سونے کے دانت بھی بنوا سکتا ہے۔

السید سابق ''فقہ السنۃ'' میں لکھتے ہیں

جواز اتخاذ السنّ و الانف من الذهب

يجوز للشخص ان يتخذ سنّاً من الذهب و انفاً منه اذا احتاج الىٰ شئى من ذالك روى الترمذى عن عرفجة بن بن اسعد قال اصيب انفى يوم الكلاب فاتخذت انفاً من ورق فانتن علىّ فامر نى النبى ﷺ ان اتخذ انفا من ذهب۔

قال الترمذى روى عن غير واحد من اهل العلم انهم شدّو اسنانهم بالذهب وروى النسائى ـ قال معاوية و حوله ناس من المهاجرين ا الانصار ـ أتعلمون ان النبىّ ﷺ نهى عن لبس الحرير؟ قالو اللّٰهم نعم قال و نهى عن لبس الذهب الامقطعاً ؟ قالو اللّٰهم نعم۔

(فقه السّنة ج ۳ ص ۳۶۷ مطبوعه دار الكتب قصه خوانى بازار پشاور)

سونے کا دانت اور ناک بنوانے کا جواز

انسان کیلئے سونے کا دانت اور ناک بنانا جائز ہے جب اسے اسکی حاجت ہو ۔امام ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عرفجہ بن اسعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے (وہ فرماتے ہیں) کلاب کے دن میری ناک کٹ گئی میں نے چاندی کے ناک بنوائی وہ بدبودار ہوگئی مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی ناک بنوانے کا حکم دیا۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ بہت سے اہل علم حضرات سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے دانتوں کو سونے کی تاروں سے باندھا۔

امام نسائی نے روایت کیا کہ حضرت امیر معاویہ کے اردگرد مہاجرین وا انصار (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) تھے انہوں نے کہا کیا تم جانتے ہو کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ریشم پہننے سے منع فرمایا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔حضرت امیر معاویہ نے کہا اور سونے کے پہننے سے منع فرمایا۔مگر چھوٹا ٹکڑا؟ انہوں نے کہا ہاں۔
السید سابق مقطعاً کا معنیٰ ای قطعة صغيرة کالسن کرتے ہیں یعنی دانت کی طرح چھوٹا ٹکڑا۔
شیخ عبدالرحمٰن مبارکپوری ''تحفۃ الاحوذی'' لکھتے ہیں

قال الذيلعي فى نصب الرايه و فى الباب احاديث مرفوعة و موقوفة روى الطبراني فى معجمه الوسط عن عبدالله بن عمر سقطت ثنيته فامره النبى صلى الله عليه وسلم ان يشدها بالذهب / حديث آخر فى معجم الصحابة عن عبدالله بن عبدالله بن ابى ابن سلول اندقت ثنيتى يوم احد فامر النبى صلى الله عليه وسلم ان اتخذ ثنية من ذهب وروى الطبراني فى معجمه عن محمد بن سعد ان عن ابيه قال رائيت انس بن مالك يطوف به بنوه حول الكعبة علىٰ

سواعدهم و قد شدوا اسنانه بذهب ،اثر آخر فی مسند احمد عن و اقد بن عبدالله التميمي عن من رای عثمان انه ضبب اسنانه بذهب ۔ وروی االنسائی فی کتاب الکنی عن ابراهیم بن عبدالرحمٰن قال رأیت موسی بن طلحة بن عبدالله قد شدّ اسنانه بذهب۔

(تحفة الاحوذی ج ٣ ص ٦٥ ـ ٦٦ مطبوعه نشرالسنة ملتان)

حافظ ذیلعی نصب الرایہ میں فرماتے ہیں کہ اس باب میں احادیث مرفوعہ و موقوفہ ہیں۔طبرانی نے معجم وسط میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا سامنے کا دانت گر گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سونے کے ساتھ باندھنے کا حکم دیا۔

معجم صحابہ میں ایک اور حدیث ہے کہ حضرت عبداللہ بن ابی کے بیٹے حضرت عبداللہ کا جنگ احد میں دانت گر گیا وہ کہتے ہیں مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں اسکی جگہ سونے کا دانت لگوالوں۔

معجم طبرانی میں سعدان سے روایت ہے کہ میں نے دیکھا حضرت انس بن مالک کے بیٹے انہیں اپنی کلائیوں پر اٹھا کر خانہ کعبہ کا طواف کرا رہے تھے اور ان کے دانت سونے کے ساتھ باندھے ہوئے تھے، مسند احمد بن حنبل میں ایک حدیث ہے کہ وہ حضرت عثمان نے اپنے دانتوں کو سونے کے ساتھ باندھا ہوا تھا۔امام نسائی نے کتاب الکنی میں ایک حدیث ذکر کی ہے ابراھیم بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں میں نے موسیٰ بن عبداللہ کو دیکھا انہوں نے اپنے دانتوں کو سونے سے باندھا ہوا تھا۔

علامہ ابن سعد نے طبقات میں عبدالمالک بن مروان کو سوانح میں ذکر کیا کہ ابن شھاب زہری سے پوچھا گیا۔آیا دانتوں کو سونے کے ساتھ باندھنا جائز ہے

انہوں نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی ''الفقہ الاسلامی وادلتہ'' میں لکھتے ہیں۔

صناعة الانف اذا قطع والاسنان اذا سقطت يجوز عملها من الذهب او الفضة وهذا رأى الجمهور ومنهم محمد وفى رواية عن ابى يوسف من الحنفية ۔ وقال ابو حنيفه لا تشدّ الاسنان بالذهب وتشد بالفضة۔

(الفقه الاسلامى وادلته ج٤ ص ٢٦٣٣ مكتبه رشيديه كوئٹه)

ناک جب کٹ جائے اور دانت گر جائے تو انہیں سونے یا چاندی کا بنانا جائز ہے۔ یہ جمہور کی رائے ہے ان ہی میں سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ایک روایت کے مطابق احناف میں سے امام یوسف بھی ہیں۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں دانتوں کو سونے کے ساتھ نہ باندھا جائے چاندی کے ساتھ باندھا جائے۔

کتبِ فقہ وفتاویٰ کی عبارات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بوقت ضرورت لوہے، پیتل، پلاسٹک وغیرہ کے بنے ہوئے مصنوعی اعضاء کا استعمال کرنا جائز ہے۔

دانتوں میں سیمنٹ یا چاندی سے بھروائی

بعض کھوکھلے اور جراثیم خوردہ دانتوں میں سیمنٹ اور چاندی وغیرہ بھروائی جاتی ہے۔ شرعاً اس میں کوئی مضائقہ نہیں فقہائے کرام نے سونے چاندی کے دانتوں کی پیوندکاری کی اجازت دی ہے۔ اسی طرح سونے چاندی کی تاروں سے دانتوں کو باندھنے کی اجازت دی ہے۔ جیسا کہ کتب فقہ وفتاویٰ کے حوالے سے گذر چکا ہے۔

شیخ طاہر بن عبد الرشید بخاری حنفی ''خلاصۃ الفتاویٰ'' میں لکھتے ہیں

"ویشدّ الاسنان بالفضة ولا یشدّها بالذهب وقال محمد لابأس به"

(خلاصة الفتاویٰ ج ٤ ص ٣٧ مطبوعه مکتبه حبیبیه کوئٹه)

دانتوں کو چاندی سے باندھا جائے سونے سے نہ باندھا جائے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سونے کے ساتھ باندھنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ یہ اس کے لئے واضح نظیر ہے۔

مصنوعی بالوں کی پیوند کاری

ہمارے زمانے میں خواتین وحضرات میں مصنوعی بالوں کا استعمال بہت بڑھ گیا ہے آج کل تو مصنوعی بالوں کو ایسے طریقے سے پیوند کر دیا جاتا ہے کہ اصلی ونقلی (مصنوعی) میں فرق وامتیاز باقی نہیں رہتا۔ یہ ناجائز وحرام ہے۔

چنانچہ صحیح بخاری میں حدیث ہے:

"انّ رسول اللہ ﷺ وسلم لعن الواصلة والمستوصلة"۔

(صحیح بخاری)

بیشک رسول اللہ ﷺ نے بال جوڑنے والی اور جڑوانے والی پر لعنت فرمائی ہے۔

یہ حدیث اپنے اطلاق کے اعتبار سے اصلی ونقلی (مصنوعی) دونوں طرح کے بال پیوند کرنے کے حکم کو شامل ہے۔

علامہ یوسف القرضاوی لکھتے ہیں

عورت کا دوسرے بالوں کو جوڑ کر زینت کرنا بھی حرام ہے خواہ بال اصلی ہوں یا نقلی (مصنوعی) جیسے آج کل "باروکہ" کہا جاتا ہے اس جیسے بال۔

(اسلام میں حلال وحرام ص ۱۱۳ مطبوعہ اسلامک پبلیکیشنز لاہور)

شیخ عبداللہ بن باز کا فتویٰ

مصنوعی بالوں کی پیوندکاری کے عدمِ جواز پر شیخ عبداللہ بن باز نے فتوی جاری کیا

النهى عن وصل الشعر

اذا تساقط شعر امرأة بفعل علا جها من بعض الامراض الخبيثة هل يجوز لها استخدام الشعر المستعار وهل ذالك من قاعدة۔ "الضرورات تبيح المحظورات" جزاكم الله خيراً؟

الجواب: لايجوز وصل الشعر ولا لبس الكبة من الشعر لان الرسول ﷺ نهى عن ذالك لما فى ذالك من التزوير والكذب۔ والله ولىّ التوفيق۔

ترجمہ: اگر بعض امراض خبیثہ کے علاج کروانے کی وجہ سے کسی خاتون کے بال جھڑ جائیں تو کیا اس کے لئے مصنوعی بالوں کا استعمال جائز ہے؟ اور کیا یہ اس قاعدہ ''ضرورتیں ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں'' کے تحت نہیں آتا؟ اللہ تعالیٰ آپکو جزائے خیر عطا فرمائے!۔

جواب: مصنوعی بالوں کا استعمال یا وگ (WIG) کا استعمال ناجائز ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ اس میں دھوکہ اور جھوٹ ہے۔

(چند فقہی معاملات کی شرعی حیثیت ص ۳۹ مطبوعہ اسکالرز اکیڈمی کراچی)

ڈاکٹر وہبہ زحیلی کی رائے

عصرِ حاضر کے عظیم محقق ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

واما الشعر الطاهر من غير الآدمى والشعر الصناعى فان لم يكن

لھا زوج ولا سید فھو حرام ایضاً وان کان لھا زوج فان فعلته باذنه جاز وان فعلته بغیر اذنه لم یجز وعلی هذا یکون ارتداء (الباروکة) جائز للرجل وللمرأة باذن زوجھا۔

ویجوز عند الشافعیة واللّیث والقاضی عیاض وصل الشعر بخیوط من الحریر الملونة، لأنه لا یأخذ حکم الوصل، انما هو لمجرد الزینة اوالتجمل والتحسین، وقال مالك والطبری و کثیرون، الوصل ممنوع بکل شئی سواء وصلته بشعر اوصوف او خرق، لحدیث جابر عند مسلم ۔ ((ان النبّی زجر ان تصل المرأة برأسھا شیئاً))۔

قال الکاسانی من الحنفیة :۔ ویکره ای کراهة تحریم للمرأة ان تصل شعر غیرها من بنی آدم بشعرها لقوله علیه الصلوٰة والسلام ((لعن اللّٰه الواصلة والمستوصلة))ولانّ الآدمی بجمیع اجزائه مکرم والانتفاع بالجزء المنفصل منه اهانة له ولهذا کره بیعه ولابأس بذالك من شعر البهیمة وصوفھا، لانه انتفاع بطریق التزیّن بما یحتمل ذالك ولهذا احتمل الاستعمال فی سائر وجوه الانتفاع، فکذا فی التزیّن۔

(الفقه الاسلامی وادلّته ج٤ ص ٢٦٨١ مکتبه رشیدیه کوئٹه)

انسان کے علاوہ کسی اور چیز کے پاک بال اور مصنوعی بال ۔(انکا مسئلہ یہ ہے) کہ اگر اس عورت کا شوہر اور آقا نہ ہو تو بھی بالوں کی پیوندکاری حرام ہے۔اور اگر اس عورت کا شوہر ہو وہ اپنے شوہر کی اجازت سے پاک بالوں اور مصنوعی بالوں کو پیوند کرے تو جائز ہے۔اور اگر بغیر شوہر کی اجازت کے کرے تو جائز نہیں۔اور صورة

مذکورہ پر ''باروکہ'' مصنوعی بال مرد کیلئے جائز ہیں اور عورت کیلئے مرد کی اجازت سے جائز ہیں۔

شافعیہ، فقیہ ابواللیث، اور قاضی عیاض کے نزدیک بالوں کے ساتھ رنگین ریشم کے دھاگوں کا باندھنا جائز ہے کیونکہ یہ پیوندکاری کے حکم میں نہیں۔ یہ تو محض زینت وحسن کیلئے ہے۔ امام مالک، طبری اور بہت سے فقہاء فرماتے ہیں بالوں کے ساتھ ہر قسم کا وصل (پیوندکاری وغیرہ) ممنوع ہے چاہے یہ وصل بالوں کے ساتھ ہو یا اون کے ساتھ ہو یا کپڑے کی دھجی کے ساتھ۔ ہو۔ (یعنی ان کے نزدیک بالوں کے ساتھ کسی چیز کا استعمال جائز نہیں) کیونکہ مسلم شریف میں حضرت جابر کی حدیث ہے۔ ''نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عورت کو اپنے سر کے بالوں کے ساتھ کسی بھی شے کی پیوندکاری سے جھڑک دیا''۔

احناف میں سے علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ عورت کیلئے اپنے بالوں سے دوسرے انسان کے بالوں کو پیوند کرنا جائز نہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے بال جوڑنے والی عورت اور بال جوڑوانے والی عورت پر لعنت فرمائی ہے۔ اور اس وجہ سے کہ انسان اپنے تمام اجزاء کے ساتھ مکرم ہے اسکے جزو منفصل (الگ شدہ عضو) سے انتفاع اسکی اہانت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسکی بیع مکروہ (تحریمی) ہے۔ جانوروں کے بال اور انکے اون سے بالوں کی پیوندکاری میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ یہ بطریق تزیین نفع اٹھانا ہے اس چیز کے ساتھ جو اس کا احتمال رکھتا ہے۔ اور اس وجہ سے کہ جانوروں کے بال اور اون تمام انتفاع کی وجوہ میں استعمال کا احتمال رکھتے ہیں اسی طرح تزین (زینت) کا احتمال رکھتے ہیں۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنوعی بال (باروکہ) مرد کیلئے جائز ہے اور عورت کیلئے مرد کی اجازت کے بغیر جائز نہیں، اجازت سے جائز ہے۔ جانوروں کے بال اور اون کی پیوند کاری میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ بطور زینت استعمال کیے جاتے ہیں۔ ان سے انتفاع بطریق تزیین ہے۔ اور اس میں کوئی حرج نہیں۔

بالوں کے ساتھ دھاگوں یا کپڑوں کا استعمال کیا جائے جیسے ربن، چوٹی وغیرہ تو اسکی اجازت چنانچہ سنن ابی داؤد میں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

"لا بأس بالتوامل"۔ توامل وغیرہ میں کوئی حرج نہیں۔

توامل سے مراد ریشم، اون وغیرہ کے دھاگے ہیں جن کو عورتیں بالوں میں جوڑ کر چوٹیاں بنالیتی ہیں۔

علامہ سید امین ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

وفی شعر غیرها انتفاع بجزء الآدمی ایضاً لکن فی التاتر خانیة، واذا وصلت المرأة شعر غیرها بشعرها فهو مکروه وانما الرخصه فی غیر شعر بنی آدم تتخده المرأة لتزید فی قرونها وهو مروی عن ابی یوسف وفی الخانیة، ولا بأس للمرأة ان تجعل فی قرونها وذوائبها من الوبر (الی ان قال) روی عن عائشة رضی الله عنها انها قالت لیست الواصلة بالّتی تعنون ولا بأس ان تعری المرأة عن الشعر، فتصل قرنا من قرونها بصوف اسود

(ردالمحتار علی الدر المختار ج۹ ص ٦١٥ مکتبه حنفیه کوئٹه)

اگر عورت، عورت کے علاوہ کسی اور کے بال ملائے تو وہ اس لئے حرام ہے کہ اس میں بھی آدمی کے جزء سے نفع حاصل کرنا ہے۔ لیکن تا تارخانیہ میں ہے کہ عورت کا غیر عورت کے بال ملانا مکروہ ہے اور غیر بنی آدم کے بال ملانا جائز ہے تا کہ اسکی مینڈھیاں بڑی ہو جائیں۔ امام ابو یوسف سے یہی مروی ہے۔ اور خانیہ میں ہے کہ اگر عورت اپنی زلفوں اور بالوں کے ساتھ اونٹوں کے بال ملائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے انہوں نے فرمایا۔ واصلہ (بال پیوند کرنے والی) وہ نہیں جو تم مراد لیتے ہو۔ عورت اگر اپنے بالوں کے ساتھ بال نہ ملائے بلکہ سیاہ اون کے چٹلے بنائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

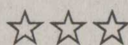
نتائجِ بحث

(۱) مصنوعی اعضاء کی پیوند کاری جائز ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس کا جواز ثابت ہے۔

(۲) مصنوعی بالوں کی پیوند کاری کے جواز وعدم جواز پر علماء کی آراء موجود ہیں احتیاط استعمال نہ کرنے میں ہے۔

(۳) ریشم، اون وغیرہ کے دھاگوں کو بالوں میں جوڑ کر چوٹیاں بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یعنی ربن، چوٹی وغیرہ کا استعمال جائز ہے۔





مصنوعی وحیوانی اعضاء کی صورت میں وضوو غسل کے احکام

مصنوعی وحیوانی اعضاء کی پیوندکاری کی دوصورتیں ہیں

(۱) مصنوعی اور حیوانی اعضاء کو جسم کے ساتھ اس طرح فٹ کر دیا جائے کہ انہیں جسم سے جدا نہ کیا جا سکے۔ یا جدا تو کیا جا سکے لیکن ان کے جدا کرنے میں تکلیف ہوتی ہو مثلاً دانتوں کے اوپر سونے یا چاندی کا خول چڑھا دیا ہے یا مصنوعی دانتوں کو سیسہ سے جسم کے ساتھ جما دیا جائے تو ایسی صورت میں مصنوعی اعضاء کو جسم سے الگ کرنے کی ضرورت نہیں۔ ان پر وضو اور غسل سب جائز ہے۔ وضو اور غسل کے مسئلہ میں وہ اصل اعضاء کے حکم میں ہے۔

(۲) دوسری صورتِ یہ ہے کہ مصنوعی اور حیوانی اعضاء کو جسم کے ساتھ اس طرح فٹ کیا جائے کہ وہ جسم سے بسہولت جدا ہو سکتے ہوں جیسا کہ مصنوعی ہاتھ، ٹانگ، پاؤں اور دانت وغیرہ انہیں بوقت ضرورت جسم سے الگ کیا جا سکتا ہے۔ ایسے اعضاء کا حکم انسان کے اصل اعضاء کی طرح نہیں بلکہ انہیں وضو یا غسلِ جنابت کرتے وقت نکالنا ضروری ہے ورنہ وضو یا غسل جنابت نہ ہوگا جسم ناپاک ہی رہے گا۔

مصنوعی بالوں کا حکم بھی وہی ہے جو باقی اعضاء کا ہے۔ انہیں غسل کے وقت اتارنا ضروری ہے بشرطیکہ اتر سکتے ہوں۔ ان کی حیثیت ایک خارجی چیز کی ہے اگر غسل کرتے وقت پانی اصل بالوں کی جڑوں تک نہ پہنچا تو غسل نہ ہوگا۔

اسی طرح وضو میں سر کا مسح کرنا فرض ہے اگر کوئی خاتون اس طرح سر کا مسح کرے کہ صرف مصنوعی بالوں پر مسح ہو اور اصلی بالوں پر مسح کرے ہی نہ یا کرے تو سہی لیکن اسکا مسح اصلی بالوں پر کم از کم چوتھائی سر کی مقدار نہ ہو پائے تو یہ مسح کافی نہ ہوگا۔اس کو اپنے اصل بالوں پر مسح کرنا چاہیے۔

هذا ماعندی والعلم التّام عند اللّٰه العلّام۔

واخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین قائد الغرّ المحجلین شفیعنا ومولانا محمّد وآله واصحابه اجمعین۔

سیّد ریاض حسین شاہ کاظمی

۱۲ رجب المرجب ۱۴۲۸ ہجری

بمطابق ۔۲۸ جولائی ۲۰۰۷ بروز ہفتہ

مآخذ ومراجع

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	مطبع
1	القرآن الکریم		
2	التفسیر الکبیر	امام فخر الدین رازی	بیروت
3	روح المعانی	علامہ سید محمود آلوسی	مکتبہ امدادیہ ملتان
4	التفسیر المظہری	قاضی ثناء اللہ پانی پتی	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
5	صفوۃ التفاسیر	محمد علی صابونی	بیروت
6	احکام القرآن للجصاص	علامہ ابوبکر جصاص	سہیل اکیڈمی لاہور
7	خزائن العرفان	صدر الافاضل نعیم الدین مرادآبادی	ضیاء القرآن لاہور
8	صحیح بخاری	امام محمد بن اسماعیل بخاری	قدیمی کتب خانہ کراچی
9	صحیح مسلم	امام مسلم بن حجاج قشیری	قدیمی کتب خانہ کراچی
10	جامع ترمذی	امام ابوعیسیٰ ترمذی	مکتبہ رحمانیہ لاہور
11	سنن ابی داؤد	امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث	مکتبہ امدادیہ ملتان
12	سنن ابن ماجہ	امام محمد بن یزید ابن ماجہ	قدیمی کتب خانہ کراچی
13	شرح معانی الآثار	امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی	مکتبہ حقانیہ ملتان
14	مشکوٰۃ المصابیح	شیخ ولی الدین تبریزی	قدیمی کتب خانہ کراچی
15	کنز العمال	امام علاؤالدین علی المتقی	بیروت
16	مسند امام احمد بن حنبل	امام احمد بن حنبل	بیروت
17	مجمع الزوائد ومنبع الفوائد	حافظ نور الدین ہیثمی	بیروت
18	مشکل الآثار	امام ابوجعفر طحاوی	بیروت

19	عمدۃ القاری	علامہ بدالدین عینی	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
20	فتح الباری	علامہ ابن حجر عسقلانی	قدیمی کتب خانہ کراچی
21	ارشاد الساری	علامہ احمد بن محمد قسطلانی	بیروت
22	شرح مسلم للنووی	علامہ یحیٰ بن شرف نووی	قدیمی کتب خانہ کراچی
23	تحفۃ الاحوذی	شیخ عبدالرحمٰن مبارک پوری	نشر السنۃ لاہور
24	اشعۃ اللمعات	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
25	الدرایہ فی تخریج احادیث الھدایہ	علام ابوالفضل احمد بن محمد عسقلانی	مکتبہ امدادیہ ملتان
26	الفردوس بماثور الخطاب	ابوشجاع شیرویہ بن شہردار دیلمی	بیروت
27	مرقاۃ المفاتیح	ملاعلی قاری	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
28	شرح صحیح مسلم	علامہ غلام رسول سعیدی	فرید بکسٹال لاہور
29	المبسوط	علامہ ابوبکر محمد بن احمد سرخسی	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
30	بدائع الصنائع	علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
31	ہدایہ	علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی	مکتبہ امدادیہ ملتان
32	عنایہ	علامہ محمد بن محمود بابرتی	مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
33	فتح القدیر	علامہ کمال الدین ابن ہمام	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
34	البحر الرائق	علامہ زین الدین ابن نجیم مصری	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
35	تبیین الحقائق	علامہ عثمان بن علی زیلی	مصر
36	تنویر الابصار	شیخ شمس الدین تمرتاشی	مکتبہ حنفیہ کوئٹہ
37	درمختار	علامہ علاؤالدین محمد بن علی حصکفی	مکتبہ حنفیہ کوئٹہ
38	ردالمختار	علامہ ابن عابدین شامی	مکتبہ حنفیہ کوئٹہ

39	الفتاویٰ التاتارخانیہ	علامہ عالم بن علاء الانصاری دہلوی	ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی
40	الفتاویٰ البزازیہ	علامہ محمد شہاب الدین ابن بزاز کردری	پشاور
41	فتاویٰ عالمگیری	ملا نظام الدین وغیرہ	پشاور
42	فتاویٰ رضویہ	امام احمد رضا خان بریلوی	رضا فاؤنڈیشن لاہور
43	فتاویٰ نوریہ	فقیہ اعظم نور اللہ بصیر پوری	بصیر پور اوکاڑہ
44	خلاصۃ الفتاویٰ	شیخ طاہر بن عبد الرشید	مکتبہ حنفیہ کوئٹہ
45	منتخبات نظام الفتاویٰ	مفتی نظام الدین	مکتبہ رحمانیہ لاہور
46	فتاویٰ النوازل	فقیہ ابو اللیث سمرقندی	کوئٹہ
47	الجوہرۃ النیرۃ	علامہ ابوبکر بن علی	قدیمی کتب خانہ کراچی
48	کتاب الفقہ	علامہ عبد الرحمٰن الجزیری	محکمہ اوقاف پنجاب لاہور
49	فیض القدیر شرح جامع الصغیر	علامہ عبد الرؤف مناوی	بیروت
50	اسلام میں حلال وحرام	علامہ یوسف القرضاوی	اسلامک پبلیکیشنز لاہور
51	مریض ومعالج کے اسلامی احکام	ڈاکٹر عبد الواحد	دیال سنگھ لائبریری لاہور
52	حاشیہ حموی علی الاشباہ والنظائر	سید احمد بن محمد حموی	ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی
53	شرح کتاب السیر الکبیر	علامہ ابوبکر محمد بن احمد سرخسی	بیروت
54	چند فقہی معاملات کی شرعی حیثیت	ڈاکٹر نور احمد شہتاز	اسکالرز اکیڈمی کراچی
55	انسانی اعضاء کی پیوندکاری	مفتی عبد السلام چاٹگامی	اسلامی کتب خانہ کراچی
56	کتاب الروح	علامہ ابن قیم	بیروت
57	فقہ السنہ	السید سابق	دار الکتب پشاور

58	الفقہ الاسلامی وادلتہ	ڈاکٹر وہبہ زحیلی	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
59	موسوعۃ فی الفقہ الاسلامی	قاضی شرعی سعدی ابوحبیب	بیروت
60	حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر	شیخ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی	دارالمعارف مصر
61	کتاب الام	امام شافعی	بیروت
62	جلاء الصدور	علامہ اشرف سیالوی	ضیاء القرآن لاہور
63	الحدیقۃ الندیہ	علامہ عبدالغنی نابلسی	مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد
64	شرح الصدور	علامہ جلال الدین سیوطی	خلافت اکیڈمی سوات
65	مراقی الفلاح	علامہ حسن بن عمار شرنبلالی	نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
66	اعلاء السنن	ظفر احمد عثمانی	ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ
67	المغازی	محمد بن اسحاق	بیروت
68	جامع الصغیر	علامہ جلال الدین سیوطی	بیروت
69	بدایۃ المجتہد	علامہ ابن رشد اندلسی	اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور
70	سبل الھدیٰ	علامہ محمد یوسف شامی	قاہرہ مصر
71	ضیاء النبی	پیر کرم شاہ الازہری	ضیاء القرآن لاہور
72	سیرت حلبیہ	علی بن برہان الدین حلبی	بیروت
73	نورالانوار	ملا جیون	ایچ ایم سعید کمپنی
74	لسان العرب	علامہ جلال الدین ابن منصور	ایران
75	المیزان الکبریٰ الشعرانیہ	علامہ عبدالوہاب شعرانی	بیروت

76	تذکرۃ الحفاظ	علامہ شمس الدین ذہبی	بیروت
77	تذکرۃ المحدثین	علامہ غلام رسول سعیدی	فرید بکسٹال لاہور
78	نبراس	علامہ عبدالعزیز پرہاروی	مکتبہ قادریہ لاہور
79	مغنی المحتاج	علامہ محمد قزوینی	بیروت
80	فتح العزیز	علامہ ابوالقاسم محمد رافعی	بیروت
81	تشریع الجنائی الاسلامی	علامہ عبدالقادر عودہ	بیروت
82	شرح المجلہ للاتاسی	مفتی خالد اتاسی	المکتبۃ العربیہ کوئٹہ
83	الموافقات فی اصول الشریعہ	ابواسحاق شاطبی	بیروت
84	المغنی لابن قدامہ	علامہ ابن قدامہ	بیروت
85	المہذب	شیخ ابواسحاق شیرازی	بیروت
86	المجموع شرح المہذب	علامہ یحییٰ بن شرف نووی	بیروت
87	فتاویٰ قاضی خان	علامہ حسن بن منصور اوزجندی	پشاور
88	غیاث اللغات	مولانا غیاث الدین	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
89	لسان العرب	ابن منظور افریقی	ایران





بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مطبوعات زاویہ پبلشرز

Cells: 0300-9467047 0321-9467047

0300-4505466 0322-9467047

Ph: 042-7248657 Fax: 7112954

E-mail: Zaviapublishers@yahoo.com

تاریخ مشائخ قادریہ، برکاتیہ 200

محمد صادق قصوری

ملفوظاتِ نقشبندیہ 100

محمد صادق قصوری

حکایاتِ کشف المحجوب 100

ڈاکٹر ظہور الحسن شارب

شرح قصیدہ بردہ شریف 120

شارع ابوالبرکات محمد عبدالمالک خان کھوڑوی

اولاد کوسکھائو محبت حضور ﷺ کی 100

مصنف: ڈاکٹر محمد عبدہٗ یمانی مترجم: ڈاکٹر محمد مبارک ملک

اولاد کو سکھائو محبت اہل بیت کی 120

مصنف: ڈاکٹر محمد عبدہٗ یمانی مترجم: ڈاکٹر محمد مبارک ملک

گلدستہ احادیث 100

حافظ غلام مرتضیٰ بیربلوی رحمۃ اللہ علیہ

جنت کا میوہ (مجموعہ احادیث) 90

الاستاد محمد رمضان

اللہ والے 110

ڈاکٹر ظہور الحسن شارب

اللہ والیاں 120

احمد مصطفیٰ صدیقی

دلی کے بائیس خواجہ 100

ڈاکٹر ظہور الحسن شارب

تذکرہ اولیائے پاک و ہند 130

ڈاکٹر ظہور الحسن شارب

کشف العرفان مجموعہ نعت (اردو، عربی، فارسی) 140

مؤلف ومترجم: ڈاکٹر نور محمد ربانی رحمۃ اللہ علیہ

نعت عشق محمد صلی اللہ علیہ وسلم 100

سید صادق شاہ

میٹھا میٹھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام 100

شاہد محمود، راجہ لیاقت الیاس

مشتاق مدینے دا 70

مرتب: مولانا منور احمد قادری عطاری

سیرت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا 120

مولانا عبدالاحد قادری

افضل الرسل 90

حضرت پیر سید محمد حسین شاہ علی پوری

معین الھند (حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ) 100

ڈاکٹر ظہور الحسن شارب

مکاشفات و روحانیات 120

پروفیسر عبدالصمد الازہری رحمۃ اللہ علیہ

قرآنی علاج 80

عبدالمجید شاکر

باتوں سے خوشبو آئے (اشفاق احمد کے انٹرویوز) 250

محمد نواز کھرل

وظائفِ اشرفی 80

ابو احمد محمد علی حسین اشرفی

بابا فرید گنج شکر 70

شبیر حسین چشتی نظامی

ملفوظاتِ حضرت بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ 100

شبیر حسن نظامی

سیدہ کا لال (حضرت امام حسین علیہ السلام) 90

علامہ راشد الخیری

تذکرہ ولادت حضرت علی رضی اللہ عنہ 120

سیّد عظمت حسین شاہ

تصوف و طریقت 100

علامہ سیّد شاہ تراب الحق قادری

خواتین کے دینی مسائل 100

علامہ سیّد شاہ تراب الحق قادری

ضیاء الحدیث 90

علامہ سیّد شاہ تراب الحق قادری

جمال مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم 120

علامہ سیّد شاہ تراب الحق قادری

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ 150

علامہ سیّد شاہ تراب الحق قادری

مزاراتِ اولیاء اور توسل 90

علامہ سیّد شاہ تراب الحق قادری

فلاح دارین 60

علامہ سیّد شاہ تراب الحق قادری

نماز کی کتاب 30

علامہ سیّد شاہ تراب الحق قادری

مبلغ بنانے والی کتاب 60

علامہ سیّد شاہ تراب الحق قادری

40
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بچوں سے محبت
علامہ سیّد شاہ تراب الحق قادری

30
دینی تعلیم
علامہ سیّد شاہ تراب الحق قادری

25
تفسیر سورۃ فاتحہ
علامہ سیّد شاہ تراب الحق قادری

25
مبارک راتیں
علامہ سیّد شاہ تراب الحق قادری

25
اسلامی عقائد
علامہ سیّد شاہ تراب الحق قادری

120
فضائل صحابہ و اہل بیت
علامہ سیّد شاہ تراب الحق قادری

90
جنتی لوگ کون؟
علامہ سیّد شاہ تراب الحق قادری

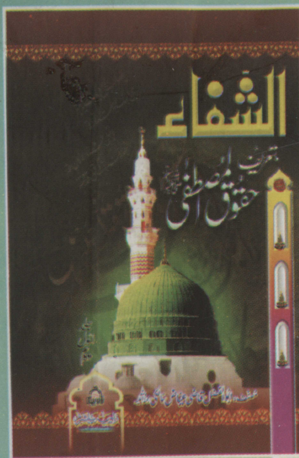
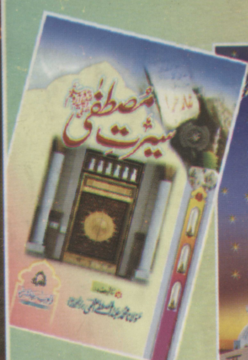
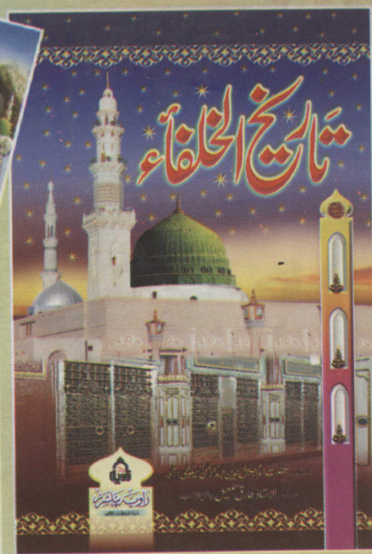
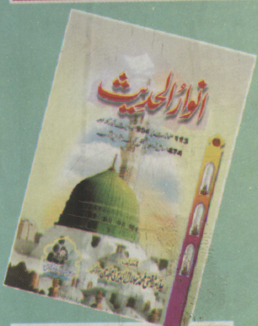
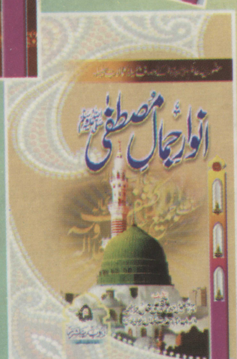
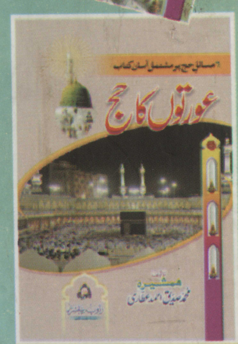
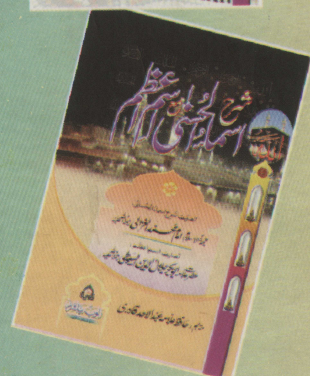
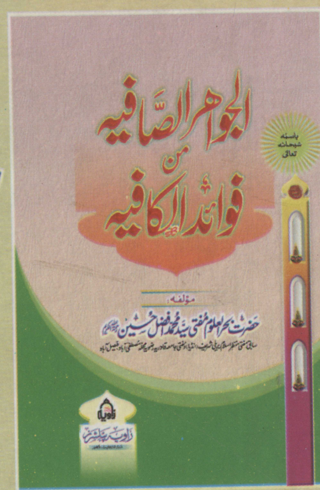
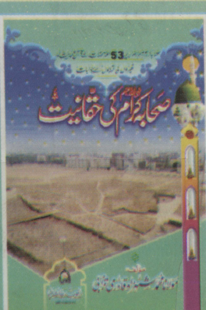
135
شریعتِ محمدی کے ہزار مسائل
مولانا محمد شہزاد قادری تُرابی

100
سُنّتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور جدید سائنس
مولانا محمد شہزاد قادری تُرابی

90
قرآنِ حکیم اور سو عقائد
مولانا محمد شہزاد قادری تُرابی

60
مظلوم کے آنسو
مولانا محمد شہزاد قادری تُرابی

30
دعائیں قبول کیوں نہیں ہوتیں؟
مولانا محمد شہزاد قادری تُرابی


الشفاء
بتعریف حقوق المصطفیٰ

سیرت مصطفیٰ

تاریخ الخلفاء

انوار الحدیث

انوار جمال مصطفیٰ

عورتوں کا حج

شرح اسماء الحسنیٰ

الجواہر الصافیہ
من
فوائد الکافیہ

صحابہ کرام کی حقانیت


زاویہ
پبلشرز